کتاب کی تاریخ

شایاں قدوائی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کتاب کی تاریخ

شایاں قدوائی

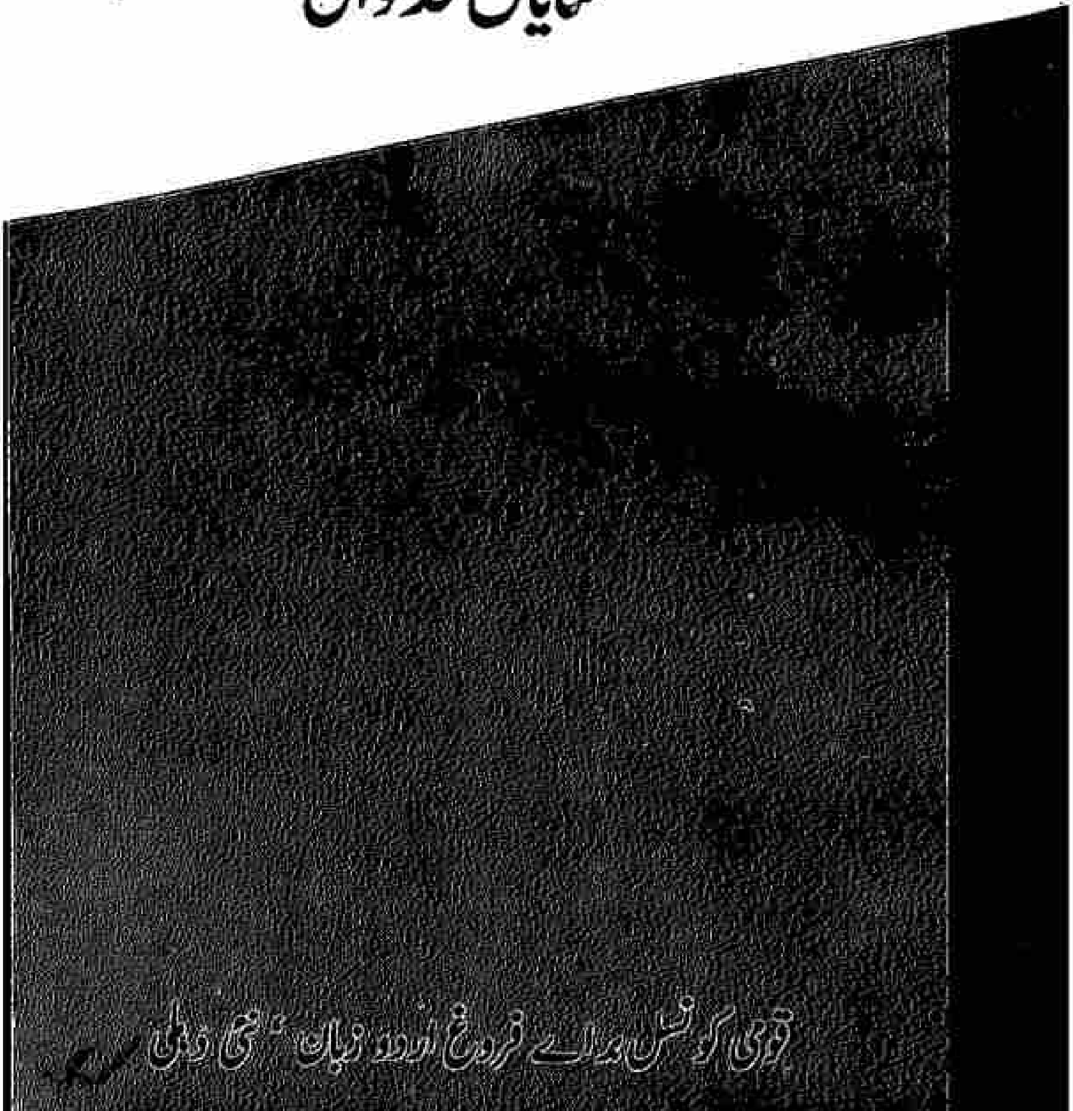

کتاب کی تاریخ

مصنف
شایاں قدوائی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند
ویسٹ بلاک ۔1۔ آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی 110066

Kitab Ki Tareekh

By

Shayan Qidwai

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت:

پہلا اڈیشن	:	1980
دوسرا اڈیشن	:	2000 تعداد 1100

قیمت : =/75

سلسلۂ مطبوعات : 856

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : فہمی کمپیوٹرس دین دنیا ہاؤس جامع مسجد دہلی۔6

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی۔ علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہو گئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے

والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشو و نما طبعی، انسانی علوم اور تکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے اڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست

ابتدائیہ : تحریر کی شروعات 7

حصہ اوّل : قدیم کتابیں 19

پہلا باب مٹی کے اوراق کی کتابیں 20
دوسرا باب پیپرس پر لکھی کتابیں 26
تیسرا باب لکڑی کی تختیاں اور ریشم پر لکھی کتابیں 31
چوتھا باب وادیٔ سندھ - پتھر کی چھوٹی چھوٹی کتابیں 36
پانچواں باب قدیم ایران و ہندوستان کی کتابیں 40
چھٹا باب صوتی حروف تہجی کی ابتدا (فنیقی قوم) 49
ساتواں باب علم و ادب کا بابِ عالی یونان 53
آٹھواں باب قدیم روما کی کتابیں 58

حصہ دوم : عہدِ وسطیٰ کی کتابیں 61

پہلا باب (مذہبی کتابیں) - راہب 62
دوسرا باب عرب اسلامی تہذیب 65
تیسرا باب کلیسائے روم کی کتابیں 73
چوتھا باب کاغذ کی ابتدا 81
پانچواں باب مغرب میں چھپائی کا آغاز 86

حصّہ سوم: مشینی دَور کا آغاز اور کتابی تکنیک کی ارتقائی لہر 105

پہلا باب سولھویں صدی: نئی مطبوعہ کتابیں 106

دوسرا باب مصوّر کتابوں کی طباعت 115

تیسرا باب کتاب کی جلدیں 123

چوتھا باب کتاب کے کچھ اہم مسائل 130

پانچواں باب امریکی اور روسی چھاپے خانے 134

چھٹا باب کتاب سازی میں مزید ایجادیں 142

ساتواں باب پرنٹنگ پریس کی ساخت میں مزید تبدیلیاں 148

آٹھواں باب کتب خانے 157

حصّہ چہارم: جدید ہندوستان اور صنعتِ کتاب کی عالمی تنظیم 184

پہلا باب اُردو زبان 185

دوسرا باب چھپائی کا ہندوستان پہنچنا 195

تیسرا باب عیسائی تبلیغی جماعتیں 201

چوتھا باب ہندوستان کے جدید ناشرینِ کتب اور ان کی حالیہ اشاعتی سرگرمیاں 217

پانچواں باب بیسویں صدی میں تمام علوم کی غیر معمولی عالمی پیمانے پر ترقی 222

چھٹا باب مائکروفارم کتابیں 228

ضمیمہ 247

کتابیات 277

ابتدائیہ: تحریر کی شروعات

علم انسان کے قوائے ذہنی کا خاصہ ہے۔ یہ دوسرے حیوانات کو بھی حسب حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اسے خارجی طور پر محفوظ کرنے کی حکمت، اس کی نظم و ترتیب کا عمل، اسے فروغ دینے کا طریقہ، اس کی نشوونما اور ترقی کی تدبیر، سوا انسان کے زمین پر کوئی مخلوق نہیں جانتی۔ انسان یہ عمل طویل زمانے سے قلم اور کتاب کے ذریعہ انجام دے رہا ہے اور اس منصب کی عزت صرف انسان کو بخشی گئی ہے۔ کتاب انسان کے علم کی خارجی شکل ہے اور اس کے افکار و خیالات کا مرئی مجسمہ ہے، انسان کے حاصل کردہ علم کی منظم و مرتب صورت ہے، اسے فروغ دینے کا لاثانی وسیلہ ہے۔

ایک زمانے میں انسان نے اپنے علم کو الفاظ میں ڈھال کر قلم سے کسی چیز پر تحریر کرنا شروع کیا تھا، پھر ان تحریری اوراق کو اکٹھا کر کے ایک کتاب کی شکل دے دی تھی۔ کتاب کی وہ شکل اس وقت سے آج تک کتنے تغیرات سے گذری اور اس فن کے کتنے پہلو پیدا ہوئے، تاریخی مسلّمہ حقائق کی بنیاد پر انھیں بیان کرنے کی کوشش پیش نظر کتاب ہے۔ اس موضوع پر جن مسائل سے بحث ہے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ کتاب کی عبارت اور الفاظ کے قائم مقام علامات جن کو ہم حروف کہتے ہیں، ان کی مکمل تشریح اور تاریخی ارتقا۔

2۔ جس چیز پر کتاب لکھی یا چھاپی جاتی ہے (آج ہم عموماً اسے کاغذ کہتے ہیں) اور جس کے ذریعہ یہ کام انجام دیا جاتا ہے (ہم اسے قلم اور پریس کہتے ہیں) تاریخ کی روشنی میں ہر عہد میں مستعمل ساز و سامان کی تفصیل۔

3۔ کتاب وجود میں لانے کے عہد بہ عہد مختلف طریقے اور ان کی متبادل شکلیں۔
4۔ کتاب کی آرائش اور تصویر کاری۔
5۔ کتاب کی جلد بندی۔ کتب خانے اور ہر عہد میں ان کی تنظیم۔
6۔ کتاب کی اشاعت اور تجارت کی سرگرمیاں۔
7۔ کتاب کے مواد اور طباعت سے متعلق ضابطے اور قوانین۔

مذکورہ مسائل کو قدیم، وسطی اور جدید زمانوں میں قوموں اور سرزمینوں میں تقسیم کرکے بیان کیا گیا ہے اور بعد ازاں تشریح کے آخر میں ہر عنوان کے تحت مشرقی اور مغربی ممالک میں کتاب کی تاریخی سرگرمی کے خاکے پیش کیے گئے ہیں۔

کتاب کی تاریخ لکھنے کے لیے انسان کی تہذیب کے پورے تاریخی سلسلے پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ آدمی آج سے پچاس ہزار سال سے آگے ایک ایسے تاریک صحرا میں گم ہے جہاں علم تاریخ کی باریک سی کرن بھی نہیں پہنچتی کہ اس کے بارے میں کچھ بھی مشکل بڑ بڑ جڑ مل سکے۔ اس زمانے میں وہ کیسا ہے کیسا تھا زمین پر کہاں ہے کہاں نہیں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں نہیں ملتا۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت وہ کیا کھاتا پیتا تھا، اس کا رہن سہن کیا تھا اور کون کون سے کام کرتا تھا۔ پچاس ہزار سال گذرے جب وہ پتھر کے زمانہ میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت سے اس کا دھندلا دھندلا سراغ ملنا شروع ہوا۔ پچاس ہزار سال پرانی چٹانوں پر انسان کے کچھ ایسے غیر یقینی نشانات دیکھنے میں آئے جیسے صبح کاذب کے چھٹنے میں سورج کے آثار ہے ہیں۔

ماہرین علم الانسان اور جغرافیات نے پتھر کے تہذیبی زمانے کو قدیم اور جدید میں الگ الگ کرکے تہذیب انسانی کے نمو کا جائزہ لیا ہے۔ قدیم پتھر کے زمانے کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پچاس ہزار سال سے چالیس ہزار سال تک۔ چالیس سے تیس ہزار سال تک۔ تیس سے پچیس ہزار سال تک۔ پچیس سے اکیس ہزار سال تک۔ اور آخر پندرہ ہزار سال کا قبل جدید عہد حجری زمانہ۔ اس کے بعد دس ہزار سال سے سات سو سات ہزار سال کا عہد پتھر کا زمانہ ہے جس کے اختتام پر انسان نے جلد چمکنے والی دھاتیں دریافت کر لیں۔ سات ہزار سال سے پانچ ہزار سال ق۔ م تک انسانوں میں قومی حیثیت سے تہذیب کی کچھ امتیازی خصوصیت رونما ہونے لگیں جو بڑی حد تک مخصوص طبعی حالات اور جغرافیائی حدود میں مستقل طور پر کچھ انسانی نسلوں کے آباد و متمکن ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھیں اس طرح سمیریا اور مصری بالترتیب دو تہذیبوں کی یکے بعد دیگرے نشاندہی ہونے لگی۔ پانچ ہزار سال سے چار ہزار سال ق۔ م تک دونوں

قوموں کی تہذیب سے قبل تحریر کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

تیس اور پچیس ہزار سال کی درمیانی مدت میں جہاں پتھر کے اوزار اور حجری معاشرت کے دیگر ساز و سامان کی نشان دہی ہوتی ہے وہیں یہ بھی سراغ ملتا ہے کہ انسان اپنے ارد گرد کی اشیاء پر کہیں کہیں کچھ لکیریں بھی کھینچنے لگا تھا۔ تحریر کی سب سے ابتدائی کڑی وہ لکیریں ہیں جو پتھر کی سلوں اور چٹانوں کے علاوہ بارہ سنگھے کے سینگوں، کچھوے کے کھپروں، بانس کے پھریروں، درختوں کی چھال، سیپ، گھونگے، ہاتھی دانت اور موتی کے ٹکڑوں پر بھی پڑی ہوئی زمین کے مختلف حصوں میں ملی ہیں۔ یہ نشانات یقینی طور پر انسان کے ہاتھوں سے ارادتاً بنائے گئے ہیں۔ پچیس تیس ہزار سال پرانے ان نشانات کے مقصد و معنی ناقابل فہم ہیں۔ اس کے بعد کے زمانے میں جب انسانی میدانی تہذیب میں کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش کر رہا تھا، اس زمانے کے مٹی کے برتنوں پر مختلف شکلوں کے نشانات وادی نیل کے قدیم مصری کھنڈروں کی کھدائی میں ملے جو بلاشبہ ملکیت کے امتیازی نشانات ہیں۔ زمانۂ دراز کے بعد ان نشانوں پر غور کیا جانے لگا۔ خاص طور پر قدیم برتنوں پر تحقیق کرنے والے سر فلنڈرس پیٹری (Sir Flinoer Petrice) ہیں۔ جنھوں نے قدیم مصری برتنوں پر جو نشانات پائے وہ وہاں کے قدیم ترین خط ہیروغلیفی (Heroglaphi) سے زیادہ پرانے ثابت ہوئے اسی طرح کی لکیریں کریٹ، قبرص، کیریا، لیکیا، لیڈیا وغیرہ سے دستیاب ہوئیں۔

پیٹری (Petrice) کی تحقیقات سے پہلے مسٹر پیٹ (Mr ED Piette) نے بھی قدیم برتنوں پر بنے نشانات پر غور کیا تھا اور ان کی موجودہ حروف تہجی میں کچھ اس قسم کے قدیم نشانات سے مماثلت نظر آئی تھی۔ انھیں مسد ایزل (Masad Azil) ہسپانیہ میں کچھ گھسے پٹے پتھر ملے تھے جن پر کچھ ایسی لکیریں ملیں جو غالباً گنتی شمار کی علامتیں تھیں۔ کچھ سانپ، کچھوے، درخت وغیرہ سے ملتے جلتے نشانات تھے جن میں ان کو بعد میں ایجاد ہونے والے حروف تہجی کی مشابہت نظر آئی۔ سر فلنڈر پیٹری نے دماغی کاوش کر کے ان میں گہرا باہمی ربط و تعلق دریافت کیا اور ہزاروں سال بعد کے حروف تہجی ابتدائی شکلوں کو اپنی تحقیقات میں ان قدیم ترین لکیروں کا ماخذ بتلایا۔ ان نشانات کو انھوں نے روی علامات سے موسوم کیا ہے (Mediteranian Signals) جن میں ٹوٹم (جرگوں کے مخصوص نشانات) یا ملکیت کے امتیازی نشانات یا کاری گروں کے انفرادی نشانات وغیرہ شامل ہیں۔ سر آرتھر ایوانس نے لکیری تحریر کی دریافت ابتدائی شکل یعنی تحریری نشانات کی سب سے پہلی سطح کریٹ میں دریافت کی۔ ان کا خیال ہے کہ طرز تحریر حقیقتاً وہیں سے وجود میں آیا۔

اس طرح اکثر محققین نے فن تحریر کا سلسلہ ان لکیروں سے ملایا جو بہت قدیم زمانے میں بے مقصد کھینچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور کچھ آگے بڑھ کر انسان کسی مقصد سے لکیریں بنانے لگا تھا۔ بحر روم کے اطراف سے جنوبی ہندوستان تک جا بجا زمانۂ قدیم کے برتنوں پر جو نشانات بنے ہوئے ملے ہیں وہ حسبِ ذیل اشکال کے ہیں۔

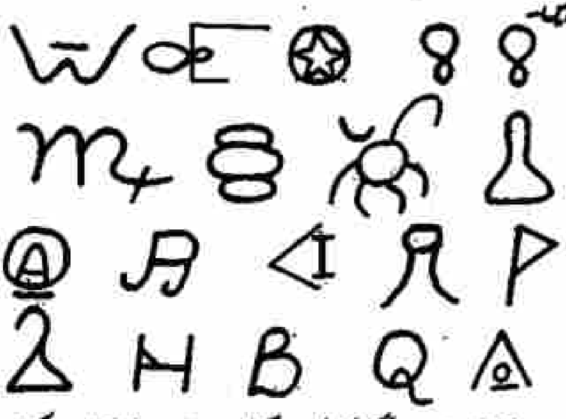

یہ نشانات سب مقامات پر حیرت انگیز یکسانیت رکھتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بہت طویل زمانے کے بعد جب الف بائی حروف کی ابتدا ہوئی تو ان میں ان نشانات کی اچھی خاصی جھلک پائی جاتی ہے۔

لیکن فن تحریر کا براہ راست سلسلہ ان لکیروں سے نہیں ہے بلکہ ان کا قریبی رشتہ ان تصویروں سے ہے جن کی ابتدا بعد کے طریقۂ پر عہد حجر کے تیسرے ہی دور یعنی تیس اور پچیس ہزار سال کے اواخر میں ہوگئی تھی۔ پانچویں دور میں اور پندرہ ہزار سال کے درمیانی زمانے میں انسان غاروں کی دیواریں اور جا بجا چٹانیں چکنی ہموار کرکے ان پر اچھی خاصی تصویریں بنا رہا تھا۔ بیس ہزار سال پرانی جو تصویریں غاروں میں بنی ہوئی پائی گئیں ان میں ایک بہت بڑے ہاتھی نما مہیب القامت بال دار میمتھ (Mamath) کی ہے۔ پندرہ ہزار برس کے قریب زمانے کی تصویر ہسپانیہ سے جنگلی سور کی برآمد ہوئی۔ اسی زمانے کی ایک تصویر دو لڑتے ہوئے بیلوں کی' اور ایک سانڈ کی تصویر فن تصویر کشی میں انسان کی کافی ترقی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ہسپانیہ میں دس ہزار سال پرانی تصویر تیر کمان سے شکار کھیلنے کی ملی ہے۔ اور تقریباً اسی زمانے کے جنگلی جانوروں کا ڈنڈوں سے شکار کرنے کی تصویر مقام سنگن پور ضلع رائے گڑھ وسطی ہند سے ملی ہے۔ اگرچہ دونوں مقامات کے تہذیبی اور معاشرتی فاصلے طویل ہیں' لیکن دونوں دور دراز مقامات کے انسان کی تصویر کشی میں فنی صلاحیت' اور اس کی دسترس کو قریب تر بخوبی

ظاہر کرتی ہیں۔ یہ تصویریں غار کے مکینوں کے مختلف مشاہدات کی حیرت انگیز طور پر ترجمانی کرتی ہیں۔ کہیں انھوں نے اونا بھینسا، بارہ سنگھا، جنگلی گھوڑا یا بعض ایسے جانوروں کی تصویریں بھی بنائی ہیں جو ان علاقوں سے اب معدوم ہو چکے ہیں۔ جیسے کہ چیتہ، بلا شبہ اس قسم کی تصویریں قدیم انسان کی زندگی کے تجربات اور مطالعے کی یادگاریں ہیں جو بالآخر محفوظ رکھنے کے قابل تاریخی ریکارڈ ثابت ہوئے۔ لیکن ان تصویروں کی صرف یہی اہمیت نہیں کہ وہ قدیم انسان کی فنِ تصویر کشی کی صلاحیت کا پتہ دیتی ہیں، بلکہ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ تصویر کشی سے کہیں زیادہ دشوار ذہنی عمل اور بعید از قیاس انسانی کارنامہ، فنِ تحریر وجود میں آیا۔ قدیم ترین لکیروں کی طرح ان قدیم تصویروں کا مقصد بھی نا معلوم ہے اور ان کی تحریکِ عمل کا سبب بھی محققین کی نظر سے اب تک پوشیدہ ہے۔ لیکن دس ہزار سال قدیم ایک بیل کی تصویر کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اُس کی پشت پر بنے ہوئے ایک قطار میں چار چھوٹے گول دائرے پا کر اس کے کچھ معنی اخذ کرتے ہیں۔ چار عدد بیل یا چالیس یا چار سو بیل جو پکڑے اور سدھائے گئے۔ اس طرح تصویروں کے معنی اور مطلب پیدا ہونا شروع ہوئے۔

تصویری خط (PICTOGRAPHY)

ابتدا میں جب انسان کو کچھ پیغام بھیجنا یا کچھ یادداشتیں رکھنے کی ضرورت درپیش ہوئی تو علاوہ دوسرے طریقوں کے اسے تصویر کشی کے ایک مصرف کا بھی ایک خیال آیا۔ اور تصویر کشی کا فن جو کئی ہزار برس بے مقصد ترقی کرتا رہا تھا، دس ہزار اور پانچ ہزار سال کے درمیانی زمانے میں ایک با مقصد ہنر بن گیا۔ جس کے ذریعہ ایک تصویری رسم خط وجود میں آیا۔ اس طرزِ تحریر میں کچھ اشیاء کی مجرد تصویریں بنا دی جاتی تھیں، جو اپنے اصل معنی کی ترجمانی کرتی تھیں۔ جن چیزوں کی تصویریں ہوتی تھیں، پیغام انھیں سے مقصود ہوتا تھا۔

ایک جگہ پتھر کی تختی دریائے فرات کے کنارے "کیش" مقام پر کھدائی میں برآمد ہوئی۔ اس تحریر کا زمانہ تین ہزار پانچ سو ق۔م سے کچھ زاید کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ آج سے ساڑھے پانچ ہزار سال پہلے کی تصویری خط کی تحریر کا نمونہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصویر کشی جو اُس وقت سے پہلے انسان کے فطری ذوق کے تابع محض ایک بے اختیاری عمل اور بے مقصد شغل تھا اب ایک اہم مادّی ضرورت اور افرادِ معاشرہ کا ایک مقصد بن گئی ہے۔ اس زمانے

میں اس سرزمین پر جہاں سے یہ تختی ملی ہے 'سمیری' قوم آباد تھی۔ جس کی تہذیب کے بہت سے آثار مذکورہ علاقے میں دور تک پھیلے ہوئے پائے گئے۔ لکھائی کی یہ ابتدائی شکل تصویری تحریر کا سب سے قدیم نمونہ ہے جو اب تک ڈھونڈے جا سکے ہیں۔ اور اس پتھر کی لوح کو تاریخ رسم الخط کا سنگِ بنیاد کہنا چاہیے۔

مکمل تصویری طرز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ لکھنے والا جن چیزوں کے متعلق خبر دینا چاہتا ہے اُن کی تصویر بنا دیتا ہے۔ اکثر ایک بات لکھنے کے لیے مقصود کی بار بار کئی تصویریں بنانا پڑتی ہیں۔ جیسا لوح مذکور سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے لیے بہت وقت درکار ہوتا ہے اور ایک مختصر سی اطلاع کے لیے بہت سی جگہ بھی گھر جاتی ہے۔ اس پر بھی صرف مرئی چیزوں کے بارے میں کوئی بات قلم بند ہو پاتی ہے جو چیزیں دیکھی نہیں جا سکتیں اُن کو تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ اگر تصویر بنانے میں ذرا بھی غلطی ہو گئی تو اطلاع کچھ کی کچھ ہو گئی۔ قلیل تعداد یا کم مقدار کو تو کسی طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے لیکن کثیر تعداد اور مقدار کو لکھنا بہت دشوار ہے۔

اس سرزمین پر جہاں تحریر کا فن سب سے پہلے شروع ہوا انسان کی تہذیبی رفتار بہت تیز تھی۔ کاروبارِ زندگی تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ انسانی آبادی پھیل کر وسیع معاشرہ میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اُن کے درمیانی فاصلے روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے نامہ و پیام کی سخت ضرورت تھی۔ لکھائی کا کام اس اعتبار سے بڑھتا جا رہا تھا۔ تحریر کی سست رفتاری کاروبارِ زندگی کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ بڑھتے ہوئے خیالات و افکار لکھنے والوں سے تقاضہ کر رہے تھے کہ احوالِ زندگی زیادہ تفصیل سے لکھیں۔ لیکن تصویری نقوش اپنے قامت سے زیادہ لاکھ ہاتھ پاؤں پھیلاتے تھے۔ مضمون مصوری کے جامے سے باہر ہوا جاتا تھا۔ اس علاقے میں تقریباً پانچ چھ سو سال تصویری خط اسی طرز پر چلتا رہا۔ عقل و دانش روز بروز اس کی سادگی سے غیر مطمئن ہوتی جاتی تھی۔ آخر کار انھوں نے ان تصویروں کو تصور کے پر لگا دیے۔ اس طرح تصوری خط وجود میں آیا۔

تصوّری خط (IDIOGRAPHY)

یہ بھی ایک نیم تصویری خط تھا لیکن اس میں چیزوں کی شکلوں سے بجائے حقیقی تعبیر ان سے مجازی معنی اخذ کیے جانے لگے۔

تصوری خط، تصویری خط سے تقریباً پانچ سو برس بعد سمیری تہذیب میسوپوٹامیا کے علاقے میں پیدا کیا۔ اس طرزِ تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی تصویری علامتوں سے زیادہ معنی اور مطالب ادا ہونے لگے۔ مثلاً ورج کا چاند مہینے کے شروع ہونے کی خبر دینے لگا۔ سورج حسبِ موقع دن کا وقت بھی بتاتا، اور گرمی کا موسم، امساک باراں کی اطلاع بھی پہنچاتا۔ تیر کا نشان دیکھ کر کسی شخص کی کہیں سے روانگی کی خبر مل جاتی۔ یہ علامتیں مفرد بھی ہوتی تھیں اور مرکب بھی۔

لکھنے کا یہ جدید طریقہ بمقابلہ مجرد تصویری علامتوں کے کم جگہ گھیرنے اور زیادہ معنی پیدا کرنے لگا۔ جن خیالات کی تصویر کشی ممکن نہ تھی وہ بھی ادا ہونے لگے۔ تشبیہوں پر تصور کا ایسا اطلاق عمل ہوا کہ شمشیر بکف آدمی بلندی ہیں اور بیل سے روح وجود میں آئے۔ کچھ ہی عرصے میں لوگ ان علامتوں کے مفہوم سے بخوبی آشنا اور مانوس ہو گئے۔ اور یہ تصوری خط ایک باقاعدہ تحریری زبان بن گئی تصوری خط (Idiography) کا ابتدائی نمونہ جسے نیم تصویری خط SemiPictography بھی کہا جا سکتا ہے، اسی سرزمین سے برآمد ہوا ہے، جس میں پکائی ہوئی مٹی کی تختی پر منقوش اس تحریر کا زمانہ دو ہزار نو سو ق م کے لگ بھگ یعنی آج سے پانچ ہزار سال کا خیال کیا جاتا ہے۔ اوپر سے نیچے چلتی ہوئی چینی انداز تحریر میں چھوٹی چھوٹی تصویری علامتیں باقاعدہ لکھائی کی شاید سب سے قدیم مثال ہیں۔ پوری تختی میں کھڑی کھڑی پانچ مستطیل سطریں ہیں۔ اور ہر سطر میں سات سے دس تک تصویری علامتیں ہیں۔ اس طرح ایک چھوٹی سی لوح پر مدعا اور مطلب کی پوری عبارت مرقوم ہے۔ جس میں بجائے وحدانی شکل میں اشیا کی جدا جدا تصویریں پیش کرنے کے، ساری عبارت انتالیس مرکب خاکوں پر مشتمل ہے۔ ہر خاکے میں ایک سے زیادہ اشیا کی ملحق اور مربوط بہت سی چھوٹی چھوٹی تصویریں بنی ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک خاکہ بجائے ایک لفظ یا ایک وحدانی خیال کے ایک بات یا ایک جملہ ہے اور نقش کیے گئے، انتالیس خاکوں میں جو ایک لوح پر کندہ ہیں پورا مضمون مکمل کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ لوح کا کچھ حصہ خالی بھی پڑا ہے۔

یہ تصویریں دور دراز سفر کرتی ہوئی دنیا کے بہت بڑے حصے میں پہنچ گئیں بلکہ بہت کم مدت میں حقیقتاً پورے کرۂ ارض پر پھیل گئیں۔ البتہ کے اس طویل اور تیز رفتار سفر کا ذریعہ نامعلوم ہے۔ یہی تصویری خط وادی فرات سے وادی نیل تک سرزمین فراعنہ میں بھی تقریباً اسی زمانے کے آس پاس دریافت ہوتا ہے۔ اُس سے کچھ بعد کے زمانے میں ایشیائے کوچک

کے ماقبل تاریخ حتیٰ کہ تصویری خط او جنوبی ایران کے ایلمی تصویری خط کی صورت میں رُونما ہوتا ہے۔ وادیٔ سندھ میں جو قدیم ترین چھوٹی چھوٹی تعویذ نما پتھر کی لوحیں ملی ہیں ان پر بھی تصویری اور تصوری خط ہے اور کم و بیش اسی عہد کا معلوم ہوتا ہے۔ اور آگے مشرق بعید میں سرزمین چین کا اس سے کچھ پہلے یا بعد کے زمانے سے لے کر آج تک تصویری، نیم تصویری اور تصوری خط رائج ہے۔ یہ تصوری خط بہت دور جزیرۂ ایسٹر میں جو بحر الکاہل میں چلی کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حیرت انگیز طور پر قدیم سندھی تصویری خط سے مماثلت رکھتا ہوا پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شمالی اور جنوبی امریکہ کی 'کری'، 'مایا'، (میکسیکو) چیرو کی (شمالی امریکہ) کی تحریریں اور تاریک براعظم افریقہ کے بامو نسبندی اور دیگر خطوط بھی کناڈا تصویری رسم خط کی دور میں شریک ہیں۔ اگرچہ زمانے کے لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے۔ یہ تصویری خط سائبریا کے جنگل اور الاسکا برفستانی علاقوں میں پہنچا اور بڑے دلچسپ انداز میں اپنے مطالب ادا کرتا ہے۔

میخی خط (CUNEI FORM)

تصویری اور تصوری خط کافی ترقی دینے کے ساتھ ساتھ سمیریہ نے تحریر کی ایک نئی شکل تین ہزار ق م میں ایجاد کرلی تھی۔ اس میں تحریری علامات میخ کی شکل کے نشانات سے وضع کی گئی تھیں۔ بمقابلہ تصویری اشکال کے لکھنے میں اس کے حروف کھینچنا آسان اور زود نویسی کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ اس طرز تحریر نے نہ صرف میسوپوٹامیا (وادی دجلہ و فرات) میں بہت ترقی کی بلکہ آس پاس کے ممالک ایلم، ایران قدیم اور مغربی ایشیا و ایشیائے کوچک میں بہت مقبولیت حاصل کی۔ ان مخروطی حروف کی تین شکلیں تھیں۔ (۱) میخی ۲ (۲) بیکانی ۲ (3) مسمازی۔ اور ان کے طرز تحریر کا پورے وسط ایشیا اور مغربی ایشیا میں 539 ق۔م تک دور دورہ رہا۔ اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اگرچہ ان کے بچے کھچے آثار سن عیسوی کے آغاز تک نظر آتے ہیں۔

لکیری تحریر (LINEAR WRITING)

تصویر کشی سے لکھائی کی کوششوں نے کئی سو برسوں میں باقاعدہ تحریر کا ایک فن پیدا کیا جس نے تصویر کشی کے فن سے مختلف اپنی ترقی کا راستہ اختیار کیا جن قوموں اور تہذیبوں نے

تصویروں کے ذریعے تحریری علامات اپنے اپنے طرز پر وضع کی گئیں ان کی ذہنی اور معاشرتی کارویہ کی ترقی مسلسل زود نویسی اور مختصر نویسی کا تقاضہ کر رہی تھیں۔ تصویری خط کے بعد میخی خط بھی جب اس تقاضے کو پورا کرنے سے قاصر رہا تو ان مختصر لکیروں کی تلاش ہوئی جو انسان بلا کچھ سوچے سمجھے وقتاً فوقتاً جا بجا کھینچتا رہا تھا۔ فن تحریر میں ان لکیروں کا استعمال ایک بہت بڑا ارتقائی قدم تھا۔ اس نے زیادہ سے زیادہ مواد کو کم سے کم جگہ میں تیزی سے لکھنے کا تقاضہ بڑی حد تک پورا کیا۔ اور فنِ تحریر تیزی سے ترقی کرنے لگا۔

ترقی کا پہلا درجہ صوری ارتقا کا ہے جس کی دو منزلیں ہیں۔ پہلی منزل تصویری تحریر (Pictography) اس کی دو صورتیں حقیقی تعبیرات اور مجازی تعبیرات کی تشریح پچھلے صفحات میں کی جا چکی ہے۔ دوسری منزل لکیری تحریر Linear Writing جس میں ابتداً تصویری اثرات باقی رہے اور بتدریج زائل ہوتے گئے جو ذیل کی مثال سے واضح ہے۔

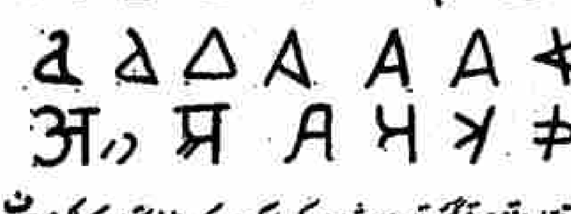

عربی الف کا ارتقا۔

رومن اے کا ارتقا۔

ناگری آ کا ارتقا۔

اسی طرح تمام حروف میں ارتقا واقع ہوتا گئی۔ تصویری اثرات کم ہو کر ہر ایک طرز تحریر کے لکیری حروف اپنی ایک مخصوص امتیازی شکل میں ابھرتے گئے۔ اس ارتقا کے دو خاص اسباب تھے۔ اوّل یہ کہ تحریریں تہذیبی ترقی کے تحت عہد بہ عہد مختلف قسم کی مادی سطح یا چیزوں پر منتقل ہوتی رہیں۔ ایک زمانے میں پتھر پر لکھائی شروع کی گئی تھی۔ اس پر سخت دباؤ کے ساتھ گہرے نقوش سخت نوکدار قلم سے کھودے جا رہے تھے۔ پھر کچی مٹی پر نقش ہونے لگے۔ اسی زمانے میں ایک جگہ پیپرس (Pepyrus) پر کلک اور روشنائی سے لکھائی ہو رہی تھی۔ دوسری جگہ تاڑ کے پتوں پر سوجے سے نقش کھینچے جا رہے تھے۔ کہیں لکڑی کی تختیاں اور درخت کی چھالیں تختۂ مشق تھیں کہیں تانبے جستے کی لوحیں ریشم اور کتان کے پارچے ہڈی کی ڈھلیاں استعمال ہو رہی تھیں تو کہیں ہاتھی دانت کی پلیٹوں پر موم کی تہہ جما کر لکھنے کی کوشش ہو رہی تھی اور اب تو سب ہی جگہ جیسے کاغذ اور پریس کا دور دورہ ہے۔ اس طرح سطح تحریر کی سختی اور نرمی، کرختگی اور

ہمواری، کھردراپن اور چکناہٹ حروف کے نوک پلک، زاویے اور گولائی میں تبدیلیوں کا سبب ہوتی رہی۔ ان کی شکلیں بدلتی رہیں۔ دوسرے اس کا سبب زود نویسی ہے۔ مشاق کاتبوں کے من مانے جداجدا طرزِ حروف اور خط کشی کے مختلف انداز بھی اس کی ایک وجہ ہے جسے اس کے شاگردوں اور پیروں نے فروغ دے کر حروف کی شکلوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں ابتدائی خط میں پیدا کیں۔

فنِ تحریر میں ارتقا کا دوسرا رخ صوتی منزل کی طرف تھا۔ ابتدا میں تمام تصویری علامات اشیا اور افعال کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ کچھ آگے چل کر ان سے برآمد کیے جانے والے خیال و تصور سے وہ علامتیں موسوم ہوگئیں۔ ایسی تصویریں اکثر کئی مفہوم ادا کرنے والی بھی پیدا ہوگئیں۔ ان کے مختلف موقعوں پر مختلف نام ہوتے تھے اور علامتوں کی تعداد روز بروز کثیر سے کثیر تر ہوتی گئی ایسے ہر نشان کو لفظی علامت (Logogram) یا اس کی شکل کو (Idiogram) تصویری یا لفظی نقش کہتے ہیں۔ اس کے بعد علامتوں کو انھیں ادا کرنے والی آوازوں کے تابع کیا جانے لگا۔

رکنِ تہجی (SYLLABIC WRITING)

صوتی اعتبار سے فنِ تحریر کی تین ارتقائی منزلیں ہیں۔ یہ ارتقا تحریر کی ابتدا کے کچھ زمانہ بعد لفظی نقش بندی (Logogram) کے ساتھ ساتھ شروع ہوگئی تھی۔ اس کی پہلی منزل لفظی رکن (Word Syllabic Stage) ہے اس میں ہر نشان پورے لفظ کو مجموعی طور پر وحدانی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ خواہ بعض الفاظ ایک سے زاید ٹکڑوں ہی میں ادا ہوتے ہوں۔ دوسری منزل رکنِ تہجی ہے (Syllabic Stage) اس میں ہر لفظ کے نمائندہ نشان کو جس طرح وہ آواز کے ٹکڑوں میں بولا جاتا ہے اسی طرح اجزا علامات میں تحریر کیا جاتا ہے۔ بمقابلہ لفظی رکن کے یہ کافی ترقی یافتہ طریقۂ تحریر ہے جس سے یہ فائدہ ہوا کہ تحریری علامات کی کثیر تعداد میں کافی کمی ہوگئی۔

الفبائی خط (ALPHABETIC)

تحریری ارتقا کی تیسری منزل وہ ہے جس میں الفاظ جدا جدا حروف صحیح Consonant

اور حروف علت Vowels کی مدد سے لکھے جاتے ہیں الف بائی Alphabetic Stage کہا جاتا ہے۔ اس میں تمام حروف ہر ایک جدا جدا قسم کی آواز کی نمائندگی کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ ایک لفظ بولنے میں جو صوتی حرکات پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے نمائندہ حروف صحیح اور ان کی ادائیگی میں ضروری حروف علت یا بجائے ان کے مخصوص اشاراتی مختصر مخفی علامات کو لکھائی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تحریر کا یہ موجودہ سب سے ترقی یافتہ طریقہ ہے جو چند زبانوں کو چھوڑ کر دنیا کی ہر زبان کے تحریری فن میں رائج عام ہے۔ اس کی کم و بیش اٹھائیس حرفی علامات ہیں جن کی مدد سے ہر خیال کو بڑی آسانی سے تحریر میں لایا جا سکتا ہے اور نہایت مختصر طور پر تیز رفتاری سے لکھ سکتے ہیں۔ اس طریقۂ تحریر کی موجد فنیقی قوم ہے۔ اس نے اشارہ سو قبل مسیح میں بائیس حروف پہلی بار وضع کیے تھے۔ آسان ترین طریقۂ تحریر ہونے کی وجہ سے اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور جلد رواج پا گیا۔

کتاب کی تخلیق کا ابتدائی میدان

جہاں تک لکھائی کا آغاز اور اس کے ارتقائی مدارج کے مقام اور زمانے کی دریافت سے بحث ہے، سب سے پہلے ذہن میں یہ بات رکھنا ضروری ہے کہ کتاب کی موجودہ ترقی یافتہ شکل جس میں ہم آج اس کا مطالعہ کر رہے ہیں، اپنے مختلف ارتقائی مدارج کسی مخصوص علاقے میں ایک مستقل رفتار سے نہیں طے کر سکی ہے۔ اس لیے علاقائی اعتبار سے اس کو بیان کرنے میں ایک تاریخی تسلسل قائم رکھنا دشوار ہے مثلاً وادیِ نیل کی قدیم مصری مملکت میں تین ہزار قبل مسیح سے پندرہ سو ق م تک تاریخ کتابت کا شاندار عروجی دور ہے جب کہ اس سے ملے ہوئے سوڈان میں تیسری صدی ق م میں میروتی خط کی نشو و نما کا آغاز ہوا۔ یا حتیٰ ایشیائے کوچک کی رفتارِ ترقی بہت سست اور اس سے بالکل ملے ہوئے مغربی ایشیا کے شام اور لبنان میں ارتقا کی رفتار بہت تیز اور حیرت انگیز ہے۔ یہی صورت دنیا کے تمام حصوں میں نظر آتی ہے۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ کسی خطے کی آبادی یا معاشرے میں عمومی طور پر لوگ لکھنے کے فن میں کسی عہد میں بھی یکساں طور پر دلچسپی نہ لے سکے۔ آج تک جو تحقیقات اور دریافت ہو رہی ہے اس کے مطابق وادیِ نیل کی سرزمین میں مصر و وادیِ دجلہ و فرات کی

سرزمین عراق، وادی سندھ اور چین یہی چار علاقے فنِ تحریر اور علم کتابت کا آغاز کرنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان ملکوں کی بڑی بڑی آبادیوں میں بھی ابتداً بہت کم افراد تصویرکشی کی مہارت اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے چونکہ اس فن کی قابلیت رکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لیے ان لوگوں پر کسی مافوق الفطرت طاقت کا سایہ اور یہ ہر معبود کا فیضان و اکرام خیال کیا جاتا تھا۔ اور نوشت و خواندگی استعداد رکھنے والا خود بھی اپنے اس کمال کو عام انسانوں کی قدرت سے بعید توفیقِ الٰہی ہونے پر ایمان رکھتا تھا۔ لہٰذا کافی مدت تک لکھنے پڑھنے کا تعلق زیادہ تر الہیاتی مسائل رسوم عبادت بھجن اور مناجات وغیرہ یا مذہبی عقائد سے رہا۔ اس سلسلے میں کاہنوں اور پجاریوں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا۔ کاہن اس فن پر پورا قبضہ و تصرف کیے ہوئے تھے۔ وہ عام لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر تیار نہ تھے۔ اس سلسلے میں عرصۂ دراز تک حکومت اور مذہبی اقتدار میں زبردست کشمکش رہی۔ بالآخر حکومت کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی اور عام لوگوں کو بھی لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع نصیب ہوئے۔

حصّہ اوّل

قدیم کتابیں

پانچ ہزار ق م سے پہلی صدی عیسوی تک

پہلا باب

مٹی کے اوراق کی کتابیں

انسان کی تہذیبی تاریخ کا جب ہم قدامت کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو سب سے قدیم تاریخ ڈاکٹر ہنری اسمتھ ولیم کی دریافت کے مطابق میسوپوٹامیا کی تہذیب کہی جا سکتی ہے جس کا تاریکی زمانہ سات ہزار سال ق۔م یا آج سے تقریباً نو ہزار سال پہلے سے شروع ہوا۔ سابق میسوپوٹامیا، دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان ایک نہایت شاداب اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس سرزمین نے یکے بعد دیگرے کئی تہذیبیں پیدا کیں اور بہت عروج تک ان کو پہنچانے کے بعد اپنی گود میں چھپا لیا۔

سمیری تہذیب

چار ہزار سے تین ہزار سال ق۔م تک

میسوپوٹامیا میں سب سے پہلے سمیری قوم کے نشانات ملتے ہیں۔ جو مشرق کے کسی حصے سے ترکِ وطن کر کے آئے تھے اور دریائے فرات کے کنارے چلتے ہوئے خلیج فارس کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ غالباً سب سے پہلے وہ خلیجی علاقے میں آباد ہوئے۔ یہ سرزمین انھیں اس قدر سازگار ہوئی کہ وہاں انھوں نے اپنی خانہ بدوش زندگی کو ایک اعلا قبائلی معاشرے تک ترقی دی اور اس کے آگے ملوکی نظام قائم کر لیا تھا۔ ان کی تہذیبی ترقی کے نشانات چار ہزار برس ق۔م سے بھی بہت آگے کے ملتے ہیں۔ انھوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے تھے جن میں اُر۔ لیگاش اور عظیم الشان

لہ Historian History of the World Vol. I Part 1

شہر نیپّور کے آثار دریافت ہو چکے ہیں۔ ان کی پھولتی پھلتی آبادیاں شمال کی طرف بڑھتی ہوئی دور تک پھیل گئی تھیں۔ چند صدیوں میں ان کی معاشرت تہذیب کے اس اعلا مقام تک پہنچ گئی تھی کہ انھوں نے اپنا ایک تصویری طرزِ تحریر ایجاد کر لیا تھا۔ لکھائی کا جو سب سے قدیم نمونہ اس خطّے سے دستیاب ہو سکا۔ وہ تین ہزار پانچ سو ق۔م کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ تصویری علامتوں (Picto-graphy) میں نگ پتھر پر بنی یا پتھر کے قلم سے لکھی ہوئی لوح جو زرعی پیداوار کی ایک رپورٹ ہے۔

(تین ہزار ق۔م سے دو ہزار ق۔م تک)

تقریباً دو ہزار نو سو ق۔م میں تحریر کیا ہوا سمیری قوم کا جو کتبہ ملا وہ پہلے کتبے سے کافی ترقی یافتہ ہے۔ پانچ چھ سو سال میں انھوں نے حقیقی تصویری خط (Pictography) سے آگے بڑھ کر تصوری خط (Idiography) ایجاد کر لیا تھا۔ ایک طرف رسم الخط کو ایک منزل آگے بڑھایا، دوسری طرف سمیریوں نے لکھائی کے سامان میں ایک نئی چیز دریافت کی۔ اب تک انسان نے جتنی تصویریں، نشانات اور لکیریں کھینچی تھیں ان کی کافی لمبی فہرست ہے جس میں چھال، پتیاں، ہڈی، سینگ، اور پتھر کی چٹانیں اور سلیں خاص طور پر تھیں لیکن اب جو نئی چیز انھیں سوجھی تھی وہ نرم گندھی ہوئی مٹی تھی۔ بمقابلہ پچھلی تمام چیزوں کے اس پر لکھنا کہیں آسان تھا جلدی بھی لکھا جا سکتا تھا اور خوبصورت نقوش بھی بن سکتے تھے۔ چنانچہ اسے مقبولیت حاصل ہوئی اور زمانہ دراز تک اس کا رواج رہا۔ سمیریوں نے دجلہ و فرات کے دوآبے میں بافراط چکنی مٹی دیکھی اور اس کے اعلا نفیس مصرف کا انھیں ادراک ہوا۔ انھوں نے مٹی کی ہموار چپٹی تختیاں تیار کیں جن کی سطح خوب چکنی ہوتی تھی۔ ابتدا میں ان تختیوں کا سائز بارہ انچ لمبائی اور آٹھ انچ چوڑائی کے لگ بھگ ہوتا تھا۔ دریا کے کنارے بکثرت نرکل اور کلک اُگا ہوا تھا۔ اس کے نوک دار ترچھے قلم سے چکنی مٹی کی تختیوں پر خوبصورت نیم تصویری رسم خط کے تصویری خاکے نفاست سے کھینچنا، بمقابلہ پتھر پر نقوش کھودنے کے بہت آسان نظر آیا اور بہت کم وقت میں نہایت عمدہ لکھائی ہونے لگی۔ وہ لوگ لکھائی کے بعد نرم مٹی کی تختیوں کو دھوپ میں خشک کرتے تھے اور پھر بھٹی میں پکا کر اینٹوں کی طرح پختہ بھی کر لیتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تختیوں پر نقش کی ہوئی تحریروں کی انھیں بہت حفاظت مدِّ نظر تھی۔ شاید شروع میں کچی ہی تختیاں کچھ زمانے تک رہی ہوں جو ضائع ہو کر اس زمانے تک

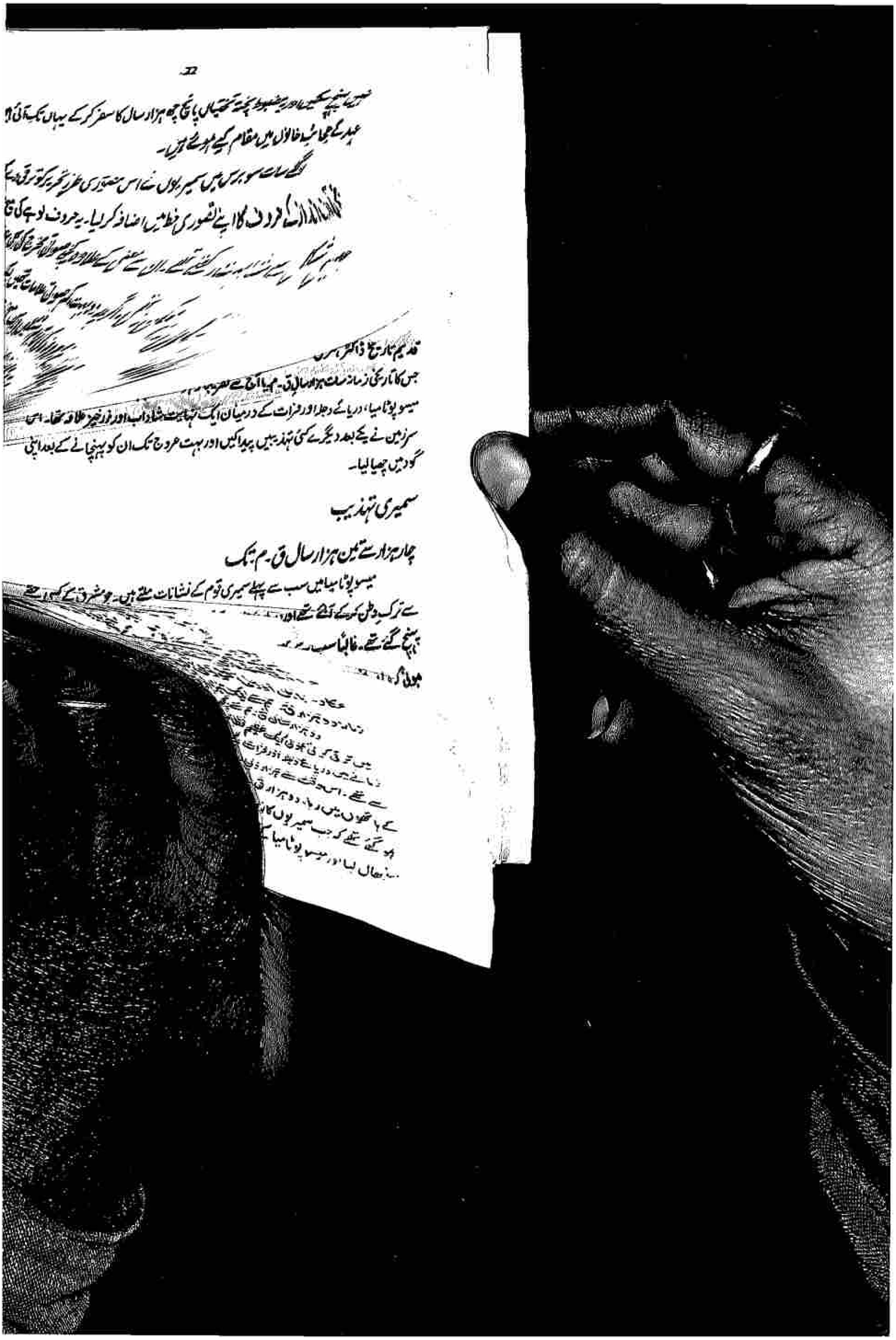
عہد کے عجائب خانوں میں مقام کیے ہوئے ہیں۔
میسوپوٹامیا، دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان ایک نہایت شاداب اور زرخیز علاقہ تھا۔ اس
سرزمین نے یکے بعد دیگرے کئی تہذیبیں پیدا کیں اور بہت عروج تک ان کو پہنچانے کے بعد اپنی
گود میں چھپا لیا۔
سمیری تہذیب
چار ہزار سے تین ہزار سال ق۔م تک
میسوپوٹامیا میں سب سے پہلے سمیری قوم کے نشانات ملتے ہیں۔
پہنچ گئے تھے۔

عظیم الشان جڑواں تہذیبیں وجود میں آئیں جو بابل اور عاشوری سے موسوم ہیں۔ علم و فن کی ارتقا اور کثیر تعداد میں بابل۔ عاشوری ادب پر کتابوں کی تخلیق ان کا شاندار تاریخی باب ہے۔ ان کی زبان لسانی سائنس اور فن تحریر کے اعتبار سے پندرھویں صدی ق۔م میں دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مستند قرار دی گئی۔

انھوں نے سمیری قوم سے پائی ہوئی کوئی فارم مخروطی حروف کی چند مختصر شکلوں کو جن کے ساتھ بکثرت تصویری اور تصوری علامتیں شامل تھیں، ترقی دے کر تیس حروف کے باقاعدہ ایک صوتی رسم الخط کا خیال دنیا میں سب سے پہلے پیش کیا اور تحریر و سماعت کے درمیان پہلا نزدیکی رشتہ پیدا کیا جس سے فن تحریر میں رکن ہجی کا آغاز ہوا۔ ان کی وضع کی ہوئی تحریری علامتوں کو نہ صرف جلد اور آسانی سے نقش کیا جا سکتا تھا بلکہ چھپائی کا امکان بھی پیدا ہوا اور بابل۔ عاشوری عہد میں بکثرت کچی مٹی کی تختیوں پر کتابیں چھاپی گئیں جو چھپنے کے بعد بھٹی میں پکا کر تختہ کر لی جاتی تھیں۔ یہ ابتدائی طباعت لکڑی کے بیلنوں پر مطلوبہ عبارت کندہ کر کے کچی مٹی پر پھیرنے سے عمل میں آتی تھی۔

ان کی وضع کی ہوئی بتیس حروف کی ایک تختی شامی ساحل سے متصل اُگارت مقام پر [illegible] ۱۹۲۹ء میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران [illegible] اطلاقیہ [illegible]

[illegible] کی قوم [illegible] پھر ترقی [illegible] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں [illegible] بہتر چیز کا ادراک کافی زمانے تک انسان کو نہ ہو سکا۔ روز بروز ان [illegible] کے لیے زیادہ اچھی مٹی کا انتخاب ہوتا گیا۔ جس سے زیادہ چکنی اور نفیس تختیاں [illegible] پذیر ہوتی رہیں۔ آگے ان کی بناوٹ، شکل اور سائز میں بھی کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔

بابل کے رسم خط میں چھ سو چالیس تحریری علامتیں رائج تھیں اور عاشوریوں کے [illegible] پانچ سو دس تھیں جن میں تین سو علامتیں عام طور پر مستعمل تھیں۔ ان کی تحریروں میں [illegible] سے ایک سو بیس تک رکنی علامات رائج تھیں۔ جب کہ سمیریوں کے دور میں چھ سو قسم [illegible] نقلی علامتیں تحریر میں پائی گئیں۔

نہیں پہنچ سکیں اور یہ مضبوط پختہ تختیاں پانچ چھ ہزار سال کا سفر کر کے یہاں تک آئی ہیں اس عہد کے عجائب خانوں میں مقام کیے ہوئے ہیں۔

اگلے سات سو برس میں سمیریوں نے اس مصوّری طرزِ تحریر کو ترقی دے کر ایک بالکل مختلف انداز کے حروف کا اپنے تصویری خط میں اضافہ کر لیا۔ یہ حروف لوہے کی میخ یا برنجی، کیل جیسی شکل سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان سے معنی کے علاوہ کچھ صوتی مخرج کی بھی نمائندگی ہوتی تھی جو تصوری شکلوں سے ممکن نہ تھی۔ اگرچہ وہ بہت کم صوتی علامات تھیں لیکن فن تحریر کی ترقی کے لیے ایک عظیم الشان پہلا قدم تھا۔ نئے حروف کی تمام شکلیں ایک میخی نشان سے مرکب تھیں۔

سمیری قوم نے طرزِ تحریر میں تو یہ ترقی کی تھی مگر مٹی کی تختیوں کا کوئی بدل اس قوم کی تاریخ میں دُور تک نظر نہیں آتا۔ اسی جسامت کی نقش کی ہوئی بکثرت تختیاں نپّور اور دوسرے شہروں کی عبادت گاہوں کے کتب خانوں، تجارتی مرکز اور دفاتر میں اکٹھا ہوتی رہیں۔ چنانچہ ان قدیم ترین شہروں کے کھنڈرات سے موجودہ زمانے میں مٹی کی تختیوں پر کتبوں کا بہت بڑا ذخیرہ برآمد ہوا ہے یہ کتابیں جو ان کے کتب خانوں سے نکلی ہیں۔ مذہبی عقائد اور طریق عبادت، معبودوں کے بھجن وغیرہ پر بکثرت ہیں، لیکن سیاسی اور مملکتی دستاویزات، تجارتی لین دین اور قرضوں کے بہی کھاتے۔ یادداشتیں، علاج کے نسخے اور دیگر علوم و فنون سے متعلق کتابیں بھی کم نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ نجی خطوط بھی بہت زیادہ ہیں۔

عکاد۔ بابل اور عاشوری تہذیبیں

زمانہ دو ہزار ق۔ م سے ایک ہزار ق۔ م تک

دو ہزار سال ق۔ م سے کچھ پہلے ہی سمیری قوم کی خانہ بدوش زندگی تہذیب و معاشرت میں ترقی کرتی ہوئی ایک عظیم نظام مملکت تک پہنچ کر زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اسی زمانے میں دریائے دجلہ اور فرات کے شمالی حصے میں عکادی قوم ابھر رہی تھی۔ عکاد سامی نسل سے تھے۔ اس وقت سے ہزاروں سال آگے تک تہذیبی قیادت اور سیاسی اقتدار اسی نسل کے ہاتھوں میں رہا۔ دو ہزار ق۔ م میں وہ سمیری قوم سے بہت کچھ حاصل کر کے اتنے طاقت ور ہو گئے تھے کہ جب سمیریوں کا زوال ہوا تو انھوں نے بحسن و خوبی، ان کی عظیم مملکت کا انتظام سنبھال لیا اور میسوپوٹامیا کے سرسبز علاقے میں ان کا تسلط ہو گیا۔ آگے چل کر ان سے دو

عظیم الشان جڑواں تہذیبیں وجود میں آئیں جو بابل اور عاشوری سے موسوم ہیں۔ علم وفن کی ارتقا اور کثیر تعداد میں بابل۔ عاشوری ادب پر کتابوں کی تخلیق ان کا شاندار تاریخی باب ہے۔ ان کی زبان لسانی سائنس اور فن تحریر کے اعتبار سے پندرھویں صدی ق م میں دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مستند قرار دی گئی۔

انھوں نے سمیری قوم سے پائی ہوئی کیونی فارم مخروطی حروف کی چند مختصر شکلوں کو جن کے ساتھ بکثرت تصویری اور تصوری علامتیں شامل تھیں، ترقی دے کر بتیس حروف کے باقاعدہ ایک صوتی رسم الخط کا خیال دنیا میں سب سے پہلے پیش کیا اور تحریر و سماعت کے درمیان پہلا نزدیکی رشتہ پیدا کیا جس سے فن تحریر میں رکن تہجی کا آغاز ہوا۔ ان کی وضع کی ہوئی تحریری علامتوں کو نہ صرف جلد اور آسانی سے نقش کیا جاسکتا تھا بلکہ چھپائی کا امکان بھی پیدا ہوا اور بابل۔ عاشوری عہد میں بکثرت کچی مٹی کی تختیوں پر کتابیں چھاپی گئیں جو چھپنے کے بعد بھٹی میں پکا کر پختہ کرلی جاتی تھیں۔ یہ ابتدائی طباعت لکڑی کے بیلنوں پر مطلوبہ عبارت کندہ کرکے کچی مٹی پر پھیرنے سے عمل میں آئی تھی۔

ان کی وضع کی ہوئی بتیس حروف کی ایک تختی شامی ساحل سے متصل اُگارت مقام پر مٹی کی سیکڑوں دوسری تختیوں کے ساتھ 1929ء میں آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران ملی تھی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں وادیِ دجلہ و فرات سے ساحل روم تک پورا علاقہ عاشوریوں کے زیر نگیں تھا۔ مٹی کی تختیوں پر میخی حروف کے رسم خط کی کتابیں نہ صرف بابل اور عاشوری تہذیبوں میں رائج تھیں بلکہ ان کے تہذیبی اثرات ایشیائے کوچک کی حتی قوم نے بھی قبول کرلیے تھے اگرچہ علامات میں کچھ فرق تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں کتاب کے لیے اس سے بہتر چیز کا ادراک کافی زمانے تک انسان کو نہ ہو سکا۔ روز بروز ان اوراق کی تیاری کے لیے زیادہ اچھی مٹی کا انتخاب ہوتا گیا۔ جس سے زیادہ چکنی اور نفیس تختیاں ترقی پذیر ہوتی رہیں۔ آگے ان کی بناوٹ، شکل اور سائز میں بھی کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔

بابلی کے رسم خط میں چھ سو چالیس تحریری علامتیں رائج تھیں اور عاشوریوں کے یہاں پانچسو دس تھیں جن میں تین سو علامتیں عام طور پر مستعمل تھیں۔ ان کی تحریروں میں سو سے ایک سو بیس تک مرکزی علامات رائج تھیں۔ جبکہ سمیریوں کے دور میں چھ سو قسم کی مکمل لفظی علامتیں تحریر میں پائی گئیں۔

بابل اور آشوریوں کے علمی ذوق وشوق اور فنی تجربات کی سرگرمی نے لکھنے کا مواد اس قدر پیدا کر دیا تھا۔ لکھنے کا سامان اتنا ارزاں اور سہل الحصول تھا اور لکھائی اور چھپائی کا طریقہ ایسا آسان اور تیز رفتار تھا کہ تہذیب کے اس ابتدائی دور میں انسان نے جتنی کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف کیں اور جس وسیع پیمانے پر کتب خانے تعمیر کیے ان کے بچے کھچے آثار دیکھ کر آج کا انسان بھی حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ میسوپوٹامیا کے علاقے میں صرف تین جگہوں پر کھدائی سے پانچ لاکھ سے زاید مٹی کی تختیاں برآمد ہوئیں جنھیں یورپ اور امریکہ کے میوزیم نمائش کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بیس ہزار تختیاں برطانوی ماہر آثار قدیمہ سر آسٹن لے یارڈ نے آشوری دارالسلطنت نینوا کے کھنڈروں سے 1853ء میں نکالی تھیں جہاں ان کے آخری تاجدار آشر بانی پال کا عظیم الشان کتب خانہ تھا یہ اب برٹش میوزیم کی بے بہا دولت ہے۔ اس ذخیرے میں اس عہد کا ایک ادبی شاہکار منظوم داستان گلگامیش بھی ہے جس کا انگریزی ترجمہ این۔ کے سینڈرز کے مقدمے کے ساتھ پنگوئن کے ادب عالیہ اشاعتی سلسلے میں بار بار شائع ہو کر مقبول عام ہوا۔ ان کے کچھ علمی جواہر پارے فراعنہ مصر نے حاصل کر کے اپنے شاہی دفاتر میں جگہ دی تھی جو وادی نیل کے قدیم شہر العمرناس کے کھنڈروں سے برآمد ہوئے ہیں۔ کیونی فارم حروف کی مقبولیت پندرھویں صدی ق۔م۔ سے اس قدر عروج پر تھی کہ وادی فرات سے ساحل روم تک، فلسطین، شام، لبنان اور حتیوں کے دارالسلطنت بوغاز کول جو موجودہ استنبول کے قریب میں واقع تھا یا قدیم ایران اور ایلم کی سرزمین ہر جگہ سے اس زمانے کے آثار ان حروف میں لکھی کتابیں برآمد کر رہے ہیں۔

حتی قوم (Hittities) کی تحریریں

زمانہ پانچ سو سے دو ہزار ق۔م تک

ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) کے علاقے میں اس قوم کے آباد ہونے کا سب سے قدیم سراغ تین ہزار سال ق۔م سے ملتا ہے۔ ان کی قومیت اور زبان ہند یوروپی شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے ان کی زبان میں اکثر ہندوستانی اور ایرانی الفاظ بہت قدامت سے پائے جاتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے ان کے یہاں دو خط رائج ہوئے، تصویری اور میخی۔ تصویری خط تین دور کا ہے مکمل تصویری خیالات۔ نیم تصویری اور آخری دور تصویری اظہار مطالب۔ ان

اودار کی تحریریں پتھر پر کھدی ہوئی ملی ہیں جن کی ایک سطر دائیں سے بائیں دوسری بائیں سے دائیں ہل چلانے کے طرز پر۔ تصویری خط میں ان کے یہاں چار سو پچاس معنوی علامتیں تھیں جن میں دو سو پچیس کثیر الاستعمال ہیں۔ بعد میں بابلی عاشوری اثرات نے یہاں میخی خط رائج کر دیا جو بابلی سے ماخوذ ہے۔ ڈاکٹر گیلب نے ان کے خط میں ساٹھ رکنی علامات دریافت کی ہیں۔ بابلی خط میں کچھ علامتیں پورے لفظ یا ایک کلمے کے لیے موضوع تھیں اور بعض صرف ایک جز یا صوتی رکن کے لیے۔ پہلی صورت میں حتّیوں نے بابلی خط کی علامتوں کو اصلی شکل میں اپنی زبان میں ترجمہ کر کے مستعمل کر لیا لیکن دو یا زائد رکنی علامتوں کے قائم مقام اپنی زبان کے الفاظ کے لیے نئی علامات وضع کیں۔ 1906ء میں ڈاکٹر ہیوگو ونکلر (Dr. Hugo Winkler) نے بوغاز کول کے کھنڈروں سے کھدائی کر کے میخی خط کی بیس ہزار تختیاں مٹی کی برآمد کیں جن کا زمانہ تحریر 1200 ق م سے 500 ق م تک تحقیق ہوتا ہے۔ حتّیوں کی تختیاں بمقابلہ بابلی عاشوری تختیوں کے سائز میں بہت بڑی ہیں۔ 717 ق م میں حتیوں کی طاقت کو زوال ہوا اور عاشوری حکمراں سارگن نے ان کو شکست دے کر ان کی سرزمین اپنی مملکت میں شامل کر لی۔ لیکن حتّیوں کا خط 500 ق م تک باقی رہا۔

حتی کے میخی خط کے علاوہ ایشیائے کوچک میں ایک اور پیکانی ۷ خط کے آثار دریافت ہوئے ہیں جو قدیم ایرانی خط سے توسل رکھتا ہے۔ اس کی بہت سی تختیاں قدیم شہر قیصریہ کے آس پاس اور دوسرے مقامات پر ملی ہیں جن کے زمانہ تحریر کا اندازہ دو ہزار تین سو برس ق م کا لگایا جاتا ہے۔ ان میں سوا ایک تختی کے جو قوانین کا کتبہ ہے باقی سب تجارتی کاروبار سے متعلق ہیں۔ یہ تختیاں شامی تاجروں سے منسوب کی جاتی ہیں۔ رسم خط عاشوریوں سے مشابہ ہے جس مقام پر یہ دستیاب ہوئی ہیں اس کا پرانا نام کیپاڈوشیا ہے۔

دوسرا باب

پیپرس پر لکھی کتابیں

مصرِ قدیم کی کتابیں

زمانہ چار ہزار سال ق۔م سے ایک ہزار چار سو ق م تک

سب سے قدیم تہذیب اگر سمیریوں کی تسلیم کی گئی ہے تو اس کے بعد وادیِ نیل میں بسنے والوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ دوسری سب سے عظیم و قدیم تہذیب کے بانی ہیں۔ ڈاکٹر ہنری اسمتھ ولیم نے مصر کی تہذیب پانچ ہزار سال ق۔م کی بتائی ہے۔ اس سرزمین پر مستعمل تحریری علامات کا سب سے قدیم خط ہیروغلیفی (Hiroglaphic) یونانیوں کا تجویز کیا ہوا نام ہے۔ اس خط کی سب سے پرانی تحریر 5400 ق۔م کی جو دستیاب ہوئی ہے پیپرس پر لکھی ہے۔ ہیروغلیفی کے معنی ہیں مقدس کندہ کی ہوئی تحریر۔ یہ حقیقت اس نام ہی سے انکشاف ہوتی ہے۔ کہ یہ خط پیپرس پر لکھے جانے سے پہلے غالباً پتھر کی لوحوں یا لکڑی، آبنوس، ہاتھی دانت کی تختیوں پر نقش کیا جاتا تھا لیکن ابھی تک ان تحریروں کے نمونے منظرِ عام پر بہت کم آئے جو نہ ہونے کے برابر ہیں۔

دریائے نیل کے بالائی حصّے میں دریا کے کنارے دُور تک پیپرس نام کے ایک پودے کی بکثرت پیداوار تھی۔ یہ کلک یا بانس کی قسم کا پودا تھا۔ ڈیڑھ دو فٹ لمبائی اور ایک انچ سے کچھ زائد موٹائی کا پہلودار تکونا چکیلا تنہ جس کی چوٹی پر تقریباً تین انچ مدور پھول کی شکل کا ایک خوشنما گچھا یہ تھا پیپرس پودا۔ پتیوں کا یہ خوبصورت گچھا قدیم مصری اپنے دیوتاؤں کی مورتیوں پر چڑھاتے تھے۔

پیپرس کی تیاری

دو ہزار ق۔م میں بکثرت کتابیں مصر میں لکھی جا رہی تھیں۔ لہٰذا مصر کی آبادی کا ایک حصّہ پیپرس پودے کی چٹائی جیسی لمبی چادریں تیار کرنے میں لگا ہوا تھا۔ چٹائی بنانے کے لیے پیپرس پودے کے تنے کے باریک ورق اُتار لیے جاتے تھے پھر ان کی کھڑی پٹیاں ایک دوسرے سے ملا کر کسی ہموار تختے پر بچھائی جاتی تھیں جس کے اوپر بیڑی پٹیاں اسی طرح ایک دوسرے سے ملی بچھا کر عمدہ قسم کے صاف کیے ہوئے گوند سے جوڑ دی جاتی تھیں اور بھاری وزن کے دباؤ سے تیار شدہ چادر کی سطح کو برابر اور ہموار کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دھوپ میں خشک کر کے جانوروں کے چمڑے یا ہاتھی دانت سے اس کی گھٹائی اور گھسائی کی جاتی تھی۔ گیہوں کے میدہ، پانی اور سرکے سے تیار کیے ہوئے مرکب سے ان پر گاڑھی لیس دار پتائی بھی کی جاتی تھی۔ جس کے خشک ہو جانے کے بعد اس کی دوبارہ خوب اچھی طرح گھٹائی کی جاتی تھی۔ تب اس کی سطح نہایت ہموار، مضبوط، چکنی اور چمکدار ہو جاتی تھی اور لوچدار بھی بہت ہوتی تھی۔ جس سے اس پر نوک پلک کی خوبصورت لکھائی ہو سکتی تھی۔

عمدہ قسم کے پیپرس کا لوچ اور اس کی آب و تاب طویل زمانے تک برقرار رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ پانچ ہزار سال گذر جانے کے بعد بھی آج بہت سے میوزیم میں رکھے ہوئے مکفوفوں (Scroll) میں بہت کچھ چمک اور لچک باقی ہے۔ تیار شدہ پٹیاں عموماً چھ سات انچ چوڑی اور ایک فیٹ لمبی ہوتی تھیں لیکن کچھ نو انچ چوڑی اور اُنیس انچ لمبی پٹیاں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ معمولی قسم میں زردی مائل اور اعلا قسم میں سفید چمکدار ہوتی تھیں۔ ان تیار شدہ پٹیوں کو بقدر طوالت مضمون یا ضخامت کتاب، باہم سلائی کر کے یا گوند سے جوڑ کر طویل کر لیا جاتا تھا اور چٹائی کی طرح لپیٹ کر پلندے بنا لیے جاتے تھے جن کو اصطلاحاً مکفوفہ یا اسکرول کہتے ہیں۔

قدیم مصری خطاط

پیپرس پر لکھنے والوں نے بڑی محنت اور ریاضت کر کے اسی زمانے میں فنِ تحریر کو ایک اعلا مقام تک پہنچا دیا تھا۔ لکھائی کے لیے جو قلم استعمال ہوتا تھا وہ عموماً کلک

کا ہوتا تھا جس کے ایک سرے کو چھیل کر حسبِ ضرورت موٹی اور مہین لکھائی کے لیے ایک ترچھا قط رکھ دیا جاتا تھا جس سے ہم بہ خوبی آشنا ہیں۔ وہ پیپرس کے ڈنٹھل کو کچل کر نرم ریشے کا مو قلم یا برش بھی بنا لیتے تھے۔ روشنائی سرخ اور سیاہ عام طور پر استعمال ہوتی تھی۔ سیاہ روشنائی چراغ کی کالک کو کچھ دوسری ایسی چیزوں کے ساتھ حل کر کے تیار کرتے تھے جس سے نہایت پختہ گاڑھی روشنائی تیار ہوتی تھی اسی طرح سرخ روشنائی کے لیے بھی انھوں نے کئی کیمیاوی اجزا دریافت کر لیے تھے۔ وہ روشنائی ہماری روشنائیوں کے مقابلے میں حیرت انگیز طور پر زیادہ دیر پا آب و تاب اور ایسی پختگی رکھنے والی تھیں کہ پانچ چھ ہزار سال گذرنے پر بھی اس کا رنگ پھیکا نہیں پڑا۔ پیپرس پر جس طرف بیڑی پٹیاں بچھائی جاتی تھیں اسی طرف لکھائی کی جاتی تھی۔ اسے یونانی زبان میں رکٹو Recto کہتے تھے، اس طرف لائنیں کھینچنے میں آسانی ہوتی تھی۔ اس کے مخالف رخ کو ورسو Verso side کہتے تھے اُدھر لکھائی کا عکس پھوٹتا تھا۔ اس لیے اسے سادہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لائنیں کھینچنے کے لیے ایک مسطر بھی معمولی لکڑی، آبنوس یا ہاتھی دانت کا ہوتا تھا۔ دھات کے بنے مسطر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لکھنے والا جس درجے اور منصب کا ہوتا تھا ویسا ہی قیمتی سامان اس کے لیے پیش کیا جاتا تھا۔ یہ سب سامان اور قلم دان بھی جو انھوں نے وضع کیے تھے ابھی کچھ دن پہلے ہمارے ہندوستان کے سبھی پڑھے لکھے گھرانوں میں پائے جاتے تھے۔ مزے کی بات یہ کہ ان کے قلموں کے لیے یونانیوں نے لفظ کلمس (Clamas) استعمال کیا ہے جس سے عربوں نے اپنے فنِ خطاطی کا قلم بنا لیا ہے۔ لکھنے والی قوموں میں مصر کی عظمت و قدامت ناقابلِ تردید ہے اور عرب بھی یونان کی طرح کسی زمانے میں سیف و قلم سے اپنی تقدیر لکھ رہے تھے پس یونان کا قلم انھوں نے ورثے میں پایا تھا جو دراصل مصر میں پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح لکھائی کے بہت سے آداب و قواعد یونان کے توسط سے عربوں تک اور پھر ساری دنیا میں پھیلے۔ ہمارے موجودہ اخباروں کے کالموں کی طرح پیپرس کی پوری چوڑائی کو دو ڈھائی اِنچ کے چوڑے کالموں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ پتلے کالموں اور چھوٹی چھوٹی سطروں میں تصویری عبارتیں مصری کاتبوں نے ایسی خوبصورتی اور دیدہ زیبی سے لکھی ہیں کہ آج بھی انھیں پڑھنے کو بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے۔ سرورق کا پہلا لفظ سرخ جلی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ عنوان بھی سرخ روشنائی سے جسے آج تک رُبرک کہا جاتا ہے جو لاطینی میں رُبرُ (Rubber) یعنی

سرخ سے تعبیر ہے۔ ہم اردو زبان والے بھی عنوان کو اب تک سرخی کہتے ہیں۔ مضمون کا ہر باب (chapter) ہر ایک باب کا ہر جزو (Paragraph) ہر کتاب میں مصر قدیم سے آج تک ڈھلتا جارہا ہے۔ ہر ایک باب کا حرف آغاز Initial letter جلی قلم اور سرخ روشنائی سے کچھ زمانہ پہلے تک تحریر ہوتا رہا۔ غرض مصر کے آداب تحریر کی تقلید بعد میں آنے والی تمام قومیں فنیقی، آرامی، یونانی لاطینی، عبرانی، عربی، فارسی سبھی کرتی رہیں حتیٰ کہ سنسکرت بھی اپنی عصر تحریروں کی روایت پر اپنے نقش قلم بناتی رہی۔ آج دنیا کی جدید تہذیب اگرچہ کتاب کی عبارت میں مختلف رنگوں سے کتراتی ہے لیکن متن کے ساتھ مختلف رنگوں کی تصاویر جو مصری تحریر کی سب سے اہم خصوصیت تھی اور بہت سے دوسرے اصول و آداب کی پابند ہے۔ البتہ پیپرس کے لپٹے ہوئے وہ بڑے بڑے پلندے آج کسی کے بس کے نہیں۔

بڑی اور زیادہ صفحات کی کتابیں لکھنے کے بعد پیپرس کے تختوں کے سرے کو سرے سے صفحہ وار جوڑ کر طویل سلسلہ بنالیا جاتا تھا۔ جسے اسکرول کہتے تھے۔ مناسب فاصلے پر صفحات کے نشان بنے ہوتے تھے۔ پسزگ یونیورسٹی میں ایک پینسٹھ فٹ لمبی ایک سو دس صفحات کی کتاب ہے۔ عام طور پر نفس مضمون کی طوالت پچاس سے سو فٹ تک استوانا نما مکفوفہ Scroll میں آجاتی تھی۔ طویل ترین پیپرس مکفوفہ Harris PaperuScroll فرعون رامیسس دوئم کے دور حکومت کی روئداد ایک سو پینتیس فٹ طویل ہے۔ لکھائی عموماً داہنے سے بائیں جانب ہوتی تھی۔ ہر مکفوفے کے دونوں سروں پر دو چکنی گولائی سے ترشی ہوئی چوبیں یا رول جڑے ہوتے تھے۔ نیچے کے آخری سرے کی چوب پر پورا مخطوطہ چٹائی کی طرح لپٹا ہوتا تھا۔ اوپر کے سرے پر ابتدائے مضمون جس قدر پڑھتے تھے ایک ہاتھ سے اوپر کی چوب لپیٹتے جاتے تھے دوسرے ہاتھ سے نچلے رول کو گھما کر مضمون کا اگلا حصہ کھولتے جاتے تھے اس طرح دونوں ہاتھ ذہن و نظر کے ساتھ مسلسل کام کرتے رہتے تھے۔ سو پچاس فٹ تک یہ کافی طویل اور تھکا دینے والا کام تھا۔ آج ان استوانا نما مکفوفوں کی نمائندگی اسکولوں کے جغرافیائی لپٹے ہوئے نقشے یا محکمہ تعمیرات کے دفاتر میں بعض لپٹے ہوئے چارٹ ادا کرتے ہیں۔ مصر کے آثار قدیمہ میں ایک پیپرس اسکرول حیات بعد الممات کے احوال پر دستیاب ہوا جس کی لمبائی ایک سو بائیس فیٹ اور چوڑائی ساڑھے اکیس انچ ہے۔ یہ سب سے زیادہ چوڑائی کا پیپرس "کاتی باس" سے موسوم ہے۔

قدیم مصری ادب

اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوگی اگر موجودہ زمانے کا مذاقِ علم و ادب ان کا مواد و موضوعا کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دے جس پر مُحول کتابوں کے ذخیرے انھوں نے مستحکم پختہ دِشتوں اور پتھروں کے بنے ہوئے لمبے لمبے کمروں میں، اہرام اور تہہ خانوں میں، پتھر اور کانسی کے بنے ہوئے بڑے بڑے مٹکوں اور مرتبانوں میں کس قدر حفاظت سے رکھ کر صحیح و سالم حالت میں ہمارے عہد تک پہنچانے کے لیے کیا کیا جتن کیے۔ ان کتابوں کو موسمی اثرات سیلن ہوا اور مضرت رساں کیڑوں سے بچانے کے لیے ایسی کیمیاوی ادویہ کے مرکبات اور مصالحے استعمال کیے تھے جن کی مدد سے ہزاروں سال کا بوجھ اٹھائے ہوئے یہ کتابیں زندہ سلامت ہم لوگوں تک پہنچ سکیں۔ ان کتابوں میں اس عہد کے مختلف علوم و فنون کے ماہرین، وقائع نگار اور ادیب اپنے دماغ اور انشا کا بہترین جوہر محفوظ کر گئے ہیں۔ علم ریاضی، طب اور جڑی بوٹیوں کے خواص، مذہبیات و الہیات، معبودوں کی حمد و ثنا، تعمیرات کی انجینیرنگ اور اُس عہد کے رسم و رواج، شاہوں کے کارنامے اور ان کی سوانحِ حیات، جنگوں اور فتوحات کے تفصیلی واقعات، شعری اور افسانوی ادب غرض قدیم مصری تہذیب کا بہت بڑا ذہنی سرمایہ پیپرس پر لکھی ان بازیافت کتابوں میں ہے۔ مذکورہ علمی ادبی سرگرمیاں اور پیپرس پر کتابوں کا تخلیقی عروج 1400 ق۔م تک وادیٔ نیل میں جاری رہا۔

تیسرا باب

لکڑی کی تختیاں اور ریشم پر لکھی کتابیں

کتاب کی تاریخ کا تیسرا سب سے قدیم میدان مشرقِ بعید میں سرزمینِ چین ہے جو اس لحاظ سے ایک پراسرار سرزمین خیال کی جاتی ہے کہ اس کے بہت سے تاریخی حقائق عرصۂ دراز تک پردۂ راز میں رہے۔ چنانچہ کتاب کی تاریخ کے سلسلے میں بھی اس سرزمین کے متعلق بہت سی معلومات آج بھی نایاب ہیں اور سب سے قدیم چین کی جو کتابیں دستیاب ہوئیں۔ وہ 213 ق۔م سے بھی بعید کی ہیں جو ریشم پر لکھی گئی تھیں۔ لیکن ایسے ناقابلِ انکار قرائن بھی موجود ہیں جو وہاں اس سے کہیں زیادہ زمانہ پہلے سے تصنیف و تالیف اور کتاب کی تخلیقی سرگرمیوں کا یقین دلاتے ہیں۔ ان کی بنا پر محققین کا عام اندازہ یہ ہے کہ چین کی سرزمین پر فنِ تحریر کا وجود تین ہزار سال ق۔م سے ہونا یقینی ہے۔

قدیم چین سرزمینِ علم و دانش

زمانہ تین ہزار سال ق۔م سے دو سو تیرہ ق۔م تک

چین میں ریشم سے پہلے اور چیڑوں پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جاپانی ذرائع سے اور سرزمینِ چین سے جو دھندلے مٹے مٹے تحریری نشانات بہت قدیم زمانے کے ملے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے ہڈی، کچھوے کی پشت کے کھپروں اور بانس کے چوڑے چوڑے پھڑوں پر لکھنا شروع کیا۔ اس کے بعد لکڑی کی تختیوں پر لکھائی کا چلن میں بہت طویل دور چلتا رہا۔ لیکن 213 ق۔م میں چین کے شہنشاہ چن تین شی ہوانگ کے حکم سے نہ صرف وہاں کی لکڑی کی تختیوں پر لکھی تمام کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نذرِ آتش کر دی گئی تھیں بلکہ اُن کے ساتھ بہت سی ایرانی اور ہندوستانی کتابیں بھی جو اس سرزمین پر جمع کی گئی تھیں تلف ہو گئیں۔ چین کی تحریری قدامت کا اندازہ ان کی تہذیب کی دوسری قدیم

نشانوں سے ہوتا ہے۔ ان کے چینی کے برتن، کتان اور ریشم کا کپڑا، ترقی یافتہ آلات، ادویہ اور کیمیاوی نسخے، نقاشی اور مصوری کے اعلا نمونے یہ سب سامان بہت قدیم زمانہ کا پایا گیا جو سال دو برس یا دو چار سو برس میں نہ بن سکا ہوگا۔ اس کے لیے دو تین ہزار سال کی محنت اور مسلسل تجربات کام میں آئے ہوں گے جس سے پتہ چلتا ہے کہ چین میں تحریر کا فن بھی ضرور آج سے بہت زمانہ پہلے وجود میں آگیا تھا۔ 1900ء میں زیچوان کے مقام پر بہت سی دوسری تحریروں کے ساتھ ریشم پر لکھا ایک کتبہ (Diamond Sutra) یا جواہر لڑی سے موسوم ایک مندر کی دیواروں کی بنیادوں میں مدفون ملا جو 868ء کا ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے کتبے بہت قدیم زمانے کے ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین ان نمونوں کے مطالعہ سے چین میں لکھائی کی ابتدا کا تین ہزار ق۔م کے آس پاس اندازہ کرتے ہیں۔

چین کی سب سے قدیم تحریریں ہڈی پر لکھی ہوئی ہونان سے برآمد ہوئیں۔ یہ لکھائی کی ابتدائی شکلیں ہیں اور مکمل تصویری علامات کے ذریعہ ان کے حقیقی معنی کا اظہار کرتی ہیں۔ آگے چل کر چین کا تصویری خط (Pictography) بتدریج تصوری خط (Idiography) بنتا گیا جو بالآخر ایک زمانے میں مکمل تصوری علامات کے ایک باقاعدہ کتابی رسم خط کی صورت مستقلاً اختیار کر گیا۔ مکمل تصوری خط بن جانے کے بعد چین کے لیے برخلاف دیگر اقوام کے اپنے تصوری انداز تحریر کو بدلنا اور دوسری قوموں کی طرح الف بائی (Alphabetic) یا (Phonetic) صوتی حروف میں اپنی لکھائی کے فن کو ڈھالنا ممکن نہ ہوسکا۔ چنانچہ وہاں جو تصوری خط ہزاروں برس سے چلا آرہا ہے آج بھی بدستور کارگر اور مقبول ہے۔

چین میں ریشم پر لکھی اور چھپی کتابیں ایک زمانے میں اس قدر مقبولیت حاصل کر گئی تھیں کہ ان کے علم وادب اور تمام ذہنی تخلیق کا ریشم کے ساتھ ایک فکری اور گہرا تعلق ہوگیا تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ایک زمانے میں ان کے ہر مفکر کے خیالات ریشم کی طرح نرم ونازک تصور ہوتے تھے۔ چین کی ان ریشمی کتابوں کی تمام دنیا میں بڑی عزت وشہرت تھی۔ [illegible] کے علما، حکما، شعرا اور ادیبوں کی ہر عہد میں اتنی کثیر تعداد دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے چین میں سب سے بڑی تعداد میں کتابیں ریشم پر لکھی گئی ہوں گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکڑی کی تختیوں پر بھی چین میں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں۔

چین میں سب سے اعلا تصانیف اور کتاب سازی کا زمانہ پانچ سو ق۔م کا ہے جب چین کے عظیم مفکر اور مصنف لاؤ۔تزے (Lao Tze) کی سرکردگی میں بہت بڑے پیمانے پر کتابیں لکھنے کا کام ہوا۔ وہ چین کے شاہی دفاتر کتب کے مہتمم اعلا کے عہدے پر مامور تھا۔ اس کے علاوہ شہرۂ آفاق فلسفی کنفیوشس کے خیالات کا قیمتی سرمایہ جس کا زمانہ چار سو اتاسی تا پانچ سو اکیاون ق۔م کا ہے۔ نیز اس دور کے دوسرے مصنفین کی کتابیں ایران اور ہندوستان کا بہت قیمتی علمی سرمایہ جو وہاں کے حکمرانوں نے چین میں محفوظ کرایا تھا جس کی تفصیل ایران و ہندوستان کے باب میں ہے۔ یہ تمام کتابیں شی۔ہوانگ ٹی نے جلوا دیں اور جلد ہی اس کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد چین میں ریشم پر کتابیں لکھنے کا زمانہ آیا جو دو سو چودہ ق۔م یا اس کے کچھ برس بعد شروع ہوا اور 105ء اور کچھ زمانہ آگے تک چلتا رہا۔ اس زمانے میں چین کے قدیم عالموں اور دانشوروں کا جو قیمتی سرمایہ جلنے سے بچ رہا تھا خصوصاً کنفیوشس اور گوتم بدھ کی تعلیمات، ان کی تلاش و جستجو کی جانے لگی۔ جس قدر مل سکا اس کی ترتیب و تدوین میں ملک کے تمام علما اور حکما نہایت سرگرمی سے مصروف ہوئے اور تقریباً ایک صدی تک قدیم علم و ادب کی تلاش و تحقیق کچھ نیم سوختہ گمشدہ چوبی نسخوں اور کچھ شخصی یادداشت کے ذریعے ہوتی رہی۔ اور قدیم چیزیں جیسے کچھ از سر نو لکھی جاتی رہیں۔ پس چین کی بہت قدیم کتابوں کی تحقیق میں دشواری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تحریریں ہزاروں برس بعد کے زمانے میں بوقت تمام تلاش کر کے جن چیزوں پر منتقل کی گئی تھیں جب عہد جدید کے محققین نے برآمد کیں تو وہ ان کے اصل زمانۂ تصنیف سے بہت بعد کے زمانے کی نشان دہی کرتی ہوئی پائی گئیں۔ 1900ء میں تن ہوان کے مقام پر جو (Diamond Sutra) جواہر لڑی کھود کر برآمد کی گئی اس کی لکڑی کے ٹھپوں سے خوشنما چھپائی کا زمانہ 868ء تحقیق ہوا۔ اسی طرح تبت کے قصبہ لوپ نورا اور ترکستان کے تن ہوانگ مندر سے 200ء کی کاغذ پر تحریریں ملیں یا کہیں کتان اور ریشم پر پہلی دوسری صدی ق۔م کی لکھی کتابیں ملیں۔ ان کی اصل تصنیف کی تاریخی تحقیق کسی طرح ممکن نہیں اور یہ پتہ چلانا سخت دشوار ہے کہ پہلی بار یہ تحریر کس چیز پر کن حروف میں وجود میں آئی تھی۔ ریشم کے بعد چین میں کاغذ پر کتابیں لکھی گئیں۔ کاغذ کی ایجاد بھی چین کا کارنامہ ہے۔

چینی خطاط

اُن کے کاتب بانس کی باریک نوک کے قلم سے یا اونٹ کے بالوں کے برش سے نفیس دیدہ زیب نیم تصویری طرزِ تحریر کی خطاطی نامعلوم زمانے سے کرتے آئے ہیں۔ پوری کتاب میں عبارت کے دوش بدوش خوبصورت تصویری مرقعے ریشمی کتابوں کے حسن کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ روشنائی وارنش کے درخت سے حاصل کیے ہوئے ایک سیاہ لیسدار مادے سے تیار کی جاتی تھی۔ لکھائی کا طرز قدیم کتابوں میں داہنے سے بائیں جانب اوپر سے نیچے کھڑی سطروں میں لکڑی کی تختیوں پر بھی تھا اور ریشم کے پارچوں پر بھی رہا۔ بلکہ کاغذ کے تختوں پر زمانۂ حال تک یہی انداز دیکھنے میں آیا۔ ریشم پر لکھی کتابوں کے پارچے مصری پیپرس اسکرول کی طرح دو خوبصورت ترشے ہوئے چکنے چوبی رول کے ذریعے کھولے اور لپیٹے جاتے تھے جو پارچوں کے دونوں سروں پر جڑے ہوتے تھے۔ یہ ہاتھ کی خوبصورت لکھائی دوسری تیسری صدی عیسوی میں چوبی ٹھپوں میں اپنا نقش جما کر ریشم پر اور پھر کاغذ پر چھپی ہوئی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد چین میں کتابوں کی ایک نئی تکنیک وجود میں آئی۔ انھوں نے کتاب چھاپنے کا فن اختراع کیا۔ آٹھویں صدی عیسوی سے گیارھویں صدی تک چھپائی کو بہت فروغ ہوا۔ انھوں نے اس زمانے میں بکثرت کتابیں چھاپیں جب دنیا کے دوسرے حصوں میں لوگ اس فن سے ناآشنا تھے۔

جاپانی تحریر

جاپان نے تحریری علامتیں اور فنی انداز، لکھائی کا سامان، تصنیف و تالیف کی روایت اور کتابوں کا بیشتر مواد بھی چین ہی سے لیا ہے۔ وہ چینی تہذیب سے اس قدر قریبی رشتہ رکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ بعد میں چینی علامتوں سے مختلف اپنے حروف و طرزِ تحریر کے بنا چکے تھے اور چین کی تصویری علامتوں سے ایک منزل آگے صوتی علامتوں اور رکن ہجی کے حروف تک کبھی کے پہنچ چکے تھے پھر بھی وہ اکثر اپنے خط میں چینی علامتیں اب بھی استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان کو چینی زبان سے بالکل مختلف جاپانی زبان میں بول کر ادا کرتے ہیں۔ جاپان کے موجودہ خط نے تیسری صدی ق۔م میں بدھ چینی مبلغوں کے

ذریعہ جنم لیا۔ ابتدا میں تقریباً سب ہی معنوی علامتیں چینی تھیں جن میں بتدریج تبدیلی ہوتی گئی۔ وہ چینی تحریر کی طرح کھڑی سطروں ہی میں لکھا کرتے تھے۔ بہت بعد میں داہنی سے بائیں یا بائیں سے داہنی پڑی سطروں میں لکھائی کا عام طرز اختیار کیا گیا جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ جاپانی خط رکن تہجی کی منزل میں ہے انھوں نے آٹھویں نویں صدی عیسوی میں دو رسم خط کتا کانا اور ہیرد گاما ایجاد کیے۔ اوّل الذکر سرکاری کاموں، علمی تصنیفوں اور دفتری تحریروں میں مستعمل ہے۔ اس کی سینتالیس بنیادی علامات ہیں۔ دوسرا ہیرد گاما اخبارات ناولیں اور روز مرہ کے نجی کاموں میں استعمال ہوتا ہے اس کی بھی سینتالیس علامتیں ہیں۔ لیکن مختلف طریقوں سے متبدل کر کے ین سو تک پہنچائی ہیں۔

جاپان کی طرح تبت، برما، سیام، انڈو چائنا، وغیرہ تمام جنوب مشرقی علاقے کی تہذیبوں کے رسم خط چینی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اشوک کے زمانے سے ہندوستانی حروف بھی ان علاقوں میں نشو و نما پاکر ایک نئے رسم الخط کی شکل میں ابھرنے لگے۔

چوتھا باب

وادیِ سندھ۔ پتّھر کی چھوٹی چھوٹی کتابیں

میسوپوٹامیا، مصر اور چین کی طرح وادیِ سندھ بھی ایک بہت قدیم تہذیب وجود میں لانے والی سرزمین ہے۔ لیکن اوّل الذکر دو تہذیبوں کی طرح اس تہذیب پر ابھی تک بہت زیادہ تحقیقی کام نہیں ہوا جس کی وجہ سے ان کی تحریر کے بہت سے رموز سربستہ راز ہیں۔ اس تہذیب کے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہوئی ہیں بہت قلیل ہیں خصوصاً ان کے کتبے جو چھوٹی چھوٹی چکنے پتھر کی تعویذ نما تختیوں پر ملے ہیں۔ بڑی الجھی ہوئی متضاد بحثوں کا طویل سلسلہ ہیں۔ ہندوستان کی دو قدیم تہذیبیں دراوڑ اور انڈو یوروپی نسل کے آریا یکے بادیگرے آج سے چار ہزار برس پہلے وجود میں آئیں۔ لیکن وادیِ سندھ کی موہنجوداڑو تہذیب ان سے ایک ہزار سال پہلے تھی۔ اس طرح وہ دنیا کی تیسری یا چوتھی سب سے قدیم تہذیب ہے۔ عراق، مصر اور چین کی طرح وہاں بھی تصویری خط سے لکھائی کی ابتدا ہوئی۔ کھجور کے پتّے، لکڑی کی تختیاں، سوتی کپڑے اور رنگائے ہوئے چمڑے پر بھی لکھائی کے آثار پائے گئے لیکن نشانات اس قدر دھندلے اور مٹے ہوئے تھے کہ ان کی شکلیں نظر نہ آسکیں۔ البتہ مہریں اور تعویزوں کے خاص قسم کے چپٹے چوکور پتھر پر بنے ہوئے نقوش بخوبی واضح شکلوں اور علامتوں میں ہیں لیکن ان کے معنی پورے طور پر نہیں پیدا کیے جاسکے پھر بھی کچھ مہریں کسی حد تک پڑھی گئی ہیں۔

قدیم سندھی خط

ان تحریری نشانات کی صحیح تعداد بھی ابھی نہیں معلوم کی جاسکی۔ ڈاکٹر جی۔ آر۔ ہنٹر

نے ان کی تعداد دو سو تریپن بتائی ہے۔ پروفیسر اسٹیفن، لنگڈن دو سو اٹھاسی بتاتے ہیں۔ سی۔ جے۔ گڈ اور سڈنی اسمتھ نے تین سو چھیانوے تک شمار کریں اور اسٹوارٹ پگٹ نے چار سو کا انکشاف کیا ہے۔ سر جان مارشل نے اپنی کتاب "موہنجوداڑو اور سندھ تہذیب"[1] میں موہنجوداڑو کی پانچسو تعویذی تختیوں کے فوٹو چھاپے ہیں۔ ان کی تحریریں عموماً دائیں سے بائیں طرف چلتی ہوئی سطروں میں ہیں۔ کہیں بائیں سے دائیں، کبھی سطر دائیں سے بائیں جا کر ہل چلانے والے بیلوں (Boastraphedon) کے طرز پر بائیں سے دائیں طرف لوٹتی ہیں۔ سندھ کے تحریری نشانات قدیم ایلمی خط سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں جو خوزستان جنوبی ایران کی سرزمین سے پیدا ہوا تھا۔ اور سمیریہ، کریٹ، مصر کے ابتدائی خط سے بھی بعض علامتوں میں یکسانیت رکھتے ہیں۔ سمیری خط کے اکثر نشانات قدیم سندھی خط سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ سمیری خط کے ذریعہ ڈاکٹر ایل۔ اے، ویڈل نے نہ صرف[2] سندھ کی کچھ مہریں پڑھیں بلکہ وادئ سندھ کو ایک سمیری آبادی سمجھنے لگے۔ اس کے بارے میں طرح طرح کے نظریے قائم ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب نہ صرف آریوں سے بہت پہلے کی ہے بلکہ مہروں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ماقبل دراوڑ ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ ہندوستان کی موجودہ دراوڑی زبانیں اسی سے بنی ہیں۔ بنارس یونیورسٹی کے ڈاکٹر پران ناتھ نے وادیٔ سندھ کے خط کو الف بائی حروف کا رسم خط Alphabetic Letters قرار دیا اور براہمی حروف کی جھلکیاں اس میں دریافت کیں۔ انھیں مہروں پر دیوی دیوتاؤں کے نام گوشنکر وغیرہ مل گئے۔ سمیری قوم میں ہندوستان کی قدیم روایات اور تانترک مذہبی رشتے بھی انھوں نے سندھ کی ان چھوٹی چھوٹی تعویذی تختیوں کے ذریعہ ڈھونڈ لیے اس لیے کہ بعض مہروں پر انھوں نے سمیریہ کے شہر کش اور کہیں ان کے مشہور حکمراں سارگون کا نام پڑھ لیا۔ جس سے سمیری قوم کو آریائی نسل سے ثابت کر دیا۔ شر سین، انر اور ہری کو سوراشٹر کے

1 Indo Sumerian Seals Deciphered by L.A.Vaddell London 1925

2 Studies In Prato Indo MeditterraneanCultures by Rev. H. Heras Vol. I Bombay 1953

راجہ اور ہندوستان سے بحرِ روم کے ساحل تک بشمولیت عراق ان کی حکومت کا پتہ چلالیا۔ جب کہ پاکستان کے مولانا ابوالجلال ندوی نے وادیِ سندھ کی پندرہ مہریں پڑھ لینے کا دعوا کیا ہے اور یقین کرتے ہیں کہ قدیم سندھ کی زبان عربی اور رسم خط جنوبی عرب کے سبا اور معین کی ابجد سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ سندھی مہر نویسوں کو عرب کا ثابت کرتے اور چھوٹی چھوٹی لوحوں کو قدیم سندھ کی درسی کتابیں بلکہ تعلیمی کاردبناتے ہیں۔

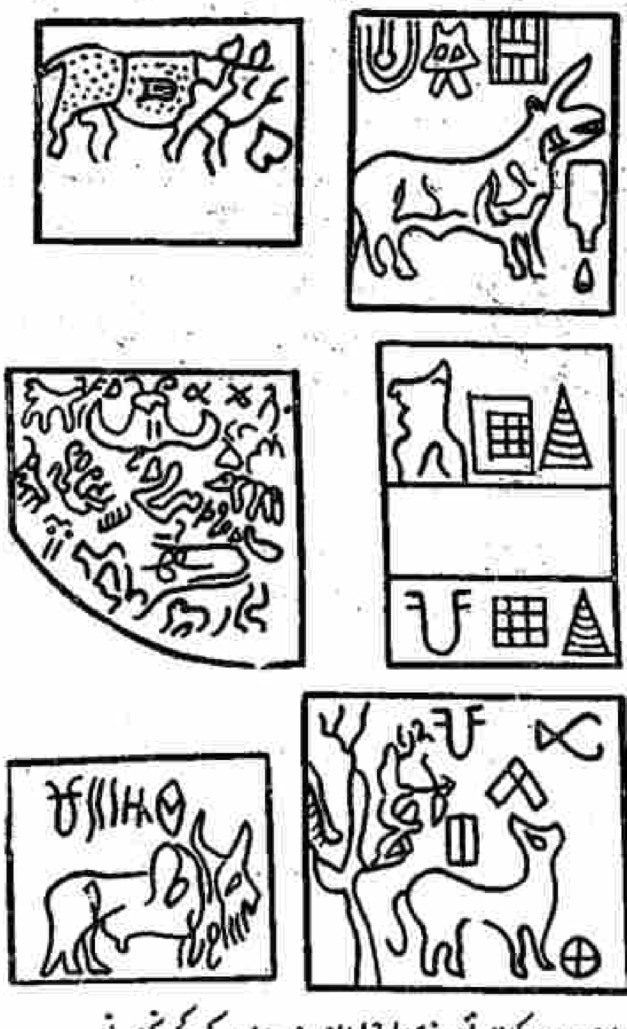

وادیِ سندھ کی ان تعویذی لوحوں اور مہروں کے کچھ نمونے

ان پُراسرار تحریروں کے صحیح طور پر زمانے کا بھی تعین نہیں کیا جاسکا اور نہ پورے طور پر ان کا مفہوم معلوم ہوسکا ہے۔

ایلمی خط

سمیری اور مصری تہذیب کے زمانے سے قریب ہی ایلمی تہذیب کی نشوونما ہوئی۔ خلیج فارس کے شمالی مشرقی علاقے کو قدیم زمانے میں ایلم کہتے تھے۔ بعد میں اس کا نام خوزستان پڑگیا۔ ایلم کا دارالسلطنت شوشا تھا۔ زمانۂ قدیم میں یہاں ایک تصویری خط رائج تھا۔ جس میں کئی سو نشانات مستعمل تھے۔ اس کی لکھائی کو بھی پوری طرح نہیں پڑھا جاسکا۔ یہ سمیری خط سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اس کی تحریروں کے صرف نوکتبے پتھر پر دستیاب ہوئے ہیں اور کئی سو مٹی کی تختیوں پر۔ جن کا زمانہ تین ہزار ق۔م تک کا ہے۔

اسی طرح کا ایک بہت قدیم خط کریٹ کا ہے۔ یورپ میں پہلا متمدن خطہ کریٹ ہے جو زمانۂ مصر و عراق کے قریب ہی ابھرنا شروع ہوا۔ تین ہزار ق۔م میں کانسی دھات کے دور میں اس کی تاریخ کی ابتدا ہوئی۔ 1100 ق۔م سے 1600 ق۔م تک کریٹ کے تہذیبی عروج کا زمانہ ہے۔ یہ ایجین یا مینوں تہذیب سے موسوم ہے۔ اس کی تہذیب بحر ایجین کے جزیروں میں محدود رہی۔ اس کے آثار قدیمہ میں ناسس کا محل ہے 1900 ق م سے 2000 ق م تک مکمل تصویری خط تھا جس کا ماخذ مصر کا ہیروغلیفی ہے۔ تصویری خط کے بعد یہ اپنے آس پاس کی تہذیبوں سے ایک ترقی یافتہ رسم خط کا خیال کرتے رہے۔ کریٹ مصر سے اور ایلم سمیریہ سے بہت دور تک متاثر رہا۔ پھر اس نے یونان سے حروف ابجد حاصل کیے اس کا زمانہ 1200 ق م ہے۔

پانچواں باب

قدیم ایران و ہندوستان کی کتابیں

ایران

ایران میں لکھائی کی ابتدا کا پتہ چلانے کے لیے اس وقت تک جس قدر تلاش و تحقیق کی گئی ہے، اس میں سب سے جدید دریافت "مارلک مانڈ" کی کھدائی سے حاصل شدہ کچھ اہم دستاویزی ثبوت پر مبنی ہے۔ "مارلک مانڈ" سے ہیکالی حروف (۲) میں جو مکتوبات ملے ہیں، ان کے بارے میں موسیو جارج کیمرون، ماہر السنہ قدیم و پروفیسر مشیگن یونیورسٹی نے غائر مطالعے کے بعد رائے قائم کی ہے کہ ان کا زمانۂ تحریر تقریباً دو ہزار برس ق-م کا ہے۔

عربی مورخ ابو ندیم اپنی 'الفہرست' میں 'رزبہ فارسی (تصنیف ابن مقفع) کے حوالے سے رقم طراز ہے کہ قدیم ایرانی سات قسم کی تحریریں استعمال کرتے تھے (1) 'دین دبیرہ' جس میں 'اوستا' مقدس مذہبی کتاب لکھی گئی (2) 'وُش دبیرہ' جس کے ذریعہ مختلف آوازیں اور ان کے اتار چڑھاؤ، امراض، شکلیں اور ان کے رنگ خوابوں کی تاویلات اور تعبیریں احاطۂ قلم میں لائی جاتی تھیں (3) 'گشتک (دبیرہ کی تیسری قسم) میں صلح کے معاہدے، شاہی فرمان، مہر اور سکوں پر کندہ کی جانے والی عبارتیں ہیں۔ دفتری کام اور امور انتظام بھی اسی خط میں قلم بند ہوتے تھے۔ (4) پارہ گشتک یا نیم گشتک: اٹھائیس حروفِ تہجی سے وضع کیا ہوا ایک رسم خط تھا جس میں طب، فلسفہ اور دوسرے علوم کی کتابیں لکھی جاتی تھیں (5) شاہ دبیرہ جو شاہی خاندان کی مکتوبات کے لیے مخصوص تھا (6) 'رازسہری' وہ طرزِ تحریر جو دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھنے میں مستعمل تھا۔ (7) 'راس سہری'

ایک نقطہ دار خط تھا جس میں علوم حکمت کے رموز تحریر ہوتے تھے جن کو عام لوگوں سے راز رکھنا مقصود ہوتا تھا۔ یہ خط بڑے بڑے علما، شاہی حکما اور راز داران خسروی تک محدود تھا۔ اس خط میں کچھ تحریریں سونے چاندی کی تختیوں پر نقش کی گئی تھیں، جو آریمنہ داراۓ دوئم کے زمانے کی قائم کردہ، قصر پرسی پولس کی بنیادوں سے دستیاب ہوئیں۔

ایران کی زبان اور کتابی ساز و سامان کی طرح عہد بعہد میں حروف بھی نئی شکلیں اختیار کرتے رہے۔ ایران کے سب سے قدیم حروف صوتی علامات کی پیکانی یا مسماری شکل میں تھے۔ یہ حروف حتیٰ اور ایلمی صوتی حروف کی طرح بابل کے خط سے بہت قریبی رشتہ رکھتے تھے۔ بابل اور آشوری سلطنتوں کے زوال پذیر ہونے پر 539 ق۔م میں کیخسرو (Cyrus) نے جب بابل فتح کیا تو کیونی فارم (میخی یا پیکانی) خط کو بھی زوال ہوا۔ اُن کا استعمال روز بروز کم ہونے لگا اور فنیقی بائیس حروف تہجی کا الف بائی طرز تحریر مقبول ہونے لگا۔ کیونکہ وہ لکھنے میں مقابلتاً آسان اور مختصر رسم خط تھا تاہم میخی خط ایران میں سن عیسوی کے آغاز تک خال خال پایا جاتا تھا۔ اس کا آخری کتبہ 38ء کا تحریر شدہ میونخ کے میوزیم میں ہے۔

بعد میں فنیقی خط کی شمالی سامی شاخ آرامی خط سے پانچ سو اور چھ سو ق۔م کے درمیان ایک "کھروشٹی خط" وجود میں آیا۔ اس کے کئی نام ہیں، انڈو بیکٹرین (باختری یا آرین بیکٹرین) اس نے ایران کی تحریروں میں دخل پایا اور اس کے توسط سے ہندوستان کے ایرانی مقبوضہ علاقے میں رسائی حاصل کی۔ جہاں اس نے بڑی وسعت اختیار کی۔ اس کا نام شمالی مغربی ہندی، کابلی، اور گندھاری لپی بھی پڑ گیا۔ فنیقیوں کے بعد آرامی تہذیب اور ان کے طرز تحریر کو بھی بہت فروغ ہوا۔ ایران کا پہلوی خط دوسری تیسری صدی ق۔م میں ایجاد ہوا یہ آرامی کی ارتقائیہ شکل ہے۔ اس سے ایک صدی قبل اویستائی خط شاپور اوّل کی ایما سے دانشور مارگی نے آرامی خط سے پیدا کیا تھا اور زردشت کے صحیفہ اوستا کو از سر نو مدوّن کر کے اسی رسم خط میں تحریر کیا تھا۔ 216ء میں مانوی خط بھی آرامی خط سے وجود میں آیا۔ جس میں مانی نے اپنے صحیفہ "ارژنگ" کی تصنیف کو قلمبند کیا۔ ایران کی کتاب کی تاریخ میں مانی کا نام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ارژنگ کے سات حصّوں میں سے چھ حصّے سریانی رسم خط میں اور ایک پہلوی میں بھی تحریر کیا گیا۔ ایران کا ایک سوگدی خط بھی ہے جو آرامی سے پیدا ہوا۔ اور آخر میں ایران نے عربی خط اختیار کیا جو اب تک وہاں مروّج ہے۔

لکھائی کے ساز و سامان میں جو اشیا قدیم ایران میں مستعمل تھیں ان کے بارے میں محمد بن اسحٰق المعروف بہ ابن ندیم عہد مامون رشید کا نامور مورخ لکھتا ہے کہ ایرانیوں نے سب سے پہلے اپنے خیالات پتھر پر نقش کیے، پھر بہ تدریج ترقی کرتے ہوئے دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ مٹی کی تختیاں، چاندی سونے کی لوحیں، چرمی تختے (گائے بھینس، بکری وغیرہ کی کھالیں) اور آخر میں درخت توز کی چھال (Poplar bark) کے ٹکڑوں پر لکھائی کرتے ہوئے وہ کاغذ تک پہنچے تھے۔ توز کی چھال کو وہ توز کہتے تھے۔ قدیم ایران میں کاغذ کی صنعت وجود میں آنے سے پہلے کافی مدت تک توز کا دور دورہ ایران میں رہا۔ قصر اپادنا میں بہت بڑی تعداد میں چوبی اور سنگی لوحوں پر نقش کی ہوئی کتابیں تھیں۔ جن کو سکندر والی مقدونیہ نے تباہ و برباد کر دیا۔ توز نہایت پائیدار اور لچکدار چیز تھی جس پر لکھی ہوئی کتابوں کو ہزاروں سال تک گلنے سڑنے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس کو سیلن سے محفوظ رکھنے کا طریقہ بھی انھوں نے دریافت کر لیا تھا۔ کتاب لکھنے کا یہ پائیدار اور ارزاں وسیلہ نہ صرف ایران کی تہذیب میں مقبول ہوا بلکہ ایران سے آگے بڑھ کر دوسرے ملکوں پر بھی کافی اثر انداز ہوا۔ چنانچہ قدیم ہندوستان اور چین نے بھی ایک زمانے میں اسے ایران سے حاصل کیا تھا اور اس پر اپنے علوم و حکمت کے خاص قیمتی نسخے محفوظ کیے تھے۔ توز اس قدر مضبوط لچکدار شے تھی کہ اسے کمان بنانے میں استعمال کیا جاتا تھا۔

ایران میں بہت بڑے پیمانے پر کتابوں کا سراغ بادشاہ ضحاک کے زمانے سے ملتا ہے۔ جس کا بہت تفصیل کے ساتھ ابن ندیم نے سہل ابن نوبختی ایرانی کی تصنیف "عن متن فی معرفۃ الطالع الانسانؒ" کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد شاہ طہمورث کے زمانے میں بکثرت کتابیں لکھے جانے کا مستند تاریخی حوالہ ملتا ہے۔ طہمورث شاہ علم دوست اور علما کا بہت بڑا مربی تھا۔ اس کے زمانے میں مختلف علوم خصوصاً علم نجوم پر قیمتی کتابوں کا کتب خانہ ذخیرہ ہو گیا تھا۔ آنے والی آفات و حوادث سے محفوظ رکھنے کا ایک بہت بڑا مسئلہ در پیش تھا۔ اس عہد کے بہت مشہور دینی پیشوا اور عالم زردشت کا پتہ چلتا ہے جو بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ اس عہد کی بے شمار کتابوں میں ایک سب سے زیادہ شہرت گیر کتاب حضارت ادوار کا تذکرہ بہت سے مورخوں نے بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ قدیم ہندوستانی اور کلدانی علما نے اس کے ذریعہ ہفت سیارگان (The Seven Planets of the Sun) کے عمل گردش کا حساب لگا کر اس کی مدد سے زائچہ کلیات تیار کیا تھا۔ جسے تمام زائچوں کا

شاہکار قرار دیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں ایران کے ایک بہت بڑے عالم حکیم جاماسپ کا بھی تذکرہ ملتا ہے اور وہ بھی بہت سی کتابوں کا مصنف و مولف تھا۔ ایران کی قدیم بلند پایہ کتابوں کا تذکرہ ابو معشر بلخی نے اختلاف الزجات میں کیا ہے اور مشہور ایرانی محقق حمزہ اصفہانی نے بھی سارویہ کو پان دیز کے کھنڈر سے بر آمد شدہ کتابوں کے گٹھروں کا ذکر کیا ہے جو 340 ھ میں ابوالفاضل آبادنے اصفہان سے عباسیوں کے دربار میں روانہ کی تھیں۔ مورخ ابن ندیم لکھتا ہے کہ اس نے چمڑے پر لکھی ہوئی ایران قدیم کی کتابیں بچشم خود ملاحظہ کیں۔

ابو معشر اور حمزہ اصفہانی نے 'اکامینیس' (Achaemlnia) عہد کی مٹی کی تختیوں پر لکھی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو قصر اپادنا سے بر آمد ہوئیں۔ اسی طرح دارائے اعظم کے زمانے میں ششش (سوسا) میں بڑے پیمانے پر تصنیف و تالیف اور ترجمے کا کام ہوا۔ قدیم مصری مذہب اور الہیات کے موضوع پر "اوزا ہائیس نیتی" فرعون کا مبسس (Combysis) کی بھیجی ہوئی کتاب کا ترجمہ دارا نے ایرانی زبان میں کرایا اور اسے سنگی لوح پر نقش کرایا جو اصطخر کے کھنڈر سے بر آمد ہوئی۔ پارتھیوں کے عہد میں اور شہر بابکان شاپور اوّل اعلا تعلیم یافتہ مہذب حکمران تھا اس نے اور اس کے بیٹے شاپور دویم نے دوسری زبانوں سے علم و ادب کی بکثرت کتابوں کا پارسی میں ترجمہ کرایا۔

بعد کے زمانے میں ابن ندیم نے نوشیرواں عادل (خسرو اوّل) کے دور میں پہلوی سے سنسکرت میں اور سنسکرت سے پہلوی میں بہت سی کتابوں کے ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں پنج تنتر (کلیلہ دمنہ) اور الف لیلا بھی مذکور ہیں۔ ساسانی دور میں چرمی وصلیوں پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں ان میں اردشہر دویم کے طبیب خاص حکیم قتیبا یاگ نے پرسئیا (Per Sisa) ایک کتاب چرمی تختیوں پر تحریر کی اس کا زمانہ تصنیف 389 تا 410ء کے درمیان ہے۔ لیسنا پور داؤد صفحہ 81 تا 110 پر جن کتابوں کا ذکر ہے۔ ان میں (1) رستاختام۔ اسفندرات' اور (2) لہراسپ بھی ہیں جن کا عرب منتخب اللغات میں حوالہ ہے۔ یہ وہ کتابیں جن سے فردوسی نے شاہنامے کی مثنوی مرتب کی۔ (3) پیکار بھی ہے جس کا تذکرہ مروج الذہب میں مسعودی نے التقاش کے حوالے سے مرہا یہ الپیکار موسوم کرکے کیا ہے مسعودی نے ایک اور کتاب شکیسران کا ذکر کیا ہے جو اصل میں ہکیسران کا معرب ہے جس کا مطلب

ساکا قبیلے کے سرداران سے ہے۔ یہ ساگستان میں متمکن تھے اور یہی رستم کا وطن سیستان ہے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ اوّلاً ابن مقفع نے کیا تھا۔ اس عہد میں فلسفہ، روحانی علوم اور شاعری و موسیقی پر بکثرت کتابیں تصنیف ہوئیں۔

مانی اسکول کی کتابیں

ایران میں ساسانی عہد کا شہرۂ آفاق مصور مانی، جس کا نام فنِ مصوری میں ضرب المثل حیثیت رکھتا ہے، نہ صرف ایک باکمال مصور بلکہ بلند پایہ مفکر و مصنف اور بہت بڑا کتاب ساز تھا۔ اس نے اپنے نظریات ایران ترکستان اور عرب میں ترویج کیے۔ حدود عالم کے مطابق 372ھ تک کثیر تعداد میں "مانی شائین" فرقے کے لوگ سمرقند میں آباد تھے۔ اس شہر پر ان کا خاص اثر نفوذ تھا۔ وہاں ان کی ایک خانقاہ بھی تھی جو ناگوشک کے سے موسوم تھی۔ عرب حملے سے تین سو چالیس سال پہلے اور تین سو ستر سال بعد تک "مانی شائین" لوگ مصوری اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں سرگرمی سے مصروف و منہمک تھے۔ مانی اسکول کی خصوصیت اس کی مصور کتابیں۔ اعلا خطاطی اور آرائش و طلاکاری کی طرفگی ہے جس سے اس فرقے نے کتاب سازی کے فن کو ایک جداگانہ مقام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مانی اسکول کو ساسانی عہد کے فنونِ لطیفہ میں مذاق اعلا اور درجۂ کمال حاصل ہو گیا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بالآخر انھیں پر یہ فن منحصر تھا۔ مانی اسکول کی تصویر کاری، مصوری کتاب سازی اور خطاطی مستحکم بنیاد پر سلجوقی عہد تک قایم تھی۔ بیرونِ ایران دور دور ممالک میں یہ فرقہ اس فنِ لطیف میں عرصہ دراز تک رہنمائی کرتا رہا۔

مانی پارتھین نسل سے تھا، ہمدان میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ پاتکا کہلاتا تھا جو پاپک سے منسوب ہے، ماں کا نام کاروسا تھا، وہ مشہور خاندان "کام سرکان" سے تھی جو پارسیوں کا معروف عام گھرانا تھا۔ مانی ایک بحث طلب مفکر اور فن کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض اسباب کی بنا پر اس کے اصول اور خیالات کے غلط معنی پہنائے گئے۔ پھر بھی کئی صدیوں تک اس کے فن کی مقبولیت کا دور قائم رہا۔ طرفام میں "سام لبسین" کے شمالی حصے کی کھدائی کر کے مانی کے بے شمار کارنامے

برآمد کیے گئے جنھوں نے اس گروہ کے متعلق زبردست معلومات فراہم کی ہیں۔ مانی کے فن اور اس کی تصانیف کے اوراق پانچ علاقوں میں خاص طور پر پائے گئے۔ (1) خوچو (2) یارخوتو، توئیوق (3) کھنڈرات الفا مورتوق (4) سانی کا م غار اور (5) ہن ہوانگ غار۔ ان کے علاوہ مارل باشی لاہوسار (ترکستان میں بھی مانی شائین مخطوطات پائے گئے یہ پارتھی زبان میں ہیں۔ مصر میں قبطی مانی شائین تصانیف کے تین ہزار پانچ سو اوراق پیپرس پر ملے جو تاریخی مطابقت رکھتے ہیں۔ مانی کی خاص کتاب کا نام 'بونگا ہیگ' ہے۔ یہ پہلوی پارتھی میں ہے۔ اسے دورین نامک 'بھی کہتے ہیں۔ یہ بائیس حصوں پر مشتمل ہے۔ طرخان نے اس کی ایک مکمل نقل دستیاب ہوئی کتاب کی خطاطی اور مصوری کے فن میں مشرقی عظمت مغربی ذہن پر مانی کے دم سے اب تک قایم ہے۔

پہلوی زبان

ایران کی اعلا تصانیف پہلوی زبان میں وجود میں آئیں۔ یہ زبان پارتھوں کی بول چال سے بنی ہے۔ اس کی بولیاں دو طرح کی تھیں۔ سیئت (Siit) اور ماد (Maad) یہ دونوں بولیا جنوبی ایران کی ہیں بولیوں سے شیر و شکر ہوکر پہلوی بن گئی۔ چینی مانی شین متن کے مطابق پہلوی یا پہلوانی کے معنی پارتھین کے ہیں۔ محققین کا نظریہ یہ ہے کہ پہلوی پلہاؤ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جس کا ذکر مہابھارت میں آیا ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ پارتھی 'مہر' یا متھرائی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں بھی گائے مقدس مانی جاتی ہے۔ ہند آریائی اور ایرانیوں کی نسلی وحدت کا منجملہ اور بہت سے ثبوت کے ایک یہ بھی ہے۔

قدیم ہندوستان کا تحریری سراغ

ہندوستانی قدیم ادب اور فن تحریر کا سراغ آٹھ سو ق۔ م تک ملتا ہے۔ ابتدائی چار سو سال کا تحریری کارنامہ بھوج پتر پر اور تاڑ کے پتیوں پر تھا جو کسی طرح ضائع ہوگیا۔ ہندوستان کی سب سے قدیم چار کتابیں ہیں (1) سام وید (2) اتھروید

(3) یجر وید (4) اتھرو وید ان کے زمانے کا صحیح طور پر اندازہ کرنا دشوار ہے اس لیے کہ چین کی طرح ہندوستان کی یہ قدیم کتابیں بھی تحریری شکل میں تیسری چوتھی صدی ق۔م سے پہلے کی دستیاب نہیں ہوتی ہیں حالاں کہ ان کی موجودگی کا علم اور ان کے اشلوک بہت زمانہ قدیم سے سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ نے ان کتابوں کی عمر پندرہ ہزار ق۔م سے زیادہ تجویز کی ہے

برہمی خط

اس خط کے کچھ ایسے تحریری نمونے ملے ہیں جن کے زمانے کا صحیح طور پر تعین کرنا دشوار ہے۔ اشوک اعظم سے پہلے تحریری آثار پپراوا مقام (نیپال) علاقہ افغانستان کے کچھ ظروف پر نقش پائے گئے۔ یہ قدیم ترین تحریر مانی گئی ہے جس کا زمانہ آٹھ سو سال ق۔م خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چار سو سال کے نشانات گم شدہ ہیں۔ مقام سوگرہ (گورکھپور) سے تانبے کی ایک تختی پر جو تحریر ملی وہ چوتھی صدی ق۔م کے نصف آخر کی ہے۔ مہاستھان میں کچھ سنگی کتبے برآمد ہوئے۔ کچھ اسناد اور سکے ایک کتبہ ایران کے ایک موضع ساگر میں ملے۔ سکے پر راجو دھم پالس (راجہ دھرم پال) نقش ہے۔ اس کی تحریر داہنی سے بائیں جانب چلتی ہے۔ یہ سب تیسری چوتھی صدی ق۔م کے ہیں۔ ہندوستان میں لکھائی کے فن کی کڑیاں تسلسل کے ساتھ اشوک کے زمانے سے ملتی ہیں۔ ہندوستان کا پہلا سمراٹ (شاہنشاہ) ہے جس کا عہدِ حکومت تیسری صدی ق۔م ہے۔ اس نے اپنی سلطنت میں جابجا سنگی کتبے لوہے اور پتھر کی لاٹیں نصب کرائی تھیں جن پر معلومات عامہ کے لیے اہم قوانین برہمی خط میں کندہ کرا دیے تھے۔

ہندوستان کی قدیم کتابیں

ہندوستانی علما کا خیال ہے کہ برہمی رسم خط برہما جی کا بردان ہے جنھوں نے پوری سرشٹی رچی ہے۔ یہ لاکھوں برس پرانا خط ہے۔ بہرحال وید زمانۂ قدیم میں جب بھی لکھے گئے ہوں وہ اولاً برہمی خط اور قدیم سنسکرت زبان میں جو قدیم پارسی زبان سے قریبی رشتہ رکھتی تھی وہ بھوج پتر یا اس سے پہلے غالباً تاڑ کے پتوں پر لکھے گئے۔ ان اوراق پر سوچا جیسے لوگ دار قلم سے حیا ہیں ابتدا میں داہنی سے بائیں جانب رواں سطروں

میں نقش کی گئیں اوران کو صحیفہ وار مرتب کیا گیا۔ تاڑ کے پتوں کی دھجیوں پر لکھے ہوئے اشلوک کی یہ سب سے قدیم ہندوستانی کتاب لکڑی کے ننھے منے خوبصورت چوکھٹوں میں رکھ کر محفوظ کی گئی جب کہ پتیوں کے نچلے سرے زنجیرے دار ڈوری سے بندھے تھے۔ مسٹر ڈگلس میک مرٹری نے اِس قسم کی ابتدائی کتاب کی ایک تصویر اپنی کتاب میں دی ہے۔(1)

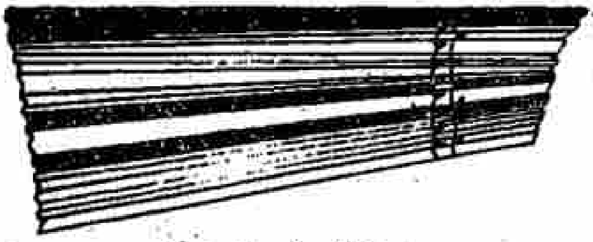

ہندوستان میں تاڑ کی پتیوں پر لکھی ہوئی ایک قدیم کتاب

تہذیب کی ترقی کے ساتھ ان کتابوں کی شکل وصورت اور سج دھج کچھ سے کچھ ہوتی گئی۔ پتوں سے بھوج پتر یعنی درخت کی چھال کے بڑے تختیوں پر اور پھر تامب پتر یعنی دھات کی پلیٹوں پر یہ تحریریں عہد بہ عہد آگے بڑھتی گئیں۔ کچھ تصنیفیں اُس زمانے کی جب آریہ ویدک سنسکرتی پر استوار تھے۔ منی مرگ چھالا اوڑھتے بچھاتے تھے، ہرن کی جھلی پر سینٹھے یا بانس کے قلم چراغ کی کالک کی روشنائی سے لکھی گئیں اور سوتی پارچوں اور چین سے درآمد شدہ ریشم پر بھی تحریر ہوئیں۔ جب سمراٹ اشوک کے شہنشاہ چین سے ثقافتی رشتے قائم ہوئے اُس زمانے میں لکڑی کی تختیوں پر نقش کی ہوئی اہم علمی کتابیں چین سے آئیں۔ مگر یہ لکڑی کی تختیاں لکھائی کے لیے یہاں بچوں ہی تک محدود رہیں۔ ہندوستان میں بڑی بڑی علمی کتابوں کو لکڑی پر نقش کرنے میں سخت دشواریاں تھیں۔

سنسکرت زبان میں اوپادھیا س کی شرحیں اُپنشد اور پرانوں کی بکثرت تصانیف کی وجہ سے دقیق اصطلاحات کا گنجینہ بن گئیں یا شاعرانہ نازک خیالی اور نکتہ آفرینی

---

(1) Story of Book Printing, Publishing and Book Making Page 6

کی لہریں لیتی ایک مانسرور جھیل جو عوامی بول چال اور روزمرہ سے بہت دُور ہوگئی تھی۔ لہٰذا عوام اس سے غیر مانوس ہوتے گئے۔ اُن کے معنی مطلب کی ایک پر اکرتی ایک ہزار ق۔م ہی میں پالی بن گئی۔ یہ چھٹی صدی ق۔م تک خالص عوامی زبان رہی پھر گوتم بدھ کے فلسفہ حیات اور اخلاقی تعلیمات کے لعل و گہر سے آراستہ ہونے لگی۔ بودھ نے اپنی تعلیمات کا ذریعہ بجائے سنسکرت اس عوامی زبان کو بنایا تھا۔ اس وقت سے تیسری صدی ق م تک پالی انتہائی عروج تک پہنچ گئی۔ اشوک سمراٹ کا پایۂ تخت پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا اس نے بدھ مذہب قبول کرلیا۔ اور تمام سرکاری تحریری کام اور شاہی دفاتر پالی زبان میں ہو گئے۔ بدھ فلسفے کی بے شمار تصانیف اشوک اعظم کے زمانے میں ممالک غیر کی زبانوں میں ترجمہ کرکے بیرونِ ہند روانہ کی جانے لگیں اور اشوک کے سفیر چین، جاپان، ملایا، برما، سیلون۔ اور مشرقی جزائر کو کتابیں لے کر جانے لگے۔ اس فلسفے کے ساتھ ہند آریائی حروف اور رسم خط کی دور دور تک ترویج ہوئی جس سے جنوب مشرقی ممالک میں نہ صرف بدھ مذہب بلکہ ہندوستانی حروف کے ماخوذ رسم خط اب بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

بدھ مذہب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ متن کی عبارت کو دلکش تصویرکاری کے ذریعہ واضح کیا جاتا تھا اس زمانے میں ایک مخصوص طرز کا فن مصوّری ایجاد ہوا جس میں روح کی پاکیزگی اور مسرت کو نقش کیا جاتا تھا۔

چھٹا باب

صوتی حروفِ تہجّی کی ابتدا (فنیقی قوم)

فنیقیوں کی تہذیبی انفرادیت

فنیقی قوم اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے منفرد اور قومی کردار کی دنیا میں بے مثال ہے۔ اس نے تاریخ میں ایسا مقام حاصل کیا کہ اُس کے عہد کی بہت سی تہذیبیں جو اس سے کہیں زیادہ عظیم و قدیم تھیں اس کی خوشہ چیں اور دست نگر ہو گئیں۔ بعد میں آنے والی قومیں اپنی تہذیبی ترقی میں اس کی مرہونِ منت ہیں۔ اس قومی کردار کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ شمالی سامی نسل کے ان لوگوں نے جب سے اپنی قومی تشکیل کی وہ کبھی جغرافیائی حدود میں پابند اور مقید نہیں رہے۔ بلکہ فنیقیوں کی تہذیب سے کسی محدود خطۂ زمین کی وطنیت کا تصور پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بجائے مشرقی اور مغربی یا ایشیائی، افریقی اور یورپین کے وہ ارضی انسان نظر آتے ہیں۔ زندگی کے بحرِ بے کنار میں ان کی بے تاب موجیں کتنے جزیروں کے ساحلوں کی مٹی، اُن کی آب و ہوا اور مزاجِ فطرت کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہوئی آگے بہتی چلی گئیں۔ بحرِ روم کے جنوبی مشرقی گوشے میں لبنان کے ایک چھوٹے سے علاقے سے یہ قوم ابھری، شروع ہی سے بلند حوصلہ، کشادہ دل، وسیع النظر، مہم جو اور بحری سیاحی کی شائق تھی۔ لہٰذا اوّلاً انھوں نے بحرِ روم کا پورا چکر لگایا۔ جزائر کاڈیز، سسلی، مالٹا اور چھوٹے بڑے بہت سے دوسرے جزیروں میں اپنی نوآبادیاں قائم کرتے ہوئے یہ آگے بڑھ گئے۔ بحرِ اٹلانٹک کی موجوں پر اپنے سفینے چلاتے جزائرِ برطانیہ تک پہنچے۔ پھر انھوں نے یورپ براعظم افریقہ کا ساحلی چکر لگایا، جو شاید اقوامِ عالم میں اُن کا پہلا کارنامہ ہے۔ وہ محیطِ اعظم ہند میں داخل ہو کر بحیرۂ عرب میں بڑھتے

چلے گئے حتیٰ کہ دریائے سندھ کے دہانے میں اپنے جہازوں کو اتارتے ہوئے، اوپر دور تک اندرونِ ملک میں رسائی حاصل کرلی۔

غرض فنیقی اپنے طول طویل سفر میں ہر قوم کے بہترین تہذیبی عناصر بہت کچھ دوسری تہذیبوں کو دیتے ہوئے، بے شمار قوموں میں اپنی تہذیب و معاشرت کے کبھی نہ مٹنے والے نشانات چھوڑتے رہے۔ جہاز رانی اور تجارت اُن کا پیشہ تھا۔ ان کے بندرگاہ بلاس (Byblos) سے یونان کو مصر کا پیپرس زمانے تک کتابوں کی تصنیف کے لیے ملتا رہا۔ بلاس بحرِ روم کے ساحل پر ایک بہت بڑا تجارتی بندرگاہ تھا۔ اس بندرگاہ کے نام کی رعایت سے یونانی، مصری پیپرس کو بلس BIBLAS کہنے لگے۔ اس کے اسکرول یا مکتوفے کو بلیا کہتے تھے اور انجیلِ مقدس کا نام بائبل اسی لیے پڑ گیا کہ یونانیوں نے اس کا پہلا نسخہ بلس پر تحریر کیا تھا۔ اسی طرح بلوگرافی؛ بلوفائل؛ بلوتھک، وغیرہ تمام یونانی اصطلاحات جو آج تک یورپ کی سب زبانوں میں مستعمل ہیں۔ فونیشیا کے بندرگاہ بلاس سے رشتہ رکھتی ہیں۔

ہمارے موجودہ رسوم خط فنیقیوں کی دین

فنیقیوں کی تہذیب نے نہ صرف اُس وقت تک یونان کو لکھنے کے لیے پیپرس دیا کہ جب تک سکندرِ اعظم نے مصر فتح کرکے اپنے بندرگاہ سکندریہ کی بنیاد 331 ق م میں نہ رکھ دی، بلکہ 1500 ق۔م میں ان کو مکمل حروفِ تہجی الف بائی خط کے بھی دیے ہیں یہ یقیناً فنیقیوں کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ ہے۔ انھوں نے مصری خط یا قدیم مصری برتنوں پر بنی ہوئی لکیروں اور آشوری رسمِ خط کی تیئیس صوتی علامتوں سے جن کے ساتھ سینکڑوں تصوری علامتیں شامل تھیں۔ صرف بائیس صوتی حروف تہجی کا رسم خط تیار کیا جس کے پہلے حرف کو فنیقی الف کہتے تھے اور دوسرے کو بیتھ۔ بہت سے دوسرے تہذیبی عناصر کے ساتھ ہی الف بیتھ کا رسمِ خط آرمیوں اور عبرانیوں نے اپنی زبان کے لیے اختیار کیا اور یونانیوں نے اسی الف بیتھ سے اپنا الفا بیٹا چوبیس حروف کا بنایا۔ رومن قوم نے انہی حروف تہجی کو اپنایا جو بعد میں سوائے روس پورے یورپ کا رسم خط بنانے میں کام آیا۔ بلکہ آرامیوں کے ذریعہ عربی، ایرانی، ترکی، ہندی (چین و جاپان کے سوا)

سبھی ایشیائی خط اس سے بنائے گئے۔

یونانیوں نے اس قوم کا نام فونیشین اِن کے بھورے سرخی مائل رنگ کی بنا پر تجویز کیا ہے۔ اور ان علاقوں کو جہاں سے یہ ابھرے فونیشیا سے موسوم کرتے ہیں۔ ورنہ دراصل یہ شمالی سامی نسل اور شمالی عرب قوم ہے۔ فنیقیوں نے جو الف بائی خط ایجاد کیا حقیقت یہ ہے کہ اس سے بہت پہلے دور تک اس کا سلسلہ ہے۔ اوّلاً سمیریوں نے چند صوتی علامتیں بنائی تھیں پھر پندرہ سو ق م میں آشوریوں نے تیس صوتی علامتیں یعنی حروف میں تیار کرلیں۔ یہ تصویری خط سے حروفِ تہجی کے رسم خط تک تصویروں کے لکیروں کی شکل میں واپسی کی ایک منزل ہے۔

الف بائی تحریر کے سلسلہ در سلسلہ رسوم خط

درحقیقت وہ ابتدائی لکیریں جنھیں عہد بہ عہد انسان نے ترقی دے کر دس ہزار سال کی مدت میں مکمل تصویر کشی کے فن تک پہنچایا تھا اور تین ہزار سال تک ان پر محنت کر کے اُن سے مصر، سمیریا، سندھ اور چین کا نہایت خوبصورت تصویری اور تصوری خط ایجاد کیا تھا، آگے ڈیڑھ ہزار سال تک اس پر ریاضت کرنے کے بعد جب اسے فنِ تصویر کشی سے جدا ایک تحریری فن کو وجود میں لانے کا خیال پیدا ہوا تاکہ زیادہ سے زیادہ فکری اور تخیلی مواد کو جلد سے جلد وقت اور کم سے کم جگہ میں لکھا جا سکے۔ اس وقت تصویری خط اس کے شوقِ تحریر کو پورا کرنے سے قاصر نظر آیا لہٰذا تقریباً پندرہ سو ق۔م میں شمالی سامی نسل کے لوگوں نے پھر قدیم لکیروں کی تلاش شروع کی۔

حروفِ تہجی کی تحقیقات کرنے والے تین مکتبۂ فکر میں سے ایک فرانسیسی محقق موسیو روژ (Emannud De Rovgte) کا نظریہ ہے کہ ہیروغلیفی مصری خط کی ہیروطیقی شکل نے فنیقیوں کو حروفِ تہجی کی ایجاد کا خیال دیا ہے۔ اور اس سے انھوں نے حروفِ تہجی وضع کیے۔ اس نظریہ کے موئید اسحاق ٹیلر بھی ہیں لیکن محققین کی اکثریت نے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ دوسرا نظریہ سر فلنڈرس پیٹری کا ہے جنھوں نے ہیروغلیفی خط وجود میں آنے سے بھی آگے کے زمانے کے مصری برتنوں کا بغور مطالعہ کیا۔ اُن پر برتنوں کی ملکیت اور شناخت کے لیے کچھ لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔ اسی قسم کی

لکیریں امتیازی نشان کے طور پر بحرِ روم کے دوسرے ملکوں کریٹ، قبرص وغیرہ میں نظر آئی تھیں۔ پیٹری نے انھیں لکیروں کا ماخذ سامی حروف کو قرار دیا۔ یہ کافی مستحکم اور قابلِ قبول نظریہ معلوم ہوتا ہے۔ تیسرا خیال سرآرتھرایوان کا سرے سے غیر منطقی اور حقیقت سے دور نظر آتا ہے۔ وہ کریٹ کے خط سے فنیقیوں کے حروف کا بنایا جانا بتاتے ہیں۔ کریٹ نے یونانیوں سے تحریر کا فن حاصل کیا اور یونانیوں کے خط کا فنیقیوں سے اخذ کیا جانا ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے۔ بس سامیوں کا یہ خط دو شاخوں میں تقسیم ہو گیا (۱) شمالی سامی خط جو شام، فلسطین، کنعان کے علاقوں سے نشوونما پاکر پھیلنے لگا۔ (۲) جنوبی سامی خط جو دمشق سے چل کر تمام جنوبی عرب کے علاقوں تک بڑھتا گیا۔ غرض یہ بائیس صوتی علامتوں کے الف بائی حروف فنیقی سیاحوں اور تاجروں کے ذریعہ دور دور پھیل گئے۔ مختلف قوموں میں ان کی تخم ریزی ہوئی چنانچہ عظیم یونانی اور لاطینی قوموں نے تحریر کے لیے فنیقیوں سے حروف حاصل کیے۔ دراصل سامیوں اور فنیقیوں کے کوئی الگ الگ خط نہیں ہیں۔ یہ ایک ہی خط ہے جو دو ناموں سے منسوب ہے اور اس کے وجود میں آنے کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اور دونوں کے تہذیبی عناصر بھی مشترک ہیں۔

دوسری طرف فنیقی حروف سے یونانی حروف کی تعمیر ہوئی اور جلد ہی اس سے لاطینی حروف وجود میں آ گئے۔ ان دونوں حروف سے رومن اور یورپ کے تمام ملکوں کے حروف بنائے گئے جن کا رسم الخط امریکہ تک پہنچا اور آج دنیا کے سب سے بڑے حصے میں رومن رسم الخط مستعمل ہے۔

ساتواں باب

علم وادب کا باب عالی یونان

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے یونان نے اپنے حروف پندرہ سو ق۔م میں فنیقی حروف ہی سے بنا لیے تھے۔ انھیں پیپرس بھی فنیقی ذریعوں سے مل رہا تھا جس پر یونانیوں نے کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں۔ ابتدا میں انھوں نے مصری اور فنیقی طرزِ تحریر کے مطابق داہنے سے بائیں جانب لکھنے کا طریقہ اختیار کیا۔ جسے بعد میں بدل کر بائیں سے داہنے طرف سطروں کی روانی کر دی۔ ایک ہزار ق۔م تک وہ کافی ترقی کی منزلیں طے کر چکے تھے۔ علوم طبیعات اور مابعد الطبیعات کی بہت سی کتابیں اُس عہد میں وجود میں آ چکی تھیں اور اُن کا مخصوص دیومالائی ادب بھی تخلیق ہو رہا تھا۔ مصوری اور اصنام تراشی کا فن خاص طور پر بڑی ترقی پر تھا۔ اخلاقی کار وجود میں آنے لگے تھے۔ طب، ریاضی، منطق اور علم کلام پر ایک ہزار سے پانچ سو ق م تک بہت اعلا تصانیف کا دور شروع ہوا سقراط اور اُس کے شاگردوں کے سلسلے کے حکما کا عظیم الشان دور یہی ہے جس میں بہ کثرت فلسفہ، علم الاخلاق، موسیقی، نجوم اور طب وادویہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن یونان کی نامساعد آب وہوا اور کچھ دوسرے ناموافق حالات نے ان کتابوں کو یونان کی سرزمین سے معدوم کر دیا۔

331 ق۔م میں مصر کی فتح اور اسکندریہ بندرگاہ قائم ہو جانے کے بعد یونان کی کتابوں کا ایک نیا عظیم الشان دور شروع ہوا۔ اب پیپرس براہِ راست یونان کو مصر سے حسبِ ضرورت مل سکتا تھا۔ اس لیے تصنیف وتالیف کا کام بڑے زور شور سے شروع ہو گیا۔ درحقیقت یونان کی مایۂ ناز کتابوں کی تصنیف اسی زمانے میں ہوئی یقین کیا جاتا ہے کہ ایلیڈ اور اڈیسی کی شہرۂ آفاق تصنیف یونانیوں نے پیپرس ہی پر قلم بند کی ہو گی جو یونان کی ناموافق آب وہوا میں تلف ہو گئی۔ اُس کی نقل پیپرس کے ٹکڑوں

پر مصر قدیم کے کھنڈرات سے موجودہ عہد کو حاصل ہوئی، اور ہم اس عظیم ادبی تخلیق سے واقف ہو سکے۔ اسی طرح یونان کا پورا ادب، فلسفہ، طب، تاریخ اور سائنس کی ساری تصانیف مصر ہی کی سرزمین سے دستیاب ہوئی ہیں۔

قبطی تہذیب : دارالکتب اسکندریہ

331 ق۔م سے پہلی صدی عیسوی کے درمیانی زمانے میں یونانی مصری زبانوں کی ایک مخلوط شکل وجود میں آکر پورے عروج پر پہنچ گئی تھی، جسے قبطی (Coptic) زبان کہتے ہیں۔ اس زمانے میں مصر پر فرماں روائی بھی مصری یونانی مخلوط النسل خاندان کی تھی۔ کوپٹک یا قبطی کا رسم الخط یونانی حروف تہجی کے تابع تھا۔ لیکن زبان میں بکثرت مصری الفاظ و معانی شامل تھے۔ یونان کے پیپرس اسکرول بمقابلہ مصری اسکرولں کے کافی مختصر ہوتے تھے۔ نظموں کے مجموعے صرف پانچ انچ چوڑائی اور چند فٹ لمبائی کے تختوں میں عموماً ہوا کرتے تھے۔ عام کتابوں کی ضخامت زیادہ تر دس انچ اور بیس تیس فٹ تک محض دھول میں ہوا کرتی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک درجن اس زمانے کے مکتوبے ہمارے عہد کی ایک چھوٹی سی پاکٹ ایڈیشن میں سما سکتے تھے۔

یونانی کتابوں کے حروف بہت قریب قریب اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے تھے۔ دو لفظوں کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں ہوتی تھی، ہر لفظ اگلے لفظ سے اس قدر وابستہ اور چپٹا ہوتا تھا کہ اسے لکھے حروف میں جدا کرنا دشوار تھا۔ یہی حال جملوں کا تھا۔ ایک جملہ ختم ہونے کے بعد خالی جگہ یا کسی قسم کا نشان قطعاً نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ یہ پتہ چلانا کہ جملہ کہاں سے شروع ہوا کہاں ختم ہوا آسانی سے ممکن نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تحریر پڑھنا کتنا دشوار ہے۔ اس زمانے میں وقف و سکون کے نشانات (Punctuation) کا رواج نہ تھا۔ آج قدیم یونانی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے سے آنکھوں اور دماغ پر سخت تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ وہ لوگ غالباً اس طرز تحریر کے عادی تھے۔ لہٰذا عرصہ دراز تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

یونان میں کتابوں کی دکانیں چوتھی صدی ق۔م تک بڑی تعداد میں کھل گئی تھیں۔ لیکن کتابوں کی اشاعت کے کاروبار سے متعلق معلومات کہیں سے نہیں حاصل ہوتیں

اس عہد میں کتاب اور نقل نویسی کے کام نے ایک عام پیشے کی حیثیت اختیار کر لی تھی ۔ اساتذہ طالب علموں کو زیادہ تر زبانی درس دیتے تھے۔ عرصۂ دراز تک یونان میں یہی طریقۂ تعلیم رائج رہا۔ لیکن کتابوں کے ذریعہ درس لینے کا رواج بھی فراعنۂ مصر کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور یونان میں بھی طالب علم کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔

چرمی مکتوبے

سب سے پہلے لکھائی کے لیے چرمی تختے اور جھلیاں استعمال کرنے کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اتنا ضرور ہے کہ دوسری صدی ق۔م سے پہلے اس کا استعمال ہو رہا تھا۔ اگرچہ خال خال دوسو ق۔م میں پرگیمم کے بادشاہ یومنس (Eumenes) کو جب پیپرس دستیاب ہونے میں دشواری ہوئی تو اس نے اس کا متبادل تلاش کیا۔ پرگیمم ایشیائے کوچک کا وہ علاقہ ہے جو قدیم زمانے سے لکھنے پڑھنے میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ انیسویں صدی تا بارھویں صدی ق۔م اس خطے میں آباد حطی قوم کی کتابوں میں دلچسپی اور سرگرمی تاریخ کتاب کا ایک باب ہے۔ وہ مٹی کی تختیوں پر کتاب لکھنے کا زمانہ تھا جو اب ختم ہو چکا تھا اور اُس وقت کی مقبول عام چیز پیپرس تھی جو اس کو بعض وجوہ سے نہیں مل رہی تھی لہذا یومنس کی توجہ خاص طور پر اسی زمانے میں چرمی تختیوں کی طرف ہوئی ، اس نے نرم کھالیں اکٹھا کرانے کا اہتمام کیا، اور ان کو لکھائی کے قابل بنانے کے لیے ایک باقاعدہ نئی صنعت وجود میں آئی۔ یہ صنعت اس علاقے سے فروغ پا کر دنیا کے بہت بڑے حصے میں پھیل گئی۔ چرم کو بالآخر پیپرس کا بدل بنا لیا گیا جس کے کچھ ٹیکنیکی طریقے دریافت کیے گئے۔ چرمی پارچے تیار کرنے کی صنعت پرگیمم میں بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ اس کے لیے بھیڑ، بکری اور گائے کے بچھڑے کی کھالیں اکٹھا کی جاتی تھیں۔ کھال کے بالوں کو تیز دھار دار چھریوں سے چھیل کر صاف کر دیا جاتا تھا۔ پھر ان کو جھاواں پتھر سے گھس کر خوب چکنا کیا جاتا تھا اور کھریا مٹی سے پُتائی کر کے نہایت سفید چمکدار بنا دیا جاتا تھا۔ یہ پیپرس کے مقابلے میں زیادہ پائیدار، مضبوط اور لکھائی کے لیے نہایت اعلیٰ قسم کی چیز تھی۔ لاطینی زبان میں انھیں پارچمنٹ کہتے ہیں۔ ان پر حروف کی کشید

کہیں زیادہ نفیس اور خوبصورت ہوتی تھی، تصویریں بھی بڑی اچھی بنتی تھیں، بڑی آسانی سے کتاب تیار ہو جاتی تھی۔ لیکن پیپرس کے مقابلے میں یہ چرمی پارچے بہت قیمتی تھے۔ ان کو اکثر تعداد میں جلدی حاصل کرنا دشوار تھا۔ پھر بھی چوتھی صدی عیسوی تک اور اس کے بعد کافی زمانے تک دُنیا میں ان کا عام رواج رہا۔ ایشیائے کوچک سے چل کر دور تک چرمی تختے پھیل گئے۔ چونکہ پرگاموں میں چرمی تختوں کی صنعت بڑے پیمانے پر شروع ہوئی تھی اور عروج پر پہنچی تھی، اس لیے اس سلسلے میں کچھ اصطلاحیں اسی شہر سے منسوب ہو گئیں جیسے لاطینی زبان میں فرمان شاہی کو چارٹا پرگامینا کہتے تھے، خواہ چرمی پارچوں پر نہ بھی تحریر ہو۔ ان پر تحریر دلکش اور دیدہ زیب ہونے کی وجہ سے پرگیمم کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی سپاس نامے اور یادگاری کتابچوں کے لیے تو خاص طور پر چرمی پارچوں کا انتخاب ہونے لگا تھا اور باوجود گراں قیمت ہونے کے روز بروز ان کا استعمال بڑھتا ہی گیا۔ پیپرس کی مقبولیت مصر کے باہر دن بدن کم ہونے لگی۔ بلکہ مصر میں بھی چرمی پارچے کی طرف پہلی صدی عیسوی سے توجہ پیدا ہو گئی۔ استوانہ نما کتاب کی جگہ اب ایک اور ہی شکل کی کتاب مغربی ایشیا اور بحرِ روم کے ملکوں میں نظر آنے لگی۔

جداگانہ صفحات کی کتاب کا آغاز (کوڈیکس)

جیسے جیسے پیپرس پر کتاب کی لکھائی کم ہوتی گئی اور چرمی تختوں کی مقبولیت بڑھتی گئی۔ کتاب کی اس قدیم شکل میں ایک بڑا تغیر پیدا ہونے لگا، کتابوں کی ایک نئی صورت ڈھلنے لگی۔ پہلی صدی عیسوی سے قبل آنکھیں کتابوں سے صرف مخطوطوں کی شکل میں آشنا تھیں یا مٹی کی لکڑی کی تختیوں سے واقفیت تھی۔ مگر اب ان سب سے مختلف کتاب کی صورت تہہ بتہہ موڑ کر ایک بستے کی شکل میں سامنے آنے لگیں۔ چمڑے کی نرم پتلی ایک لمبی سی پٹی پر صفحات کے نشان کھینچ کر نہایت خوبصورتی سے کتابت کی جاتی تھی۔ پھر صفحات کے نشانات پر اس پٹی کو اس طرح موڑا جاتا تھا کہ پہلی بار بائیں سے داہنی طرف پھر داہنی سے بائیں طرف، اسی طرح بالترتیب تہ بتہ موڑتے ہوئے پوری کتاب کو کسی ہارمونیم ساز کے پردے کی سی شکل دی جاتی تھی۔ کتاب کی اس

نئی شکل کو کوڈیکس یا قانونچے کا نام دیا گیا۔ غالباً قانون یا مذہبی اصول و آئین کے مسائل کی کتاب نے اوّلاً یہ شکل اختیار کی ہوگی اور پھر دیکھا دیکھی سب کتابیں تیسری چوتھی صدی عیسوی تک اسی شکل میں ڈھل گئیں۔

کتاب کی ایک اور نئی شکل۔ ویلم

کوڈیکس سے دو تین صدی آگے چل کر ساتویں صدی عیسوی میں کتاب نے ایک اور نئی شکل اختیار کی۔ بجائے چمڑے کی ایک لمبی پٹی پر کتاب لکھنے کے اسے برابر کٹے ہوئے دو دو ورق کے ٹکڑوں یا وصلیوں پر لکھا جانے لگا۔ پوری کتاب کی خطاطی ایسے کئی ٹکڑوں پر الگ الگ اس طرح کی جاتی تھی کہ ایک ٹکڑے کو بیچ سے موڑنے کے بعد اس پر کتاب کے چار صفحات آجاتے تھے۔ ہر مڑے ہوئے ورق کے درمیان سے ایک ڈوری گذار کر کتاب کے تمام اوراق میں شیرازہ بن جاتی تھی اور کتاب کے اوراق اس کے ذریعہ وابستہ رہتے تھے کہ منتشر نہ ہوجائیں۔ اسی صورت میں کتاب کو پڑھنا بہ مقابلہ اسطوانہ مکفوفہ کے بےحد آسان اور آسائش بخش ہوگیا بلکہ یہ طریقہ کوڈیکس سے بھی زیادہ سلیقے کا تھا لہٰذا اس کی مقبولیت بڑی تیزی سے ہوئی پھر بھی اس عہد کی تمام کتابوں کو ویلم کی شکل اختیار کرنے میں دو ایک صدیاں لگ گئیں۔ تیسری صدی عیسوی سے ویلم کا رواج عام طور پر ہونے لگا تھا اور چودھویں صدی تک بکثرت کتابیں اسی شکل میں پائی جاتی رہیں۔ دسویں گیارھویں صدی میں اسطوانہ مکفوفہ کی صورت عہد ماضی کی بات ہوچکی تھی۔ کوڈیکس اور ویلم میں منتقل ہوتی ہوئی کتاب کی وہ شکل طلوع ہونے پر آمادہ تھی جو آج ہمارے سامنے ہے۔

آٹھواں باب

قدیم روما کی کتابیں

رومن قوم نے یونان اور مصر کو پہلی صدی عیسوی کے درمیان فتح کر لیا۔ اس سے بہت پہلے ان کی زبان لاطینی تھی، جس کا رسم الخط کئی صدیوں تک یونان کے خط سے ملتا جلتا تھا۔ لاطینی زبان کا زمانہ سات سو ق۔م سے شروع ہوتا ہے جب رومن قوم نے یونانی رسم الخط سے اپنے حروفِ تہجی وضع کیے۔ ان کی زبان کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دنیا کی بہت سی قوموں کے حروفِ تہجی کا رسم الخط آتا ہے۔ رومن رسم خط سے یورپ کی تقریباً سب زبانوں نے اپنا طرزِ تحریر بنایا۔ ان کے حروفِ تہجی کا سرچشمہ یونانیوں کے توسط سے فنیقی بیس حروفِ تہجی سے جاری ہوا ہے۔

رومن تحریریں پیپرس پر بھی بکثرت ہیں اور کچھ کتابیں موم کی تختیوں پر بھی لکھی گئیں جو رومن عہد کی مخصوص ایجاد ہیں لیکن ان کا عہد چرمی وصلیوں پر لکھائی کا خاص زمانہ ہے۔ رومن پیپرس استوانہ نما مخطوطے ابتدا میں یونانیوں ہی کے ذریعے ہوئے تھے۔ سو ان کے آخری زمانے کے کہ جب ویلم اور کوڈیکس کی شکلیں ان مخطوطوں پر اثر انداز ہونے لگی تھیں۔ ان کو استعمال کرنا اور ان کی عبارتوں کو پڑھنا یونانی قدیم تحریروں ہی کی طرح مشکل تھا۔ ان کے یہاں بھی الفاظ ایک دوسرے سے ملے جلے اور باریک ہیں۔ جن کو پڑھنے سے دماغ اور آنکھوں پر بڑا زور پڑتا ہے۔

رومن عہد میں کتابیں لکھنے کا طریقہ

رومن قوم نے پہلی صدی ق۔م سے کتابوں میں دل چسپی لینا شروع کر دی

تھی۔ روز بروز اس طرف اُن کی توجہ بڑھنے لگی، کچھ لوگوں نے ذاتی کتب خانے رکھنا شروع کیے۔ پھر ایسے لوگوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ایک طبقہ کتابوں کے تجارتی کاروبار کا پیدا ہوگیا جس نے کتابیں تصنیف کرنے والوں کی ہمت افزائی شروع کی تاکہ نئی کتابیں وجود میں آئیں۔ کتابوں کا کاروبار کرنے والا طبقہ رومن عہد ہی میں سب سے پہلے پیدا ہوا۔

تصنیف شدہ کتابوں کا مسودہ کتابوں کے کاروباری اپنے تعلیم یافتہ غلاموں سے کتابوں کی شکل میں لکھواتے تھے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑے کمرے میں بہت سے تعلیم یافتہ غلام کام پر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک غلام مسودہ یا کسی قدیم کتاب کا نسخہ بلند آواز میں پڑھتا تھا اور بہت سے غلام اس کتاب کی کاپیاں ایک ساتھ لکھتے تھے۔ کتابوں کی اشاعت کرنے والوں نے اس عہد کے جن نمایاں کاروباریوں کا ذکر آتا ہے ان میں ایک بہت دولتمند شخص ٹیٹس یا پمپونیس ایٹی سیس ہے جو علم و ادب سے گہرا شغف رکھتا تھا اور خود بھی مصنف تھا۔ ایٹی سیس ایک سو نو ق۔م تک تھا۔ یہ مشہور زمانہ خطیب و خوش بیان سسرو کا دوست اور اس کے ملفوظات کا پبلشر تھا۔ دوسرے ناشرین کی طرح وہ بھی جلد جلد کم قیمت کتابیں بڑی تعداد میں شائع کرتا تھا۔ اور حسبِ معمول اپنے تعلیم یافتہ غلاموں سے کتابت کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ اس کی تجارت لکھائی چھپائی اور صحت کے اعتبار سے مملکتِ روما میں دور دور تک شہرت اور نیک نامی حاصل کر چکی تھی اور اس کا ادارہ اشاعت ایٹی کن کتب کے نام سے مشہور تھا۔

صحتِ تحریر اس زمانے میں اس قدر عام نہ تھی اور نہ اس پر اتنا زور دیا جاتا تھا جس طرح اُس سے پہلے یونان اور مصر میں اس پر خاص نگاہ تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے کتاب کی تصنیف سے لے کر اُس کی کتابت اور کتاب کی نقلیں تیار کرنے کا عمل بڑے بڑے علما حکما کے ہاتھوں یا اُن کے قابل اعتماد شاگردوں کے ذریعہ سرانجام ہوتا تھا۔ ایک ایک نسخہ کے مواد سے متن تک ہر سطر کی چھان بین ہوتی تھی اور ان کی تصحیح کا کام بہت دیدہ ریزی سے مسلسل جاری رہتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس سے قبل کتابوں سے سروکار بڑی بڑی عالم و فاضل ہستیوں کو تھا اور کتب پر صرف محققین کا عمل دخل تھا جبکہ

رومی شہنشاہیت کے دور میں کتابیں عیش پرست دولت مندوں کی تفریح بن گئی تھیں
چنانچہ پبلشر بلا پہچان بین کیے کتابیں شائع کر دیتے تھے۔ اکثر کتابوں میں غلطیوں کی بھرمار
ہوتی تھی ناشرین اور کتب فروشوں کو کتابوں کے ذریعہ دولت کمانے سے غرض تھی.
اور کتابوں کی صحت غلاموں کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔

حصّہ دوئم

عہدِ وسطیٰ کی کتابیں

دوسری صدی عیسوی سے پندرھویں صدی کے اختتام تک

حصہ دویم عہدِ وسطیٰ کی کتابیں

پہلا باب

مذہبی کتابیں۔ راہب

جب بربر قوم نے اپنے پے در پے حملوں سے رومن شہنشاہیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اطالیہ کی مملکت اور روم کا دارالسلطنت مسمار ہونے لگا تو روم کی کتابوں کا شاندار ذخیرہ بھی تہس نہس ہو گیا۔ لیکن روم کی تباہی سے بہت پہلے ایک سو تیس ق م سے مسیحیوں نے اسے اپنے اثر میں لے لیا تھا۔ یونانی اور لاطینی ادب میں عیسائی مذہبی کتابیں اپنی مخصوص جگہ بنا چکی تھیں اور اب انھوں نے پھیلنا شروع کیا۔ عیسائیوں کا کتابی ذخیرہ جسے وہ ببلو تھیکا مقدس کر شچیانا کہتے تھے اس میں بائبل کی تمام نقلیں، پادریوں کی لکھی شرحیں اور تفسیریں، اگرجاؤں کی رسومات دعائیں مستقل ادب شامل تھا۔ یہ بڑھتے بڑھتے مسیحی تبلیغ کی کتابی پیداوار کا ایک مرکز بن گیا تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ عیسائیوں کے باہمی فرقہ وارانہ تصادم میں تباہ ہو گیا۔ سب سے اہم ذخیرہ فلسطین میں قیصریہ مقام پر تھا۔ اس کی بنیاد پادری اوریجن نے رکھی تھی۔ 309ء میں ان کے شاگرد 'پامفیلس' نے اس کی از سرِ نو تنظیم شاندار پیمانے پر کی تھی۔ قیصریہ کے اس ادارے اور اس کے ذخیرۂ کتب کو مسیحی دنیا میں اس وقت وہی اہمیت حاصل تھی جیسی ہیلینک تہذیبی عہد میں سکندریہ کی حیثیت تھی جو بائبل قیصریہ میں لکھی ہوئی برآمد ہوتی تھی۔ وہ خاص وقعت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

خانقاہی کتب نویسی کی ابتدا

راہبوں کا اوّلین فرقہ دوسری صدی عیسوی میں رُونما ہوا اور مصر میں قبطی زبان

کی کتابیں اکٹھا کرنے کا کام شروع کیا۔ اس وقت مصر کی "ہیروغلیفی" تحریر نابود ہو چکی تھی۔ اُس کی جگہ مصری اور یونانی سے مرکب قبطی زبان و تحریر فروغ پر تھی اور یہی گرجاؤں میں مستعمل تھی۔ قبطی زبان مصر میں یونانیوں کی آمد تین سو اکتیس ق۔م سے لے کر ساتویں صدی عیسوی میں عربوں کے مصر فتح کرنے تک رائج رہی۔ راہبوں کی اس زمانے کی لکھی اور جمع کی ہوئی بہت سی کتابیں انیسویں صدی عیسوی میں انگریزوں کو دستیاب ہوئیں۔ ان میں قبطی تحریروں کے ساتھ کچھ شامی تحریریں بھی شامل تھیں۔ ان کتابوں میں مسیحی مذہبیات کے علاوہ دیگر علمی معلوماتی مواد بھی ہے۔ یہ کتابیں بالکل ابتدائی راہبوں کے مذاقِ کتب کا پتہ دیتی ہیں۔

راہبوں کے کتابیں لکھنے کا طریقہ اور فنِ خطاطی

کلیساؤں کے ان راہبوں نے قدیم مصری اور قبطی عہد کی کتابوں سے نہ صرف علمی اور ادبی مواد ہی حاصل کیا بلکہ لکھائی کا ہنر اور سلیقہ بھی سیکھا جس میں کچھ اپنے وضع کردہ اصولوں کا اضافہ کیا۔ قدیم مصری کاتبوں نے اپنے تصویری خط میں جو دل کشی پیدا کی تھی، اُس کی جھلک کو ٹیک کیونیفارم خط کے ذریعہ سکندریہ کے کاتبوں نے اپنی تحریروں میں دکھائی اور جب خانقاہی کاتبوں نے قلم سنبھالا تو حروف کی خوش نمائی اور دیدہ زیبی کو اس قدر اہمیت دی کہ خطاطی باقاعدہ ایک فن کی صورت اختیار کرنے لگی۔ حروف کی کشید کے کچھ اصول مقرر ہونے لگے، خطّاط ان کی پیروی کرنے لگے۔ دوسرا نقطۂ نظر کتابت میں زیادہ سے زیادہ صفائی کا خیال بھی تھا کتاب پر کسی قسم کے دھبے نہ آنے پائیں۔ تیسرے یہ کہ پادری تھیوڈور نے حرف بہ حرف نقل کا جو اصول وضع کیا تھا وہ خانقاہوں کے ان ابتدائی خطاطوں سے شروع ہو کر بہت زمانے تک یورپ اور ایشیا کے بڑے علاقے میں نہایت سختی کے ساتھ تمام خطّاطوں کے پیشِ نظر رہا۔ اس کی بھی ایک روایت قائم ہو گئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اصل نسخے میں یہ لفظ غلط لکھا ہے خطاط اسے صحیح کرنے کا مجاز نہ تھا۔ وہ کتاب لکھوانے والے کو توجہ دلا کر اُسے درست کرا سکتا تھا۔ چوتھے اس کمرے میں یا گوشے میں جہاں خطّاطی یا کتابت کی جائے مکمل سکون و خاموشی رکھی جائے۔ صرف متن بولنے والے کی آواز ابھرتی ہو، اُس کے علاوہ کوئی آہٹ بھی نہ ہو۔ اگر کوئی ضروری

بات کہنا ہے تو اشاروں سے کی جائے ۔ حفاظتی احتیاط کے پیش نظر صرف دن کو خطاطی کی جائے کیونکہ رات کو شمع جلا کر لکھنے سے آگ لگنے کا اندیشہ ہے ۔ اس کی وجہ سے لکھائی کے کمرے میں نیز پورے کتب خانے میں راتوں میں اندھیرا رکھا جائے ۔ کتابوں میں خواہ کوئی مواد ہو ان کی حرمت قائم رکھی جائے ۔ انھیں آہستہ سے رکھا اور اٹھایا جائے ۔ اور کتاب بلا اجازت سربراہ خانقاہ کہیں باہر نہیں جا سکتی۔

ابتدائی قلمی نسخوں پر جلا کاری (Illumination)

کتابوں کو مجلّا کرنے کا فن بھی قبطی عہد کی کتابوں سے شروع ہوا ۔ جس کا خیال اُن میں قدیم مصری کتابوں کے مطالعے سے پیدا ہوا تھا ۔ کوپٹک عہد میں تحریر کے اس پاس نقش و نگار، تصاویر اور زرکاری سے کتابوں کو چمکانے کا رواج تھا ۔ ابتدائی خانقاہی کاتب اور خطاط نے اس پر اتنا زور نہیں دیا جتنا کہ بعد میں شاہی کتب سازوں نے بہت زمانے تک اس کا اہتمام کیا۔

دوسرا باب

عرب اسلامی تہذیب

مسیحی کلیساؤں سے بہت دور اور اُن کی خانقاہوں کی حدود کے باہر نہ صرف یونانی فلسفہ اور حکمت بلکہ مصری و کلدانی، پارسی و ہندی، چینی و زنگی علوم و ادبیات کے مطالعے اور ان پر کتب نویسی کا ایک اور ہی میدان، شوق طویل زمانے میں پھیلا نظر آتا ہے۔ یہ ساتویں صدی عیسوی سے سولھویں، سترھویں صدی عیسوی تک کتابیں پیدا ہونے کا ایک تاریخی عہد ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ممتاز و منفرد تہذیب کا عہد عروج ہے۔ یہ تہذیب صحرائے عرب کے کچھ قبائلی خاندانوں سے ابھری اور ساری دنیا میں پھیل گئی۔

عربوں میں لکھنے کی ابتدا

عربوں کے فنِ تحریر سے واقفیت اور حروف سے آشنائی بہت قدیم ہے۔ عکادی جنھوں نے دو ہزار ق۔م سے سمیریہ تصویری علامات کو رسمِ تحریر کی کئی ترقی کی منزلیں طے کرائیں۔ جن کے ہاتھوں کیونی فارم، حروف پروان چڑھے اور بے شمار تختیوں پر تاریخ کتب کا ایک عہد نقش کر گئے، وہ لوگ صحرائے عرب کے شمالی وسطی حصے کے سامی النسل عرب تھے۔ یہ دجلہ و فرات کی سرزمین سے آکر بس گئے تھے اور وہاں بڑے بڑے کتب خانوں والی عظیم الشان بابل اور نینوا تہذیب کی بنیاد رکھی تھی۔ الف بائی خط کے موجد جو سینا کے پہاڑوں میں مصری حکومت کے تحت ایک ہزار نو سو ق۔م میں معدنیاتی کانیں کھودنے کا کام کرتے تھے اور سوئز کی خاکنائے میں ان مزدوروں

اور ملاحوں کی ایک کالونی بن گئی تھی، تحقیق سے وہ بھی سامی النسل عرب بتائے جاتے ہیں۔ موجودہ الفابٹ کی پہلی کڑی انہیں کے ہاتھ کی تحریر ہے جو سر فلنڈر پیٹری نے کچھ پتھر کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی 1904ء و 1905ء کے دوران ڈھونڈ نکالی اور فاضل عربی داں مارٹن اسپرنگلنگ نے 1931ء میں اس کو پڑھ کر عربی زبان سے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔

گیارھویں صدی کے مورخ و محقق ابن ندیم نے ابن کوفی کے حوالے سے الفبائی خط کے اوّلین چھ موجد کے نام 'الفہرست' میں درج کیے ہیں؛ ابو جاد۔ ہواز۔ حطی۔ کلمون۔ صعفص اور قرسیات۔ ان ناموں کے حروف کی ترتیب سے آج تک نہ صرف عربی بلکہ اکثر دوسری زبانوں کے حروف مرتب پائے جاتے ہیں۔ ہشام کلبی کے حوالے سے ابن ندیم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ الف بائی خط کے موجد عرب عاربہ گروہ سے تھے۔ واضح ہو کر صحرائے عرب کی سرزمین حجاز کے لوگ، خصوصاً قریش مکہ جن میں سے پیغمبر اسلام بھی تھے۔ عرب عاربہ شاخ سے ہیں۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عرب کی سرزمین پر کسی کتاب کے لکھے جانے کا تاریخ میں دور دور تک سراغ نہیں ملتا۔ فینیقی اور آرامی اپنے کاروباری یادداشتوں اور نجی خط و کتابت یا مملکتی انتظام کے دفتروں تک فن تحریر کو محدود رکھتے رہے۔ حتیٰ کہ اسرائیلیوں کا عہد نامۂ عتیق و جدید' بائبل بھی یونانی سرزمین پر یونانی خط میں پہلی بار لکھی گئی بعد میں اسکندریہ اور روم میں لکھی جاتی رہی۔ عرب میں پہلی کتاب قرآن شریف ہے جس کو صحیح کتابی شکل میں عرب کی تاریخ میں پہلی بار مرتب اور مکتوب کیا گیا۔ مکے میں چند نفوس جو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہی حال مدینے کا تھا۔

قرآن شریف کی تدوین

صحرا کے عربوں نے لکھائی کی طرف اوّلاً اس وقت توجہ کی جب ظہور اسلام اور وحی کا آغاز ہوا۔ ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ طویل قصائد ایک بار سن کر ازبر ہو جاتے تھے۔ تمام تاریخی واقعات اور جنگوں کی رو ئداد جزئی تفصیلات کے ساتھ پوری قوم کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے۔ ہر فرد کسی واقعے کو حرف بہ حرف راوی کے الفاظ میں سنا سکتا تھا۔ شعریت عربوں کے خمیر میں رچی بسی تھی۔ شجرے اور انساب کی یادداشت

میں تو عرب قوم کی مثال دی جاتی ہے۔ اگر کوئی کسی واقعے کی تفصیل تحریر کرتا، یا لکھی عبارت پڑھ کر سناتا تو اس کے کمزور حافظے کی دلیل خیال کی جاتی تھی جو اس کے پورے قبیلے کے لیے شرمناک بات تھی۔ اس کے باوجود شارع اسلام نے وحی نزول ہونے کے فوراً بعد تحریر کیے جانے کا التزام فرمایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خطۂ عرب جہاں یہود و نصاریٰ کے سوا چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آیات قرآنی لکھنے کے شوق میں سب لکھائی سیکھنے پر مائل ہو گئے۔

عربوں کی کتب نویسی اور کتب سازی کا آغاز

قرآن کی منتشر آیات کو جمع کر کے جس سلیقے کے ساتھ موضوعات کے لحاظ سے ابتدا ہی میں ترتیب دیا گیا اور اس کی پوری ضخامت کو تیس مساوی اجزا یا سپاروں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے۔ ایسی عمدہ ترتیب عمل میں لائی گئی کہ بعد کے زمانوں میں اس ترتیب پر نظرِ ثانی کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ہر آیت کے متعلق ضروری یادداشتیں ہر سورہ کی شانِ نزول حاشیوں پر ابتدا ہی سے درج کی گئیں۔ قرآن لکھنے کے بعد اس کی جلاکاری اور جلد سازی کا کام بھی بہت جلد شروع کر دیا گیا۔ بہت ابتدائی جلد سازوں کے نام نہیں معلوم ہو سکے لیکن انھوں نے اس صنعت کو بہت مختصر مدت میں کمال عروج پر پہنچا دیا۔ ایک صدی کے اندر جلد سازی کے مشاہیر فن پیدا ہوئے ــــ حسین ابن صفا۔ ابو عیسیٰ بن شیران۔ دمیانہ اعسر۔ ابن حجام۔ ابراہیم اور اس کا بیٹا۔ شفقۃ المقراض عجیفی اور ابو حریش جو مامون الرشید کے خزانۃ الحکمت میں جلد سازی کے منصب پر مامور تھا ان کو اس فن کے اساتذہ کا درجہ حاصل تھا جو عہد امیہ اور عباسیہ میں گذرے۔ قرآن کے صفحات اور جلدوں کی جلاکاری اور زرکاری کرنے والوں میں ابتدائی فن کار یقطینی۔ ابراہیم صغیر۔ ابو موسیٰ بن عمار۔ ابن سقطی۔ محمد اور ان کے فرزند اور عبداللہ خرمی وغیرہ نے کتابوں کی زرکاری (Illumination) کے فن میں تاریخی مقام پایا۔

چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں جب قرآن تحریر کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، چرمی جھلیوں اور پارچوں کا دور دورہ تھا۔ عام طور پر عرب کے یہود و نصاریٰ شام و فلسطین

میں پرپی وصلیوں اور ٹکڑوں پر مختصر تحریریں بھی لکھتے تھے اور ان پر لکھی ہوئی کتابیں بھی رکھتے تھے لہذا قرآن حکیم کے ابتدائی نسخے بھی انہیں پر لکھے گئے ہوں گے۔ چراغ کی کالک میں گوند ملا کر عام طور پر روشنائی تیار ہوتی تھی۔ کچھ ابتدائی نسخے زعفران سے بھی لکھے گئے۔ کھجور کی شاخ یا کلک کے قلم بنائے جاتے تھے۔ ابتدائی جامعین قرآن کے جو نام ابن ندیم نے درج کیے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ۔ سعد بن عبیدؓ۔ ابوالدرداؓ۔ عویمر بن زیدؓ۔ معاذ بن جبلؓ اور ابوزید بن ثابت بن ضحاک ہیں۔ بعد کے بے شمار نسخے ہیں جن کے جامعین کی فہرست نہیں ہے۔

قرآن کے بعد تفاسیر لکھنے کا دور شروع ہوا۔ ابن ندیم نے ان کی بہت لمبی فہرست درج کی ہے۔ جس میں سے خاص نام حضرات ابا قر محمد بن علی بن حسینؓ۔ کتاب ابن عباس۔ کتاب التفسیر ابن ثعلب۔ تفسیر ابی حمزہ ثمالی۔ ان کا نام ثابت بن دینار ہے۔ تفسیر محمد بن علی، تفسیر زید بن اسلم۔ تفسیر ابن مالک۔ تفسیر اسدی۔ تفسیر اسماعیل بن ابی زیاد۔ داؤد بن ابی ہند تفسیر بنبی۔ عکرمہ عن ابن عباس۔ حسن بن ابی الحسن بصری وغیرہ۔

عربوں کی تصانیف دیگر علوم میں

آٹھویں صدی تک عربوں کا ذہن صرف دینی اور الہیاتی مسائل تک محدود نہیں رہ گیا تھا۔ وہ مختلف علوم و فنون، فلسفہ ادب اور تاریخ میں بڑے شغف کا اظہار کر رہے تھے۔ ابن خلدون نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد رکھی اور تحقیق کے اصول و قوانین بنائے۔ خلیل ابن احمد نے شعر کے اصول اور بحور و اوزان میں استخراج مسائل النحو و علم العروض پر پہلی کتاب لکھی۔ نحو کے خاص موضوع پر پہلا مصنف محمد بن ابوسارا کنیت ابوجعفر اور لقب رواسی ہے۔ نحو اور لغات پر اس سے پہلے کتاب تو درکنار اس کی ضرورت کا احساس بھی عربوں میں نہ پایا جاتا تھا فصاحت بیان اور زبان دانی میں دنیا میں کوئی قوم ان کی ہمسر نہ تھی زمانۂ جاہلیت میں بھی نہ تھی مگر وہ بلا منضبط اصول و قواعد کے ایک صلاحیت ذہنی تھی۔ جب وہ صحرا سے نکل کر متمدن سرزمینوں پر پہنچے تو وہاں کے لوگ ان کی فصاحت اور نکتہ آفرینی دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کی لغات اور قواعد سیکھنا چاہی تب اور عربوں نے کثرت سے نحو اور لغات پر کتابیں لکھیں۔ ان میں سے چند ابتدائی کتابوں اور مصنفوں کے نام دیے جاتے ہیں۔ نضر بن یوسف کی نحو و لغت۔ علمائے کوفہ میں ابوالحسن احمد کی

کتاب التصریف۔ کتاب لیقین البلغا۔ خالد بن کلثوم کی کتاب اشعار۔ اور انساب و القاب۔ ابوذکریا یحییٰ بن زیاد کی کتاب الفرا۔ ابو جعفر کی قادم الفرابہ مفضل ضبی کی اشعار۔ ابن اعرابی: واقعات و حالات۔ ثابت بن ابی ثابت: لغت۔ ابن سعد کی کتاب القراۃ۔ نحو۔ حدود فرا خطاطی کی نحو الکبیر و نحو الصغیر۔ مختم فی النحو عمود النحو۔ ابن مروان کوفی کی کتاب القیاس علی اصول النحو وغیرہ۔ اس کے بعد دیگر شعبہ ہائے علم میں کرمانی الصادی کی کتاب الحشرات، کتاب الوحش، کتاب الخلق الخیل، کتاب النباتات۔ ابن کناسہ کی کتاب الانوا۔ کتاب معانی الشعر، سرقات الکمیت من القرآن۔ سعد ابن مبارک کی کتاب الارضین، والبیان۔ والجبال، والبحار وغیرہ۔ یہ تو دمشق و کوفہ کے کچھ ابتدائی مصنفین کی کتابیں ہیں۔ اگر بغداد و بخارا، یمن و قاہرہ، اندلس اور استنبول کے چیدہ مصنفین کی اولیات کی منتخب کتابوں ہی کی فہرست دینا چاہیں تو علاحدہ ایک کتاب ہو جائے۔

عربوں کا شوق مطالعہ یونانی ادب میں:-

عربوں کے غیر متعصبانہ ذوق و شوق نے یونانی کتابوں کا نہ صرف گہرا مطالعہ کیا بلکہ ان کے بے شمار ترجمے، شرحیں، حواشی اور ضمیمے لکھے۔ اور اس پائے کے بعد کے محققین و مستشرقین کو سچے دل سے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ شرحیں اور حواشی یونانی علم و ادب کی جان ہیں۔ جب عرب مدینے سے مغربی ایشیا اور ایشیائے کوچک، شمالی افریقہ، مصر و ہسپانیہ تک پہنچے تو یونان و عرب فلسفہ اور حکمت و ادبیات کا ایک نیا تخلیقی اتصال واقع ہوا۔ اسلامی عرب تہذیب کے متحرک حیاتی عناصر نے زمانۂ طویل کے دفن شدہ یونانی ذہن و شعور کو ایک نئی زندگی دے دی۔ یونانی فلسفہ میں ایک تازہ دم روح پیدا ہوئی۔ حقیقتاً بحر روم کی مردہ تہذیب کے لیے عربوں کی علمی اور سائنسی تحقیق نشاۃ ثانیہ کی خالق اور معجزۂ مسیحا ثابت ہوئی۔ انھوں نے سابق علما سے کہیں زیادہ علوم و فنون کی تحقیق۔ نظری مسائل کی چھان بین اور ان کی صحت و عدم صحت پر زور دیا۔ جس کی وجہ سے علمی خزانوں میں سے کھرے اور کھوٹے کار نامے الگ الگ کیے گئے۔ بارھویں صدی میں بہت اعلا پیمانے پر تنقیدی کام شروع ہو گیا تھا جس نے آگے چل کر پوری نسلِ انسانی کی رہبری کی۔ ان کی تنقیدی قابلیت اور ان کے ذریعہ اسکندریہ اور اتھنز کے علمی اور ادبی شاہکاروں کے حاصل کرنے کا اعتراف یورپ

کے تقریباً سب مؤرخین نے کیا ہے۔

عرب خطاط اور فنِ خطاطی

الف بائی حروف کی ایجاد کے بعد خاص عربی خط پیدا ہونے کے بارے میں ابن ندیم نے ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ عربی خط کے موجد قبیلہ بولان کے تین اشخاص مرامر بن مرہ اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ ہیں۔ جنھوں نے انبار میں سکونت اختیار کی اور سر جوڑ کر حروف منقطعہ اور موصولہ وضع کیے۔ جدید محققین نے چھٹی صدی ق۔م کا نجد و حجاز میں معمولی فرق کے ساتھ ایک اٹھائیس حرفی خط جو داہنے سے بائیں طرف بیز زبل چلانے کے طریق پر لکھا جاتا تھا 1909ء میں دریافت کیا ہے۔ اس کے محقق اور محلل گریمے (Grimme) اور ایف۔ وی۔ ونٹ (F.V. Winnett) ہیں۔ اس سے ملتا جلتا ایک سبائی خط بھی اسی زمانے کا دریافت ہوا یہ قدیم ترین خطوط اپنے اشکالِ حروف میں زمانۂ طویل کے بعد وضع ہونے والے خط نسخ اور خط کوفی سے بہت مختلف ہیں۔ نسخ و کوفی خطِ نبطی سے پڑا۔ نسینا، حجر، اور ذ بدجران کے مدارج طے کرتے ہوئے ساتویں صدی عیسوی میں اٹھائیس حروف کے داہنی سے بائیں جانب لکھے جانے والے رونما ہوئے۔ اوّلاً خط کوفی پتھر پر کندہ کیا جانے والا بے نقط خط تھا جس نے بعد میں شہر کوفہ میں ترقی پا کر یہ نام اختیار کیا۔ نسخ سرسری رواں لکھائی کا خط تھا۔ پیغمبرِ اسلام نے خط کوفی میں ملوک و سردارانِ عرب کو تبلیغ دین کے خطوط لکھوائے۔

اعلاکتابت کے ساتھ پہلا قرآن ابن عبدالعزیز کی فرمائش پر خالد بن ابوالہیاج نے تحریر کیا اس کا بہت خوشنما خط تھا۔ دوسرا خوشنما کاتب اسامہ بن لوئی بن غالب کا غلام مالک بن دینار ہے جو اجرت پر قرآن لکھتا تھا۔ 130ھ میں فوت ہوا۔ پھر اس خط کو مزید سنبھالنے اور خوبصورت بنانے کی کوششیں ہوئیں۔ بنی امیہ کے دور میں ایک اعلا خطاط قطبہ تھا۔ اس نے چار قسم کے قلم اور چار اسلوب وضع کیے۔ اصلی، موزوں، محقق اور مشق۔ خلافت عباسیہ کے اوائل میں ضحاک بن عجلان اس سے بڑھ کر ہوا۔ اس کے بعد منصور کا درجہ ہے۔ خلیفہ مہدی کے زمانے میں اسحاق بن حماد اور اس کا شاگرد یوسف لقوہ الشاعر اور پھر ابراہیم بن محسن یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک کاتب ہوئے

ہیں۔ شعرِ خادم اور ایک کاتبہ کی ثنا جو ابن قیوما کی لونڈی تھی۔ یہ سب فن خطاطی میں ایک ہی سلسلے کے ہیں۔ عبدالجبار رومی، شعرانی، ابرش، سلیم جعفر بن یحیٰی کے خدام و کاتبین میں سے تھا۔ عمرو بن مسعدہ، احمد بن ابو خالد، احمد کلبی اور عبداللہ بن شداد کاتب مامون الرشید۔ عثمان بن زیاد العابد۔ محمد عبداللہ ملقب بہ مدنی۔ ابوالفضل صالح بن عبدالملک تیمی خراسانی یہ لوگ خطوط اصلی اور موزوں کے ماہر بلند پایہ خطاط تھے۔ خط محقق اور مشق کے اسالیب پر عبور رکھنے والے ابن وبی حسان، ابن حضرمی، ابن زید فریابی، ابن ابی فاطمہ، ابن مجالد شرا یہ مصری، ابن سیرا ابن حسن ملیح، حسن بن نعالی، ابن حدیدہ ابو عقیل، ابو محمد اصفہانی، ابو بکر احمد بن نصر اور ابوالحسن وغیرہ ہیں۔ اس عہد کے مایۂ ناز خطاط حسام بصری اور مہد کوفی، ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں تھے۔ بلند پایہ کاتب ابو حادی معتصم کے دورِ حکومت میں تھے جو اپنے لطیف و نازک خط کوفی کے لیے شہرت رکھتے تھے کوفیوں میں دوسرے نامور خطاط ابن اُم شیبان، مسجور، ابو عمیرا، ابن حمیرا اور انھیں میں ابوالفرج بھی ہیں۔

وہ خطاط جنھوں نے عربی خط کو انتہائے کمال پر پہنچا دیا: اسحاق بن ابراہیم، ابراہیم احوال فن خطاطی پر تحفۃ الوامق کا مصنف اور اپنے عہد کا بے مثل خطاط ہے۔ اس کا بیٹا ابوالقاسم اسماعیل۔ بھائی ابوالحسن، دوسرا بیٹا ابو محمد قاسم، ابوالعباس عبداللہ سب باکمال خوشنویس اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسحاق سے پہلے ایک کامل فن ابن معدان تھا۔ بنو وجر الشجرہ، ابن خیرہ، مفلطی اور برداہدی کا شمار بھی اعلا کاتبوں میں ہوتا تھا۔ معدا دسے لکھنے والے ابوالمحمد جاس بن حسن، ابوالحسن علی بن عیسیٰ، اور ابو علی بن علی ابن مقلہ ہیں۔ وہ شخص جس سے عربی فن خطاطی کی تاریخ اور روایت وابستہ ہے، یہ اواخر رمضان 278ھ کو پیدا ہوا اور ربیع الاول 338ھ کو وفات پائی اس نے خطاطی میں کئی ایجادیں کیں اس کا پورا خاندان کاتب اور اعلا خوشنویس ہوا ہے۔

خطِ موزوں اور ان کے ہر اسلوب کی نوعیت

اس خط کے اسالیب کی کتابت سخت دقیق ہے ان میں ایک خط جلیل دشوار ترین ہے اس کی دو قسمیں ہیں، سجلان اور دیباج۔ سجلان کے دو اسلوب ہیں سیح اور اخیر سے دیباج

پاپائے روم کے دفاتر میں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ اطالیہ سے باہر کچھ دینی اور سماجی کارکنوں کی علم و ادب کے سلسلے میں ذاتی دل چسپی کا پتہ چلتا ہے جو اس اضطراب و انتشار کے دور میں خاص اہمیت رکھتا ہے مثلاً آرک بشپ ایسی ڈوتیس اپول نارس نے معرکۂ اٹیلیا (Attila) کے دوران اپنے خطوط میں کچھ کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ٹونتیس فیرولس کے مجموعہ کتب کا خاص طور پر تذکرہ ہے جو اس کے مکان پر وسفیانا واقع نیمز میں تھا۔ اسے بشپ نے قدیم روما کے اچھے سے اچھے کتب خانوں کا ہم پلہ قرار دیا۔ لیکن فرینکس کے غلبہ پاتے ہی تہذیبی انحطاط کا ایک دور شروع ہوگیا۔ اور چھٹی صدی عیسوی کے اختتام تک تہذیب و ادب کا احیا نہ ہوسکا۔ پھر بھی اس زمانے میں ہسپانیہ کے عالم و دانش ور بشپ آئسی ڈوور نے نہ صرف ایک وسیع کتب خانہ "سیوائل" میں قائم کیا بلکہ ان جمع کردہ کتابوں سے اپنی تصنیف میں کافی استفادہ کیا۔ ان میں اُس کی لکھی "ایٹی مالوجی" ایک قسم کی سائیکلو پیڈیا ہے جو صدیوں تک نصاب میں مستعمل رہی ہے۔

آئرستانی راہبوں کی کتابیں

پانچویں صدی عیسوی میں مقدس پادری پیٹرس نے آئرلینڈ کے باشندوں کو دین عیسوی میں داخل کیا اور صرف ایک صدی بعد آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ میں تقریباً تین سو خانقاہوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے جن کی ادبی اور تہذیبی خدمات سرزمینِ روم سے جواُن کا سرچشمہ تھا آگے نکل گئیں۔ آئرش راہب مشرقی اور بازنطینی تہذیب اور یونانی زبان سے بخوبی واقف ہونے کے بعد لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے جلد ہی خطاطی کے فن اور کتاب سازی کے ہنر میں پیشہ وروں کی ایسی مہارت پیدا کرلی۔ انھوں نے کتاب سازی اور سجاوٹ میں ایک مخصوص قومی طرزِ فن ایجاد کیا۔ ان کی خطاطی کے شاہکار سیاحوں اور زائرین کے توسط سے روم تک اور کتابی تبادلوں کے ذریعہ فرانس اور اطالیہ پہنچے۔ نویں صدی عیسوی میں آئرلینڈ کی یہ تمام خانقاہیں شمالی ساحل کے بحری قزاقوں نے تباہ و برباد کر دیا۔ لہٰذا اُن کے قدیم قلمی نسخے اسی قدر دستیاب ہو سکے جو ان راہبوں نے براعظم یورپ کی کچھ خانقاہوں میں بھیج دیے تھے اور وہاں تلف ہونے سے بچ گئے تھے۔ آئرلینڈ کے راہبوں کی پُرجوش دینی عقیدتمندی اُن کو

تیسرا باب

کلیسائے روم کی کتابیں

رومن شہنشاہیت کی شکست اور مسیحیت کی فتح یابی کے بعد کلیسائے روم نے اپنے خانقاہی قوانین اور مذہبی اداروں کے تحت کتابوں کی حفاظت اور مطالعہ کا کام جاری کیا۔ قدیم شہنشاہیت اور مسیحی مذہبی تحریک کی اس کشمکش کے عہد میں کیسیوڈورس ایک عجیب منفرد شخصیت ابھرتی نظر آتی ہے۔ یہ شخص پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی کے آغاز میں ہوا۔ پہلے شاہ تھیوڈورک اعظم کی خدمت و ملازمت میں تھا جس کا زمانہ قدیم رومن علم و ادب کے شوقِ مطالعہ کا آخری دور تھا۔ کیسیوڈورس نے اپنی کبر سنی میں دنیاوی مشاغل سے کنارہ کشی کر کے جنوبی اٹلی میں ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جس میں اس نے مسیحیت کی مجلس مطالعہ قسم کی ایک اکاڈمی قائم کی۔ اس خانقاہ کے اصول و ضوابط میں راہبوں کے لیے گرجا کی خدمت و عبادت کی ایک نوعیت بغور کتابوں کا مطالعہ اور صحت کے ساتھ اُن کی نقل کرنا بھی ایک فریضہ قرار دیا گیا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ کتابوں سے مراد نہ صرف دینی کتب بلکہ مسیحی تعلیم کے علاوہ دوسرے غیر مذہبی علوم کا یونانی و لاطینی دونوں زبانوں میں غیر جانب دارانہ مطالعہ بھی لازم تھا۔ کیسیوڈورس کے اس اقدام نے کلیساؤں کی دنیا میں خالص علمی مکتبۂ فکر کی ابتدا کی اور خانقاہی نظام کے ذریعہ علوم عقلیہ کی ذہنی ترسیل کا بھی بندوبست کیا۔ یہ اس کٹر اور متعصب ذہنیت کے مسیحی دور میں پہلا جرأت مندانہ قدم تھا۔

کیسیوڈورس کے مرنے کے بعد اس کے کتب خانے کا ایک حصّہ روم کے اسقفِ اعظم کے یہاں منتقل ہو گیا جہاں پہلے سے یعنی پانچویں صدی عیسوی سے کچھ کتابیں جمع تھیں اور

جس میں سلطانی احکام و صحائف تحریر ہوتے تھے اس سے طومار کبیر نکلا۔ جس سے خرجاج اور ثلثین صغیر ثقیل وجود میں آیا۔ اس میں امرائے مملکت کو فرامین لکھے جاتے تھے۔ اس کے تین اسلوب ہوئے: قلم زنبور، قلم مفتح اور قلم حرم۔ آخری خط عدلیہ میں مستعمل تھا۔ اس کے علاوہ ثلثین سے ایک اسلوب قلم سوامرات نکلا یہ بھی دارالقضا میں مستعمل تھا۔ ان دونوں سے چار طرز قلم اور پیدا ہوئے۔ قلم مہود حرم سے ماخوذ سرکاری احکام و وصایا کے لیے اور قلم امتا النصف اس سے بھی دو خط برآمد ہوئے۔ قلم خفیف اور قلم قصص۔ دوسری شاخ سے قلم اجوبہ نکلا۔ اس طرح موزوں کی بارہ نوعیت ہوئیں ان سے بارہ طرز اور وجود میں آئے مثلاً خرجاج ثقیل و خفیف۔ طومار کبیر خفیف۔ سیمی سے خط مجلاتِ اوسط۔ اشریے سے خط مدور، رقاع وغیرہ وغیرہ ان سب خطوط کے استعمال کا موقع محل جدا جدا تھا۔ کتب نویسی میں چار طریقہ کتابت تھے۔ خط جلیل، خط طومار، خط النصف ثقیل اور خط ثلث کبیر۔

دولت عباسیہ کے آغاز سے پہلے جو خط مختلف مواقع کے لیے مقرر تھے دورِ عباسی میں ان سب کو قرآن کی کتابت کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اس دور میں نئے خط پیدا ہوئے جو خط عراقی کہلاتے ہیں۔ اس دور میں خط محقق جسے وراقی بھی کہتے ہیں پہلے سے کہیں زیادہ حسین و دلکش ہو گیا اور مامون کے عہد میں انتہائی عروج پر تھا اسے احول نے ترقی دی وہ خلیفہ کا محررِ خاص تھا نئے خطوط میں سے کچھ کے نام دیے جاتے ہیں۔ خط مرصّع۔ خط نسخ۔ فضل بن سہیل نے ذوالریاستین ایجاد کیا جو ریاستی سے معروف اور سب سے بہتر مانا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ منشور۔ وشی۔ رقاع۔ مکاتبات۔ خط ضبا الملبہ۔ خط نرجس، خط بیاض اور بہت سے اور بھی ہیں۔

قلم کی عظمت و فضیلت میں عربوں کے اقوال اوروں سے جدا ہیں۔ مثلاً عتابی کہتا ہے "قلم ذکاوت و فطانت کی سواری ہے قلم کے آنسو بہانے سے چہرۂ کاغذ پر مسکراہٹ اور شادمانی پیدا ہوتی ہے" (الدواد) "قلم عقل کا سفیر اس کی زبان گویا اور سچا ترجمان ہے" (طریح بن اسماعیل ثقفی) "عظمت انسانوں کی عقل ہے کے قلم کے دندانوں سے وابستہ ہے" (کندی) "مجھے ایسے کوئی حروف نہیں معلوم جو اس قدر جلالت قدر اور نزاکت کے حامل ہوں جیسے کہ عربی حروف اس کی جیسی زود نویسی کسی تحریر میں نہیں" اور کلثوم نے تو کتاب کی تعریف میں پورا قصیدہ لکھا ہے۔

انگلستان اور برّاعظم یورپ میں تبلیغ مسیحیت کی غرض سے لے گئی۔ 590ء کے قریب مشہور آئرش پادری ''کولمبن'' اپنی قلمی کتابیں اور اپنے ساتھ بارہ راہبوں کو لے کر انگلز ڈیلی (Luxeuil) پہنچے۔ وہاں ایک خانقاہ اور اس سے متعلق ایک کتب خانہ قائم کیا جو ایک صدی سے زیادہ زمانے تک فرانسیسی دانشوروں کا مرکز رہا۔ اسی طرح اطالیہ میں بوبیو کے مقام پر بھی انھوں نے مطالعہ کا ایک مرکز قائم کیا اور خطاطی کے آئرش طرزِ فن کی وہاں بھی ایک روایت قائم کی۔ انھی راہبوں میں سے گیلس نے سوئٹزرلینڈ میں سینٹ گیلن کی خانقاہ تعمیر کی۔ جو اب تک موجود ہے۔ اس کی لائبریری نے آگے چل کر خاص شہرت وعظمت حاصل کی۔ انگلستان سب سے زیادہ ان راہبوں کے حلقۂ اثر میں تھا۔ شمالی انگلستان میں لینڈسفارنے اور خاص کینٹربری کا گرجا سب سے اعلا مقام اس زمانے میں بھی رکھتے تھے۔ دینی خدمت میں مشہور ترین شخص 'بیڈی' (بشپ بینڈکٹ) جو متعدد بار روم جاکر انگلستان کے لیے ذخیرۂ کتب فراہم کرتے رہے، 'بابونی فس' جنھوں نے جرمنی جاکر مسیحی تبلیغ کی اور 'فلدا' خانقاہ قائم کی۔ اس سے متعلق ایک بہت بڑا کتب خانہ مع کتابت اور تصویر کشی کا اسکول بھی تھا۔ بیڈی ہی کے ایک شاگرد 'یارک' آربشپ ہوئے ہیں اور یہ سب آئرستانی راہبوں کے سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ غرض آئرلینڈ کے راہبوں کے ذریعہ خانقاہوں سے متعلق کتب خانے اور کتابوں کی عمدہ لکھائی کی ترویج واشاعت کی ایک لمبی داستان ہے۔

کتابی رسم الخط کا ارتقا

یورپی خانقاہوں میں علمی، ادبی تہذیب جتنی تیزی سے ترقی کر رہی تھی اسی اعتبار سے کتابی رسم خط اور خطاطی میں بھی ایجاد و اختراع لازمی تھی۔ چونکہ مواد و موضوع کا ذریعۂ اظہار لاطینی زبان اور اس کا قدیم رسم خط تھا اس لیے لاطینی حروف کی شکل اور کشید میں تنوع، طرح طرح کی جمالیاتی نقطۂ نظر سے جمالیاتی جدتیں ہونے لگیں۔ تاکہ تحریریں ایک طرف دیکھنے میں تو دیدہ زیب اور دلکش ہوں اور دوسری طرف ان کی طرزِ کشید زود نویسی میں موئد ومعاون بھی ہو چونکہ لکھنے والوں کی الگ الگ جماعتیں، یورپ کے مختلف حصّوں میں ان راہبوں کی قائم کی ہوئی خانقاہوں سے

تعلق رکھتی تھیں اس لیے پُر تکلف تحریر کے جدا جدا انداز (Styles) تخلیق ہو رہے تھے۔ لاطینی رسم خط میں ایک تو بڑے حروف خطاطی میں گولائی سے تحریر کیے جاتے تھے۔ جنھیں بیجشک کہتے تھے اور دوسرے رواں تحریر کے لیے پہلی صدی عیسوی میں ایک سرسری طرزِ تحریر (Cursine Style) وضع ہوا تھا جو جلدی اور روا روی میں استعمال ہوتا تھا۔ اس میں حروف چھوٹے اور سادگی سے کھینچے ہوئے تھے۔ ان ہی رواں تحریر کے حروف میں ہر ایک نے اپنے اپنے طرز کی جدتیں کیں اور آہستہ آہستہ انھوں نے کتابوں کی لکھائی میں جگہ حاصل کر لی۔ اُن کو چھوٹے حروف یا مُنیکول کہا جاتا ہے۔ ابتدائی عہدِ وسطیٰ میں یہ بتدریج مختلف خانقاہوں میں الگ الگ قومی طرزِ تحریر کی شکل اختیار کرنے لگے۔ مغربی کا تھیک طرز ہسپانیہ میں آٹھویں صدی سے بارھویں صدی تک عام ہوگیا فرانسیسی یا میرو دنجین طرز دستاویزات کی تحریر کے لیے مخصوص ہوگیا۔ اس کی کئی تغیر پذیر شکلیں تھیں۔ جو لگزویل اور کاردی کی تحریروں میں نظر آتی ہیں۔ اطالوی طرز بوبیو کے مخطوطات سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بینی ونتین، بیئٹ کیسینو کی خانقاہ سے ترقی کر کے دسویں صدی سے گیارھویں صدی تک اطالیہ میں مقبولیت کے نقطۂ عروج تک پہنچ گئی۔ اطالوی اور فرانسیسی طرزِ تحریر ایک حد تک یورپ کے دوسرے قومی طرزِ تحریر اینگلو سیکسن سے بھی متاثر ہوا جس کو جزیرہ نما طرز (Insular Farm) بھی کہتے ہیں۔ تمام دوسری قوموں سے مختلف آئرش طرز اس بنا پر ہے کہ انھوں نے بجائے رومن سرسری طرز کے رومن نیم بیضاوی (Hefuncial) میں تنوع پیدا کر کے زیادہ گٹھے اور نوکیلے چھوٹے حروف پر اپنا ہاتھ رواں کیا اور یہ ان کا امتیازی طرز آگے چل کر تازہ تر بہت تیز گھسیٹ لکھائی کے چھوٹے حروف میں بھی جاری رہا۔ یہ خاص آئرش خطِ شکست وہاں کے راہبوں نے اپنے تبلیغی سفر کے دوران خانقاہ بوبیو، لگزویل اور سینٹ گیکن میں جا بجا روانی سے لکھ کر اس کی دور دور تک تخم ریزی کی۔ انگریزی راہبوں نے بھی مذکورہ بالا دونوں طرزِ تحریر نیم بیضاوی اینگلو سیکسن اور چھوٹے حروف کی لکھائی اختیار کر کے پورے یورپ کو اس سے مانوس کیا۔

رومن رسم خط کے تمام مذکورہ بالا طرزِ تحریر کی ایک عام خصوصیت مخفف نویسی (Abbreviations) کا رواج تھا۔ قدیم زمانے میں بھی مکرر آنے والے الفاظ

یا فقروں کو مختصر کر دیا جاتا تھا۔ اس کا سراغ مصر قدیم سے یونانی اور رومن عہد تک ملتا ہے۔ لیکن عہد وسطیٰ میں پہلے صرف مذہبی تحریروں میں اور بعد میں غیر مذہبی مکتوبات میں بھی کچھ الفاظ کا مخفف استعمال بارھویں صدی عیسوی اور چودھویں صدی عیسوی کے دوران بالکل عام اور باقاعدہ ہوگیا۔ پہلے مخفف کرنے میں کوئی اصول اور قاعدہ متعین نہیں تھا۔ انفرادی طور پر حسب موقع ان کا استعمال اپنے طرز پر ہوتا تھا۔ بعد میں مخفف نویسی یکساں پابند شکلوں میں ہونے لگی۔

قدیم مصر، بابل اور عاشوری تہذیبوں کا جو ورثہ یونانی فنکار ہاتھوں سے گزر کر راہبوں کو ملا۔ اسے انھوں نے بڑی محنت اور سلیقے سے استعمال کیا۔ وہ جس قدر حسنِ خطاطی میں محنت کرتے تھے ویسی ہی کتاب کی آرائش اور سجاوٹ میں بھی کاوش کرتے تھے جس کی وجہ سے ان خانقاہی کتابوں کا نظارہ نہایت دلکش اور جاذب نظر ہوتا تھا۔ زمانے کے ساتھ ساتھ یہ کتابی آرائش تنوع پذیر ہوتی گئیں جنھوں نے کتابوں کے عہد اور زمانوں کو متعین کرنے میں بڑی مدد دی۔ انہی کے توسط سے ہر کتاب کسی خاص زمانے سے منسوب ہے۔ رومن عہد، بازنطینی عہد، عہد وسطیٰ کا پہلا۔ دوسرا۔ تیسرا دور اپنے امتیازی طرزِ آرائش سے شناخت ہوتا ہے۔ مثلاً گیارھویں بارھویں صدی کا بازنطینی عہد بہت زیادہ سنہرے کام، ارغوانی رنگ اور دوسرے گہرے رنگوں سے پہچانا جاتا ہے۔ شمالی انگلستان اور آئرلینڈ کی آخر نویں صدی کی کتابیں کلٹک آئرستانی طرزِ مصوری کو نمایاں کرتی ہیں۔ جس کی خصوصیت لیسوں پر چڑیاں، کتے، اور دیومالائی جانوروں کی تصویریں ہیں لیکن اس زمانے کی تمام کتابوں میں ایسی ہی تزئین و آرائش لازمی نہیں تھی۔ بہت سی کتابیں ایسی بھی ہوتی تھیں جن میں یہ سب اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ انھیں ان کے تاریخی عہد کے ساتھ پہچاننے میں دشواری ہوتی ہے۔

نئے خانقاہی سلسلوں کی کتابیں

عہد وسطیٰ میں خانقاہوں کا نظام صحیح معنوں میں کتابوں کی دنیا تھی۔ اگرچہ براہِ راست اس کا تعلق دینِ مسیحی کی تبلیغ اور عیسائیت مذہب کے اصولِ عبادت کی تلقین سے تھا، لیکن بائبل کے ماسوا اور دینیات عیسوی سے قطع نظر دوسری کتابوں کا رجحان

بھی خانقاہوں میں پیدا ہو کر خاموشی سے پرورش پاتا رہا۔ اس رجحان کی تاریخ یوں تو بہت قدیم ہے مگر عہد وسطیٰ میں اس کا سلسلہ چھٹی صدی کے آغاز سے ہے۔ جب کہ جنوبی اطالیہ کی ایک خانقاہ ویرانیم (The Veranium) میں کیسوڈورس نے راہبوں کو آزاد مطالعہ کی راہ پر لگانے کے لیے ایک اکاڈمی قائم کی تھی انہی عیسائیوں اور راہبوں میں سے تہذیب و ادب کے دلدادہ بنڈکٹائن نے بہت سی ایسی خانقاہوں کا سلسلہ قائم کیا جس کے راہبوں میں کلاسیکی ادب اور قدیم علم و حکمت کے مطالعہ کا گہرا ذوق و شوق تھا۔ یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ عیسائی راہبوں کے ذریعہ طلب علم اور مذاق ادب میں ترقی ہوتی گئی۔

چھٹی صدی کے اگلے نصف حصہ میں تقریباً تمام یورپ میں بہت سی بنڈکٹائن خانقاہیں وجود میں آگئی تھیں جو دینیات کے ساتھ کلاسیکی ادب کا مطالعہ اور ان کی نقلیں کرنے میں مشغول تھیں۔ کلیسا کی مقدس کتابوں کو پڑھنے کے لیے یونانی اور لاطینی زبان تو جاننا ضروری ہی تھی۔ لہذا ان راہبوں کو کلاسیکی ادبی تصنیفات کا گہرا مطالعہ کرنے اور اس میں اعلا قابلیت پیدا کرنے میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوگی۔ اس طرح ایک بین الاقوامی کلاسیکی ادب و تہذیب کی سوسائٹی قائم ہوگئی۔

بارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک ایسا طریقہ رونما ہوگیا تھا جو آزاد نظریاتی علوم عقلیہ اور کلاسیکی ادب کا شیدائی تھا۔ اس جدید تحریک میں سب سے قدیم خانقاہ مانٹے کینیو پیش پیش تھی۔ دوسرے کئی خانقاہی نظام اس تحریک سے وابستہ ہو کر اسے طاقت پہنچانے لگے۔ بنڈکٹ نظام خانقاہ سے جو چشمے از خود جا بجا پھوٹنے لگے۔ ان میں سے ایک کلونک علمی ادبی سوسائٹی بھی ہے جس کا صدر مقام انگلستان میں کینٹربری تھا اور سینٹ البان کا ایبے بھی اس کا ہم دوش تھا۔ اس سلسلے کو نئے خانقاہی نظام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ عہد وسطیٰ کے آخری برسوں میں پورے عروج پر تھا۔ کارمیلٹ برادران، اور منیڈکٹا فرائر، فرانسس، اور ڈومیکن نے بھی اس میں پرجوش حصہ لیا۔ انگلستان میں مینڈکٹ 1224ء میں آئے اور لندن و آکسفورڈ میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ کیا۔ اسی طرح وہ سیکسنی، ابجیل، وینس اور دیگر مقامات پر کلاسیکی علم و ادب کی بنیادیں قائم کرنے لگے۔ فرانسسکن راہبوں کے ذریعہ اس ابتدائی زمانے میں ایک مرکزی فہرست (Union Catalogue) بھی مرتب ہوئی۔

پر چودھویں صدی کے اواخر میں انگلستان کی ایک سو چھیاسی خانقاہوں سے ان کی جمع کی ہوئی کتابوں کے متعلق پوری معلومات فراہم کرنے کی درخواست کی گئی اور ان کی اطلاعات کی بنیاد پر جو کیٹلاگ تیار ہوا وہ اب بھی آکسفورڈ کی 'بوڈلین' لائبریری میں ہے۔

یونی ورسٹیوں کی ابتدا

بارھویں صدی عیسوی میں یورپ میں جو علمی درسگاہوں کی تحریک شروع ہوئی وہ کافی طاقتور اور تیز رفتار تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں جو یونیورسٹیاں بنی شروع ہوگئیں۔ سب سے پہلے قائم ہونے والی یونیورسٹیوں میں 'پیرس' 'پاڈووا' اور 'بولوگنا' ہیں جو فرانس، اسپین اور اطالیہ میں تھیں۔ پیرس میں پہلے کالیجیم کی بنیاد ایک پادری رابرٹ ڈی سار بوتا نے رکھی تھی جس کی رعایت سے اسے اب بھی سار بونا کہا جاتا ہے اور بولوگنا یونیورسٹی رومن قانون کے مطالعے کا مرکز ہوگئی۔

یونی ورسٹیوں کے قیام نے کتابوں کی تجارت کا بازار کھول دیا تھا۔ اس زمانے میں کتب فروشوں کو 'اسٹیشنرائی' کہتے تھے۔ انگلستان کے اسٹیشنرز (کتب فروش) اسی دور کی یادگار ہیں۔ ان کتب فروشوں اور ان کے کاتبوں کا تقرر نیز ان کے کام کی باقاعدہ نگرانی یونی ورسٹی کی طرف سے ہوتی تھی۔ معاہدہ کے مطابق انھیں مطلوبہ کتابوں کا اسٹاک رکھنا پڑتا تھا۔ کتابوں میں پوری صحت اور طالب علموں کو حسب ضرورت فراہم کرنا لازمی شرائط تھیں۔ کتابوں کی فروخت صرف مقررہ کمیشن پر ہو سکتی تھی۔ اس طرح یہ تجارت اگرچہ سخت اصول و قواعد اور کچھ حدود کی پابند تھی اس کے باوجود کتب فروش بڑی تعداد میں ہر دارالعلوم کے گرد خصوصاً پیرس میں جمع ہوگئے تھے۔ کیونکہ اس کاروبار میں پھر بھی اچھی خاصی آمدنی تھی۔ کتب فروشوں کے قوانین 1259ء میں بولوگنا میں اور 1275ء میں پیرس میں بن گئے تھے۔ کتب فروشوں کی طرح جلد ساز بھی کمیشن پر کام کرنے کے لیے یونیورسٹیوں سے منسلک تھے۔ ایک کتب فروش جس یونی ورسٹی سے وابستہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری یونیورسٹیوں کے ہاتھ بھی کتابیں فروخت کر سکتا تھا۔ چنانچہ علم ادویہ اور معالجے پر کتابیں ابتدا میں 'سالرنو' اور مانٹ پلیہ' سے آتی تھیں۔ علم درس و تدریس اور علوم متداولہ پر پیرس سے اور

قانون پر بلوگنا سے در آمد ہوتی تھیں۔

عہد وسطیٰ میں تہذیب و ادب کی قدریں صرف اعلا طبقے تک محدود تھیں کیونکہ چرمی کتابوں (ویلم) کی قیمت بہت زیادہ تھی اکثر ایک ایک وصلی پر کسی مضمون کا محض ایک ایک جز لکھ کر فروخت ہوتا تھا۔ کتابوں کو نقل کرنا ایک مرحلہ تھا جو کم اجرت پر اب ممکن نہ تھا۔ قدیم رومن عہد کے غلام کاتبوں کی وہ ارزانی محنت تو اب نصیب نہ تھی۔ اس لیے کتابوں کی قیمت دسویں صدی عیسوی میں آسمان کو چھو رہی تھی۔ سنا جاتا ہے کہ ایک نواب زادی نے دو سو بھیڑیں تین سو بیرل اناج اور کچھ قیمتی سمور ادا کر کے صرف ایک سرمن (مناجات) کی کتاب خریدی تھی چودھویں صدی میں آرلین کے ایک نواب نے دعا کی کتاب کی دو جلدیں دو سو سونے کے سکوں میں خریدی تھیں۔

چوتھا باب

کاغذ کی ابتدا

کاغذ کے ظہور نے کتابوں کے جلوب کی رسائی دور تک ممکن بنا دی حتیٰ کہ متوسط طبقے کے ہجوم پر بھی علم و ادب کی کرنیں بکھرنے لگیں۔ عربوں کے فیض سے بارھویں صدی عیسوی میں ہسپانیہ اور سرزمین یورپ کے عوام نے نہ صرف کاغذ کا نام سنا تھا بلکہ کاغذ کی شکل دیکھنا اور اس کا ہنر سیکھنے کی خوش نصیبی بھی حاصل کی تھی۔ مغربی محققوں کا خیال ہے کہ اسلامی عرب نے چین سے یہ نسخۂ کیمیا چین سے براہِ راست حاصل کیا تھا جب کہ ایران کے جدید انکشافات یہ ہیں کہ ایرانی مملکت خراسان میں ابتدائی عربی فتوحات کے زمانے میں کاغذ سازی کے کارخانے موجود تھے اگرچہ وہ اس وقت بند پڑے تھے۔ بہرحال یہ عربوں کے طلب علم اور تحقیقِ فن کی تاریخ کا ایک یادگاری باب ہے۔

کاغذ کی ایجاد کا سہرا دراصل چین کے سر ہے اس نے اس صنعت کی دریافت ایک اندازے کے مطابق 104ء میں کر لی تھی لیکن تقریباً سات سو برس تک دنیا کو اس ہنر سے بے خبر رکھا تھا۔ جب پیرس، مکفو نے اور جیرمی پارچے روم کے کتب خانوں میں پھیلے ہوئے تھے اس وقت چین میں ریشم پر کتابیں لکھنے کا زمانہ تھا جو 214 ق۔م لکڑی کی تختیوں پر لکھی کتابوں کے جلائے جانے کے بعد شروع ہوا تھا۔ ریشم کی پوری پیداوار چین کی علمی ادبی تصنیفات کو جامہ فراہم کرنے سے قاصر تھی۔ کوئی دوسری چیز دریافت کرنے کے لیے چین کا دماغ سرگرداں تھا۔ پہلے تو ریشم کے کٹے پھٹے بوسیدہ ٹکڑوں یا گودڑ کی باریک چندیوں کو کسی محلول میں جذب کر کے ریشم کی لیئی جیسی شے بنائی گئی جسے باریک چادر جیسی ایک ابتدائی کاغذ کی شکل ڈھالنے میں انھوں نے کسی قدر کامیابی

حاصل کرلی یہ پہلی صدی ق۔م کے آخری برسوں کی بات ہے لیکن ریشم کی قلت اور گرانی چینیوں کی اس صنعتی اُپج کو بھی گوارہ نہ کرسکی۔ اس تحقیقات وتلاش کا سلسلہ ۱۰۵ء تک جاری رہا۔ بالآخر وہ مادہ دریافت کرلیا گیا جو بہت کم قیمت اور بہ افراط مل سکتا تھا۔ ۱۰۵ء میں 'تسا ئی لُن' چینی محقق نے پھٹا پرانا سوتی کپڑا، لکڑی کی چھیلن، مچھلی پکڑنے کے پرانے بےکار جال اور ایسی ہی کچھ بےمصرف چیزوں کو گلا سڑا کر لُبدی تیار کی اس سے پہلا قدیم ترین کاغذ نمودار ہوا اگرچہ اتنا صاف چکنا اور نفیس کاغذ نہ تھا جیسا کہ آج ہے، لیکن وہ بہرحال کاغذ ضرور تھا۔

کاغذ پر لکھی ابتدائی کتابیں

اس ایجاد نے چین میں بہت جلد مقبولیت عام حاصل کرلی یقین کیا جاتا ہے کہ اگلی دو ایک صدیوں میں چین میں بہ کثرت اس پر کتابیں لکھی گئی ہوں گی جو محفوظ نہ رہ سکیں۔ وہ اپنی نو ایجاد صنعت کی قدر و قیمت شروع ہی سے جان گئے تھے کیونکہ عرصۂ دراز تک انھوں نے دنیا کی دوسری تہذیبوں سے اسے چرائے رکھا۔ ریگستان تبت کے ایک نخلستانی قصبہ 'لوپ نور' سے کھدائی میں کچھ تحریریں کاغذ پر بھی ملی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ چین میں دوسری صدی عیسوی میں کاغذ عموماً لکھائی میں مستعمل تھا۔ ترکستان میں تن، ہوانگ، مندر کی دیواروں میں مدفون کتابوں سے بھی اس کا ثبوت برآمد ہوا۔ یہ تحریریں برطانوی میوزیم میں، 'ببلوتھک نیشنل' (فرانس) میں اور رائل لائبریری کوپن ہیگن میں محفوظ ہیں۔

سات سو سال سے زائد زمانہ تک چین نے کاغذ کی دریافت کا راز سربستہ رکھا۔ لیکن عرب ترکستانی علاقے میں کچھ چینیوں سے یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آٹھویں صدی عیسوی میں پہلا کاغذ کا کارخانہ عرب اسلامی تہذیب کی سرگرمی میں سمرقند میں قائم ہوا۔ اس صنعت کو تیزی کے ساتھ اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ نہ صرف شہر شہر اسلامی مملکت میں جلد ہی کاغذ بنانے کے بڑے بڑے کارخانے جاری ہوئے بلکہ مدرسوں کے طالب علم اپنی ضرورت کا کاغذ خود چھوٹے پیمانے پر تیار کرنے لگے۔ اس پر اپنے نصابی کتابوں کی نقلیں تیار کرتے تھے جو اسلامی نظام تعلیم کا ایک اصول تھا۔ طالب علین

کا یہ کاغذ سازی کا شغل تمام اسلامی مملکتوں میں گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ آٹھویں صدی سے اٹھارھویں اور انیسویں صدی تک ہر جگہ جہاں مسلمان تھے جاری رہا۔ ترکستان کے بعد دمشق، قاہرہ، بغداد اور قرطبہ میں کاغذ کی صنعت نے ترقی کے اعلا مدارج طے کیے۔ یورپ کی سرزمین پر عربوں نے پہلا کارخانہ 1085ء عیسوی میں "جاٹیوا" (اسپین) میں قائم کیا۔ دوسرا کارخانہ عربوں کی مدد سے 1270ء میں 'فیبریانو' کے مقام پر اطالیہ میں قائم ہوا جو مسیحی یورپ میں پہلا کارخانہ تھا۔

یورپ میں کاغذ سازی کا ابتدائی طریقہ

ابتدا میں کاغذ کی صنعت دریافت ہونے کے بعد بھی یورپ نے اس کی طرف زیادہ دلچسپی نہیں لی کیونکہ کاغذ کی صنعت مسلمانوں اور یہودیوں سے قریبی رشتہ رکھتی تھی۔ ممکن ہے مسیحی پادری اس وجہ سے اجتناب کرتے ہوں دوسرے یہ کہ کاغذ نہ تو چرمی پارچوں کی طرح چکنا اور پائدار تھا اور نہ اس پر زیادہ خوبصورت لکھائی ممکن تھی۔ اس وقت تک اس کی سطح چرمی وصلیوں کی طرح صاف اور چمکدار نہ تھی۔ لیکن روزبروز کتابوں کے لیے چرمی تختیوں کی مانگ بڑھنے اور ان کی درآمد گھٹنے کی وجہ سے مجبور ہو کر روم و یونان کے پبلشروں اور کتب فروشوں کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا چنانچہ کاغذ بنانے کا کام جو اطالیہ میں تیرھویں صدی کے آخر میں شروع ہوا تھا وہ پندرھویں صدی میں روم اور مشرقی یورپ میں بہت سے ملکوں میں پھیل گیا۔ 1490ء میں انگلستان میں بھی یہ صنعت اچھی طرح مقبول ہو چکی تھی اور کاغذ تیار ہو رہا تھا۔

یورپ میں کاغذ بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ پھٹے پرانے کپڑوں کے ٹکڑے اکٹھا کر کے لائے جاتے تھے۔ پہلے انھیں دھو کر خوب صاف کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد پن چکیوں سے پانی کی تیز دھار ایک حوض میں جسے ویٹ (Vat) کہتے تھے گھلا کر ریزہ ریزہ کر دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ لبدی بن جاتا تھا۔ اس لبدی میں بہت سا پانی ملا کر ایک رقیق سیال بنایا جاتا تھا۔ اس کے بعد جس حوض میں یہ سیال بھرا ہوتا تھا اس میں ایک باریک جالی دار پیندے کی بڑی سی کشتی ڈال کر اس محلول کی ایک چادر ڈال لی جاتی تھی۔ پانی چھلنی سے چھن کر بہہ جاتا تھا اور کشتی کی تہہ میں لبدی کے باریک ریزوں کی

ایک پتلے ورق جیسی سطح جم جاتی تھی۔ پانی کی بوند میں دیر تک جالی سے رستی رہتی تھیں جب کافی رطوبت زائل ہو جاتی تھی اور تیار شدہ بڑا سا ورق اتنا مضبوط ہو جاتا تھا کہ اسے کشتی سے نکال کر سوکھنے کے لیے الگنی پر ڈال دیا جاتا تھا۔ پھر اسے پریس کرکے بالکل ہموار کیا جاتا تھا اور شکنیں پورے طور پر مٹادی جاتی تھیں۔ آخر میں اس کو کسی یا کسی جانور کی سریس کے محلول میں ڈبو کر نکال لیتے تھے اور شکنیں دور کر کے خشک کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح اس میں سیاہی جذب کرنے کی علت کم ہو جاتی تھی۔ اس طریقے سے لکھائی کے لیے کاغذ تیار ہونے لگا۔

کاغذ کا ملکوں ملکوں میں استعمال

یورپ کی سرزمین پر "ٹولیڈو" مقام پر اسپین میں پہلا کارخانہ قائم کیا گیا تھا۔ اسپین سے کاغذ کی صنعت اطالیہ، فرانس اور نیدرلینڈ پہنچی۔ 1336ء میں پہلا کاغذ کا مل جرمنی میں نورمبرگ کے ایک تاجر "الوان اسٹرومر" Ullwan Stromer نے مشہور اسٹرومر کاغذ مل قائم کیا۔ 1407ء میں ہالینڈ اور سوئٹزرلینڈ نے جرمنی سے یہ صنعت سیکھ کر اعلا کاغذ بنانے میں شہرت حاصل کر لی۔ انگلستان میں 1490ء میں ہرٹ فورٹ شائر کے مقام پر "جان ٹیٹ" نے پہلا کاغذ کا مل قائم کیا۔ اس مل کے کاغذ کا واٹر مارک ہشت پہل ستارہ تھا۔ 1498ء میں اس مل کے بنے ہوئے کاغذ پر چاسر کی لکھی ہوئی کتاب چھپی۔ 1588ء میں ایک جرمن باشندہ "اسپل مین" کو ملکہ الزبتھ نے کاغذ کا مل بنانے کا فرمان جاری رکھا اور کینٹ میں "ڈاٹ فورٹ" مقام پر ایک کارخانہ قائم ہوا۔ انگلستان میں کاغذ کی صنعت مستحکم طور پر 1685ء سے قائم ہوئی جب کہ فرانس کی مشہور سیاسی تحریک "ہیگونانٹ" کے شدید اثرات کے تحت کچھ سیاسی مہاجرین انگلستان میں آکر آباد ہوئے ان میں بعض اعلا پائے کے کاغذی صنعت کے کاریگر تھے۔ اسی سال جان فرانسسکو نے نہایت نفیس کاغذ کو پیٹنٹ کرایا۔ انگلستان میں اگرچہ اچھے قسم کا کاغذ بننے لگا تھا لیکن اٹھارھویں صدی عیسوی تک کاغذی صنعت محض ایک دست کاری کی حیثیت رکھتی تھی۔ 1798ء میں نکولاس لوئس رابرٹ نے پہلی بار کاغذ سازی کی ایک مشین ایجاد کی جو بارہ سے پندرہ میٹر تک کاغذ کے تختے نکال سکتی تھی۔ اس زمانے میں ڈیڈاٹ نے اپنے برادر نسبتی ایک انگریز "جان گیمبل" کو استحقاق دیا کہ وہ انگلستان

سے رابرٹ کا پیٹنٹ اپنے نام حاصل کرے۔ اگرچہ اس زمانے میں انگلستان اور فرانس میں مشہور تاریخی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ مگر ڈیڈاٹ انگلش چینل کسی نہ کسی طرح عبور کر کے انگلستان پہنچ ہی گیا اور لندن کے دو بڑے تاجران کتب ' ہنری' اور 'سیلی فورڈ رینز' سے تعلقات پیدا کر کے پیپر مشین کے سلسلے میں ان کی ہمدردی حاصل کر لی یہاں تک کہ گیمبل کا نام فہرست میں آ بھی گیا اور مشین کی تیاری کے لیے ایک قابل انجینئر " برایان ڈانکن Bryan Donkin کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں۔ پہلی انگلش مشین 1803ء میں کچھ دنوں تک چلتی رہی اور 1804ء میں اس نے دوسری انگلش مشین پیٹنٹ کرائی لیکن اس کاروبار میں گیمبل کو بہت گھاٹا ہوا اور وہ فورڈ نیر پر اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ 1809ء میں مسٹر جے۔ ڈلسن ' نے جو کہ موجودہ جان ڈکنس اینڈ کمپنی کے بانی ہیں، ایک سلنڈر کا غذ سازی کی مشین ایجاد کی اور 1821ء میں کچھ مزید ترقیاتی اضافے کیے، پھر تو یہ صنعت روز بروز اعلا مدارج طے کرتی ہی گئی۔ 1884ء میں ٹیناٹ نے بلیچنگ پاوڈر کو کاغذ سازی کی صنعت میں داخل کیا۔

پانچواں باب
مغرب میں چھپائی کا آغاز

چین میں چوبی تختیوں کے ذریعے چھپائی تو بہت برسوں پہلے یعنی دوسری تیسری صدی میں شروع ہو چکی تھی۔ گیارھویں صدی عیسوی میں ایک شخص پی۔شنگ Pi-Sheng حروف کے حرکت پذیر ٹائپ بھی مٹی کے سانچوں میں ڈھال کر تیار کر لیے۔ یہ کتاب کی تاریخ میں ایک عظیم الشان کارنامہ تھا جو اس وقت یورپ یا دنیا کا کوئی خطہ سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ پی۔شنگ نے چینی رسم الخط کی تمام علامتوں کو پہلے مٹی کے سانچوں میں اور پھر دھات کے ٹائپ حروف میں ڈھال لیا۔ جن کی مجموعی تعداد چار یا پانچ ہزار مختلف شکلوں پر مشتمل تھی۔ اُس نے ان حروف ٹائپ کو حسب ضرورت کتاب کے کسی صفحے کی چھپائی کے لیے ایک لکڑی کے تختے پر موجودہ کمپوزنگ کے انداز میں جمایا اور ان ٹائپ حروف پر روشنائی لگا کر کاغذ پر ان کو دبانے کا وہی اصول اختیار کیا جس پر دنیا کے ہر پریس کی بنیاد آج تک قائم ہے۔ اس طرح ایک ایک صفحے کی چھپائی کر کے اُس نے پوری کتاب چھاپ لی۔ پی۔شنگ کی چھاپی ہوئی کتاب کے طریقۂ عمل اور 1456ء میں یورپ کی ایک بائبل کی پرنٹنگ کے طریقہ میں اصولاً کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن دو ممالک کے درمیان ذہنی فاصلہ چار سو برس کا ہے۔ پی شنگ کے مرنے کے بعد ٹائپ سے چھپائی کا طریقہ ترک کر کے پھر تختیوں سے چھپائی یا بلاک پرنٹنگ ہی آسان نظر آئی کیونکہ ہزاروں علامتوں کو ڈھالنا اور کمپوز کرنا بڑا طویل صبر آزما اور زحمت کا کام تھا۔ 1390ء میں دوبارہ کوریا میں ٹائپ پرنٹنگ کو مقبول بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کچھ عرصے بعد پھر یہ بھاری پتھر چوم کر چھوڑنا پڑا اور چین جس زمانے میں اپنی اس ایجاد سے آخری طور پر دست کش ہوا۔ یورپ

اس وقت اس کا طلبگار تھا۔ کیونکہ کاغذ کی ایجاد کے بعد زیادہ سے زیادہ مواد و موضوعات اشاعت کے لیے بے چینی سے منتظر تھا۔ اب چھپائی کے سامان کی کمی نہ تھی لیکن کتابت کی سست رفتاری کتابوں کی زبردست مانگ پوری کرنے میں بڑی رکاوٹ تھی اور یورپ میں تہذیبی ارتقا کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔

چوبی ٹھپوں کے ذریعہ چھپی ابتدائی کتابیں

چنانچہ یورپ میں نویں صدی عیسوی میں لکڑی یا دھات کے ٹھپّے پر بنے ہوئے ڈیزائن سے کپڑوں پر چھپائی کا جو کام شروع ہو گیا تھا اسے کتابوں کی چھپائی میں بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی اس کا سلسلہ بھی چین ہی سے شروع ہوتا ہے۔ یورپ میں ٹھپوں کی چھپائی چین ہی کی طرز پر شروع ہوئی تھی مگر اس کا سراغ نہیں ملتا کہ یہ فن چین سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ایجاد یورپ میں کسی شخص کی تنہا کوشش سے ہوئی یا کسی خارجی ذریعہ سے اس کا خیال پیدا ہوا اس کا پتہ چلانے کے لیے تاریخی کڑیاں ڈھونڈھے نہیں ملتی ہیں۔ بہرحال کپڑے والے پر طرح طرح کے ڈیزائن کی چھپائی کچھ آگے چل کر کچھ مقدس مسیحی بزرگوں کی تصویر والے تاش کے پتوں یا ایک صفحہ کا کوئی مضمون چھاپنے میں بھی کام آنے لگی۔ تاہم 1430ء سے پہلے کسی کتاب کی طباعت کی معلومات نہیں حاصل ہو گئیں۔ اگر مختصر جزوی چھپائی پر اس زمانے کے تقریباً تین ہزار نمونے ٹھپوں سے چھاپے ہوئے آج مختلف میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ اور جرمنی میں 1430ء اور اس کے بعد کچھ کتابیں بھی ٹھپوں کے ذریعہ چھاپی گئیں۔ اس چھپائی کو زیلوگرافی کہتے ہیں۔ ٹھپّوں سے چھپائی کے لیے روشنائی السی کے تیل، وارنش اور چراغ کی سیاہی سے مرکب تیار ہوتی تھی۔ کاغذ کو گھوڑے کے بالوں سے بھرے ہوئے تکیے اور لکڑی کے تختے کے درمیان دباؤ ڈال کر یا پریس کر کے چھاپا جاتا تھا۔ اس طرح کی چھپی کتابوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مجموعی طور پر سو کے لگ بھگ ہوں گی۔ جن میں زیادہ تر لاطینی زبان میں ہیں۔ عبارت کے ساتھ جا بجا تصویریں، مرقعے وغیرہ دوسری قلمی کتابوں کی طرح ان کی نمایاں خصوصیت ہیں۔

حرکت پذیر چھوٹی ٹائپ کی یورپ میں ابتدا

اسی زمانے میں کہ جب یورپ میں کتابوں کی چھپائی کا کوئی بہتر طریقہ معلوم کرنے کی

کوششیں ہو رہی تھیں مشہور وینیشین سیاح مارکو پولو اور کچھ دوسرے لوگ مشرق بعید کی طویل سیر و سیاحت کے بعد دُور دراز سرزمین کے حیرت انگیز واقعات و احوال لے کر واپس ہوئے تھے۔ ان کے ذریعے یورپ کو چین کے اس عجیب و غریب حروف ٹائپ ڈھلائی کی ایجاد کا علم ہوا یا مشرق کے اثر سے آزاد رہ کر مغرب کو ٹائپ حروف کی اُپج سوجھی۔ یہ تاریخ کا ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ مصنف سوینڈ ھائل نے اوّل الذکر خیال کو مسترد کیا ہے۔ وہ جان گٹن برگ جو قصبہ مینز جرمنی کا ایک سنار تھا یورپ میں حرکت پذیر ٹائپ حروف کا ذہنی محرک قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ای۔ ایس۔ ہاروے اور جے ہمنیڈن نے اپنی کتاب پیپرس سے پشتِ قرطاس تک' میں مارکو پولو کی چین سے واپسی اور ٹائپ حروف کی ایجاد کے قریبی زمانے کا ذکر کر کے اس ایجاد کا چین سے ایک ذہنی رابطہ قائم کیا ہے۔ بہرحال 1430ء میں رومن حروف تہجی کو یکسانیت اور ہمواری کے ساتھ دھات کے ٹائپ حروف میں ڈھالنے کی کوششیں سرگرمی سے جاری تھیں۔

جان گٹن برگ سے پہلے ہالینڈ کے ایک شخص لارنس جان سون کوسٹر نے جو ہالریم کا رہنے والا تھا؟ چوبی حرکت پذیر ٹائپ حروف تیار کیے تھے، جن کی آکن (Akehen) کے ایک تہوار کے میلہ میں 1440ء میں نمائش کی تھی اور ان چوبی ٹائپ حروف سے چھپائی کر کے کچھ کام بھی پیش کیا تھا۔ اس کے علاوہ ''اُدگنان'' کے ایک بوہیمین سنار ''پروکوپ والڈفوگل'' کا نام بھی ٹائپ حروف ڈھالنے کے سلسلے میں 1444ء کے دوران آتا ہے۔ 1324ء سے 1448ء تک یورپ میں ٹائپ حروف وضع کرنے کی کوشش میں بہت سے دماغ تگ و دو کر رہے تھے۔ درحقیقت یورپ میں اس وقت علوم و فنون کے احیا کی ایک تحریک شروع ہو چکی تھی جس کا تذکرہ اگلے صفحات پر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ عام لوگوں کی توجہ پڑھنے لکھنے پر مائل تھی اور انھیں زیادہ سے زیادہ کتابوں کی ضرورت تھی لہٰذا صنعتی ذہن کی سب سے طاقت ور لہر ٹائپ حروف کی ایجاد پر مرکوز ہو گئی۔ مختلف مقامات پر ان کے وضع کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں اور کئی موجد کامیابی کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ سب سے زیادہ کامیاب کوشش ''جان گٹن برگ'' کی ثابت ہوئی

جان گٹن برگ کی ایجاد' (دھات کے حرکت پذیر ٹائپ حروف)

ٹائپ کی ایجاد سے پہلے کی جان گٹن برگ کی سوانح حیات تاریکی میں ہے۔ اُس

کے ذہن کی رسائی اُس ایجاد تک نامعلوم ذرائع سے ہوئی۔ اپنی ایجاد کو سامنے لانے میں اُسے سخت دشواریوں کا سامنا ہوا۔ مالی مشکلات بھی پیش آئیں اور حریفانہ چشمکیں بھی۔ حروف ڈھالنے کے لیے اسے روپے کی ضرورت تھی۔ اس نے ایک مہاجن "مسٹر فسٹ" سے قرض لیا جس کا اسے سخت خمیازہ بھگتنا پڑا۔ وہ منیس کا رہنے والا تھا جہاں کے سیاسی حالات سخت ناقابلِ اطمینان تھے۔ بڑی اُتھل پُتھل مچی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مینس چھوڑ کر اسٹراس برگ چلا آیا تھا۔ 1438ء میں اس ایجاد کو عملی شکل میں لانے کے لیے وہ سخت جدوجہد کر رہا تھا۔ 1448ء تک وہ بہت سے جھگڑوں میں پھنس گیا تھا۔ حروف ڈھال چکا تھا مگر پریس چلنا شروع نہیں ہوا تھا۔ اس سال اُسے اسٹراسبرگ چھوڑ کر پھر مینس واپس آنا پڑا۔ ٹائپ ڈھل گئے تھے مگر کوئی کتاب چھاپنے تک بڑی دشوار منزل تھی۔

حریفوں کے دعوے

اس ایجاد کو اپنے نام رجسٹرڈ کرانے اور واقعی موجد قرار پانے کا ایک سخت مرحلہ تھا۔ کچھ لوگوں کا اوپر ذکر آ چکا ہے کہ وہ اس ایجاد پر اپنی حقیقت کا دعوا کر رہے تھے۔ 1450ء میں اس بنا پر ایک مقدمہ جان گٹن برگ پر چل گیا۔ غرض کر بمشکل تمام وہ اس کی حقیقت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ 1456ء میں اُس نے ایک بڑی لاطینی بائبل کا ایڈیشن نکالا اور 1469ء تک اس نے کئی کتابیں شائع کیں۔ اسی سال اس کا انتقال ہوا۔

گٹن برگ کو اپنے پریس کے نصف حصے سے 'فسٹ' کے قرضے کی علت میں ہاتھ دھونا پڑا۔ فسٹ نے گٹن برگ کے آدھے کاروبار پر قبضہ کر کے ایک اعلا اور ممتاز آرٹسٹ 'شفر اسکوفر' کی شرکت میں علاحدہ پریس چلا کر اس سے حریفانہ مقابلہ کیا۔ اس میں سرمایہ فسٹ کا اور فنّی و کاروباری قابلیت اسکوفر کی تھی۔ اس نے بھی بڑی ہمت پیدا کر لی تھی۔ یہ دونوں پریس یکے بعد دیگرے یورپ میں ٹائپ حروف سے کئی ابتدائی کتابیں چھاپنے والے سات تار۔ کی مطابع تھے۔

پریس کی مقبولیت

کئی مطبوعہ کتابوں نے یورپ کے اس پہلے پریس "طبع جان گٹن برگ" سے خود کو

منسوب کرکے اپنی قدروقیمت بڑھائی۔ ٹائپ کی قدامت اور دیگر تاریخی نشان دہی کی بناپر ان میں سے کچھ کے بارے میں تیقن سے کہا جاسکتا ہے کہ گٹن برگ ہی کے مطبع کی چھپی ہوئی ہیں جن میں ایک سیاروں کا نقشہ، جیوتش یا جنتری بھی ہے۔ بہت سے مطبوعات اس سے منسوب مینز کی میوزیم میں وہ ہیں جو اب تک زیرِ بحث ہیں۔

چنانچہ 1460ء میں جنوبی جرمنی کے کئی قصبوں میں پرنٹنگ آرٹ کے بہت سے کام کرنے والے نظر آنے لگے تھے۔ اس کا ایک تاریخی سبب اسی زمانے میں مینز پر حملہ اور یوروپین طاقتوں کی ملک گیری کی جنگ تھی۔ جس سے پریشان ہوکر اس فن کے ہنرمند مینز سے جو پرنٹنگ آرٹ کا گہوارہ تھا جلاوطن ہوئے اور یورپ میں پھیل گئے۔ لہٰذا ان جنگوں نے چھاپے خانوں کو غیر شعوری طور پر بڑی وسعت دی۔ 'اسٹراس برگ' نے پرنٹنگ کی ایک خاص مرکزی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ لیکن اب کولون، آگسبرگ اور 'نورمبرگ' میں بھی جلد ہی چھپائی کے کارخانے کھل گئے۔ چنانچہ اینٹنے کوبرجر نے نورمبرگ میں ایک چھاپہ خانہ کھول کر 1470ء کے قریب بڑے پیمانے پر طباعت کے فن کو ترقی دی۔ اس چھاپے خانے میں سو آدمی چوبیس پریس مشین کام کررہی تھیں۔ پرنٹنگ کے جدید طریقے کی دریافت کے ایک ہی نسل بعد جرمنی کے تقریباً بیس قصبوں میں چھاپے خانے کھل گئے تھے۔ جن کی اکثریت مغربی جرمنی میں تھی۔ مینز نہ صرف اس وجہ سے آرٹ کا گہوارہ تھا بلکہ اس زمانے میں ایک بڑا تجارتی مقام تھا۔ اس لیے وہاں کے بڑے بڑے تاجروں نے چھاپے خانے کے فروغ میں بے جھجک اپنا سرمایہ لگایا۔ ضرورت کے اعتبار سے چھپائی کا کاروبار منافع بخش نظر آنے لگا تھا۔ چھاپے خانوں کی وہی قدیم شکل جو گٹن برگ نے ایک مرتبہ تجویز کی تھی اس زمانے تک قائم رہی کہ جب تک مشینی سسٹم نے اپنی طاقت ظاہر کرکے اُن کی صورت نہ بدل دی۔

کاروباری اعتبار سے یہ چھپائی کے کارخانوں سے زیادہ ایک دکان کا تصور پیش کرتے تھے، جن کی ایک ہی شکل ہر جگہ نظر آتی تھی۔ ہوگنی کا بنا ہوا ایک بڑا سا ڈھانچہ فرش اور چھت سے جڑا ہوا تھا۔ ایک صدی سے زیادہ زمانے کے بعد یہ یورپ سے ہندوستان بھی اسی شکل میں وارد ہوا تھا۔ ان ڈھانچوں میں کاغذ کے تختے پر ٹائپ حروف کی جمی ہوئی پلیٹ سے سخت دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ اس دباؤ کے لیے کڑی جسمانی محنت درکار تھی جس تختے پر حروف جمائے جاتے تھے اس کے مقابلے میں پلیٹ کافی مختصر سائز کی ہوتی

تھی جس کی وجہ سے کاغذ کا پورا تختہ نہیں چھپ سکتا تھا بلکہ اس کی موڑ کو دو یا دو سے زیادہ حصّوں میں چھاپنا پڑتا تھا۔ بعد میں ان کا سلسلہ ملایا جاتا تھا۔ حروف اسی طرح ہاتھ سے جمائے جاتے تھے جیسے کہ اب بھی قدیم طرز کے چھاپے خانوں میں کمپوزنگ ہوتی ہے۔ روشنائی بکھیرنے کے پچارے چمڑے کے ہوتے تھے۔ جن میں چوبی دستے لگے ہوتے تھے۔ ان کو انک بال کہتے تھے۔ اور یہ بلاک چھپائی کی طرح استعمال ہوتے تھے ان کو استعمال کرنے میں کافی ہنرمندی اور فنی مہارت کی ضرورت تھی۔ ذرا سی روشنائی کم یا زیادہ ہو جانے سے چھپائی غارت ہو جاتی تھی۔

ٹائپ حروف کی کٹائی اور ڈھلائی خاص طور پر سب سے اہم اور مشکل کام تھا۔ یہ نیا نیا ایک ہنر وجود میں آیا تھا۔ اسے سیکھنے میں وقت اور ذہنی چابکدستی کی ضرورت تھی۔ شروع میں سانچے تانبے یا پیتل کے بنائے گئے جو مسلسل استعمال سے جلد ہی گھس کر مقررہ سائز سے کم و بیش ہو گئے۔ گٹن برگ نے جب یہ دیکھا کہ یہ سانچے تو جلد ہی جواب دے دیتے ہیں اور حروف کی یکسانیت جاتی رہتی ہے۔ لائنیں ٹیڑھی میڑھی اور حروف اپنے مقام پر اکھڑے اکھڑے لگتے ہیں تو اس نے 'سیسہ' سنگی سرمہ اور بھول دھات سے مرکب مادّے کے سانچے بنانے شروع کر دیے۔ یہ مادّے تیزی سے گلا کر حروف ڈھالنے میں بھی ممد ثابت ہوئے۔ سانچے بھی پائیدار اور مضبوط ہونے لگے۔ چنانچہ ٹائپ حروف کے لیے آج تک یہی مرکب استعمال ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں گٹن برگ کی تعریف کرنا چاہیے کہ اس کے ذہن نے شروع ہی میں ایسی کامیاب چیز دریافت کر لی تھی جو کہ اس کے ہمعصروں اور حریفوں کو نہ سوجھ پائی۔ ان کے چھاپے خانوں کی چھپائی اسی لیے ناقص ہوتی تھی۔ ان کے یہاں حروف ناہموار، سطریں غیر متوازن اور ان کا درمیانی فاصلہ جا بجا کم و بیش ہوتا تھا۔ اس کے برعکس گٹن برگ کے پریس کی طباعت دیدہ زیب تھی۔ اس میں شک نہیں کہ قدرت نے اسے اس فن کی خاص صلاحیت بخشی تھی۔ اسی لئے ابتدا ہی میں فنِ طباعت کی پیچیدگیوں پر جو آج بھی اس پیشہ کو اختیار کرنے والوں کے سامنے مشکلات پیدا کرتی ہیں۔ حیرت انگیز طور پر جلد عبور حاصل کر لیا تھا اور کاریگرانہ مہارت پیدا کر لی تھی۔ پرنٹنگ کے فن میں گٹن برگ کا نام زندہ جاوید رہے گا۔ اس نے حروف کی ساخت میں قابلِ تعریف جدّتیں کیں۔ حروف کا درمیانی فاصلہ مناسب

حد میں رکھنے کے لیے دامن کی شکلوں میں حسبِ ضرورت ترمیم کی اور جملوں میں بہ کثرت استعمال ہونے والے طویل الفاظ کے مخفف Abbreviations سلیقہ مندی سے رواج دیے۔ کتابوں پر اس کا احسان ناقابلِ فراموش ہے۔ پڑھنے والے ہمیشہ اس کے احسان مند رہیں گے۔

چھاپنے والوں کو ابتدائی مطبوعات میں اپنا نقطۂ نظر جمالیاتی اور پر تکلف اہتمام کے پابند رکھنا ضروری تھا کیونکہ کتابوں کے قارئین کی نگاہ خوشنویسوں کے دلکش فنی روایات سے جڑی ہوئی تھی اور نئی مطبوعہ کتابوں سے بھی اس کا تقاضہ تھا۔ اس لیے ٹائپ حروف کی ساخت میں اس کا کافی لحاظ ضروری تھا۔ کاتب اور خطاط کی تحریریں حروف کی ڈھلائی میں پیشِ نظر رہتی تھیں۔ ہر صفحہ کی تزئین و آرائش کے لیے کاتبوں کے طرز کی تقلید چھپائی کے صفحات میں بھی کی جاتی تھی جو بسا اوقات چھپائی میں ناممکن تھی چنانچہ حروفِ آغاز کے نقش و نگار کاتب ہاتھ سے بناتے تھے۔ تقریبًا ابتدائی مطبوعہ کتابوں میں عہدِ وسطیٰ کی بیاضیں اور وصیاں ہو بہو منتقل ہو گئی تھیں۔ 1456ء میں گٹن برگ کی ٹائپ حروف میں چھپی ہوئی بائبل پر اسی لیے بہت زیادہ خطاطی اور کتابت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ اسے بہت غور سے نہ دیکھا جائے۔ اس کے ہر ایک صفحہ کو دو کالموں میں تقسیم کرکے چھپائی کا ٹھیک طرزِ تحریر کی پورے طور پر پیروی کرتی ہے۔ بزنشر دستی پینٹنگ کی آرائش کے لیے سرورق، حروفِ آغاز اور جا بجا گوشے اور واں حاشیے سادے چھوڑ دیے گئے۔ کتابوں میں پیشانی سرخ روشنائی سے چھاپی جاتی تھی اور پیشانیوں کو اب بھی سرخیاں Ruberies کہا جاتا رہا۔

اس بائبل کو بیالیس سطری بائبل کا نام اس لیے دیا گیا کہ ہر صفحہ کے بیشتر کالم اتنی ہی سطروں پر مشتمل ہیں۔ مازارین بائبل کے نام سے بھی موسوم ہے۔ کیونکہ اس کی پہلی کاپی ایک فرانسیسی شخص کارڈینل مازارین کے کتب خانے سے دستیاب ہوئی تھی۔ اس کی ضخامت بارہ سو صفحات سے کچھ زیادہ ہے۔ تمام طباعت کا ٹھیک طرزِ تحریر میں، ہر صفحہ شاندار گا ٹھیک حروف آرائی کا مرقع، بھاری بھر کم زاویوں میں سیاہ خط کی کشید نظر آتی ہے۔ بڑے پادریوں کے مختلف متنوں کو خلاصہ (Text) خطبہ (Missaol) قانون Canon جو خطاط اور کاتب لکھتے تھے وہی پر نشر بھی لکھتے رہے۔ اس بائبل کی چھیالیس کاپیاں

دیکھنے میں آئیں، جن میں بارہ چرمی پارچوں پر چھپی ہیں۔ اندازہ ہے کہ پورا ایڈیشن ایک سو بیس کاپیوں کا ہوگا۔ جان گٹن برگ کی اس کتاب کو وجود میں لانے کی محنت رائگاں نہیں گئی۔ اگر اتفاقاً کوئی قدیم یادگاروں کا بیوپاری اس کا ایک نسخہ بازار میں لے آتا ہے تو اس کے اونچے مول وہم و گمان سے بالاتر ہوتے ہیں۔ 1897ء میں ایک نسخہ کی نیلامی بولی لندن میں آج کے بارہ ہزار ڈالر کے برابر پہنچی تھی۔ 1926ء میں ایک آسٹریلین خانقاہ سے اس کی ایک کاپی ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر میں خرید کر ایک امریکن نے یال یونیورسٹی کو تحفتاً پیش کی اور چند سال بعد ایک امریکن نے برطانیہ کی کسی پرائیوٹ لائبریری سے ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر میں ایک نسخہ حاصل کیا۔ اگرچہ خود گٹن برگ بے چارے نے کبھی خواب میں بھی اس کا ایک ہزارواں حصہ نہ دیکھا۔ لیکن 'تاریخ' نے اس کے نام کی بڑی قدر و قیمت پیدا کر دی۔

دوسرا مشہور ایڈیشن 60–1459ء کا بھی ایک بائبل کا ہے۔ جس کے ہر کالم میں چھتیس سطریں ہیں۔ یہ 'ارچل بارلن بائبل' کے نام سے معروف ہے اور شاید یہ بھی جان گٹن برگ کا طبع کیا ہوا ہے۔ کیونکہ ٹائپ حروف بالکل ویسے ہی ہیں۔ ایک زبور کا پارہ (Psetter) ہے جو نغمۂ داؤد (Psalm of David) سے موسوم ہے اس کو فسٹ اور اسکوفر نے جن کا ذکر اس باب میں آچکا ہے۔ 1457ء میں شائع کیا۔ یہ ابتدائی طباعت بھی کافی بہتر پر نظر آتی ہے۔ اس کی پہلی خصوصیت جو آج مطبوعہ کتابوں میں عمومی اور لازمی ہو چکی ہیں یعنی پرنٹر کا نام اور تاریخ طباعت، اختتامی سطروں (Colophon) میں اپنے ایک مخصوص انداز میں اس طرح درج ہے۔ یہ رسالہ اعلا طریق طباعت سے جس کے حروف کی بناوٹ میں کہیں ہاتھ کی کتابت کو دخل نہیں ہے۔ شان خدا اور جان فسٹ باشندۂ مینز و پیٹر اسکوفر ساکن جرشیم کی ریاضت سے 1457ء میں یوم عروج مسیح کے مبارک موقع پر یعنی چودہ اگست کو پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اس کتاب سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کام کو گٹن برگ نے شروع کیا تھا اس کی تکمیل فسٹ اینڈ اسکوفر کی کارگاہِ طباعت میں ہوئی اور اختتامیہ میں یہ واضح کر کے کہ سارا کام چھپائی کے ذریعہ انجام پایا، اس کی قدر افزائی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس نفاست کی چھپائی اس وقت غیر متوقع تھی حتیٰ کہ غیر معمولی طور پر خوبصورت نیلے اور سرخ رنگ کے حروف

آغاز بھی بڑی صفائی سے طباعت کی ہنر مندی پر محمول ہیں۔ مزید کمال یہ ہے کہ بجائے چوبی ٹھپّے اس وقت بھی دھات کی پلیٹ کا استعمال ظاہر ہوتا ہے۔ یہ زبور کا نسخہ پہلی بار ایک پرنٹنگ مارک (چھاپے خانے کا نشان) وجود میں لایا۔ دو شیلڈ ایک شاخ سے لٹکی ہوئی اس کے بعد بھی پرنٹر اپنا ایک نشان طباعت، کوئی طغرہ، Monogram یا علامتی مرقع کسی مقولے کے ساتھ Emblem خوبصورتی سے سجا کر چھاپنے لگے اور اب بھی اس کا عمومی رواج ہے۔ مینز کی اس زبور کی صرف دس جلدیں دریافت ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب چرمی پارچوں پر ہیں۔ یہ بعد میں متنوع شکلوں میں بار بار چھپتی رہی۔ اس کوفر کا دوسرا کارنامہ زیر غور کیتھولک آف جوصنا یا رلبس، 1460ء کی مطبوعہ ہے۔ یہ ایک قسم کی انسائیکلو پیڈیائی لغت ہے جو خاص قسم کے باریک ٹائپ میں مطبع فسٹ اینڈ اسکوفر سے منسوب ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن تو یقیناً اسکوفر کے مطبع کا ہے۔ پہلے کے بارے میں شک کیا جاتا ہے۔ قلمی کتابوں کی پوری تقلید و نقالی کا تقاضہ تھا کہ سرورق پر عنوان نہ دیا جائے بلکہ صرف لفظاً آغاز سے کتاب کا متن شروع کر دیا جائے۔ لہٰذا سوا 1454ء میں مطبوعہ ایک کتاب کے جس کا عنوان ہے Ein Ma.Rungder Christen Hert Wi.-nder Die Turkistan 1470ء تک سب کتابیں بلا عنوان (ٹائٹل) کا اعلان کیے ہوئے چھپتی رہیں۔ مذکورہ بالا کتاب صلیبی جنگوں کے دوران ترکوں کے خلاف پروپیگنڈے کی غرض سے لکھی گئی تھی غالباً اسی لیے اس کا عنوان نمایاں طور پر آغاز میں دیا گیا ہے تاکہ کتاب مذہبی ہیجان میں اضافہ کرے۔ عام طور پر چھپی کتابیں بھی (یہاں سے آغاز ہوتا ہے) (Here Endpit.) سے شروع کی جاتی تھیں۔

اطالیہ میں چھپائی کی ترقی

مینز میں جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر آچکا ہے فوج کشی اور سیاسی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جب چھاپے خانوں کا کاروبار وہاں سے رواں دواں ہوا تو اطالیہ ایک قدیم رومی مرکز ہونے کی وجہ سے جرمن مطابع کے لیے ایک پرکشش مقام تھا اس لیے پرنٹنگ آرٹ کے ماہر اور سربرآوردہ کاروباری اسکوفر کے دو ہونہار شاگرد کونارڈ سوئنہم، اور آرنولڈ پناز نے 1465ء میں روم کے قریب سبائیکو کی خانقاہ میں اپنے چھاپے خانے کا

کام شروع کیا۔ انھوں نے گاتھک ٹائپ کے جو سیاہ حروف Blackletters اوّلاً وہاں استعمال کیے، رومن ٹائپ کے وہ اوّلین نمونے ہیں اس نمونے پر بعد میں جان بابت سپی نے ایشنڈین پریس کے لیے ٹائپ حروف کا طرز اختیار کیا۔ سوئنہیم اور پنارٹز وہاں دو سال سے زیادہ نہ رہ پائے۔ روم نے ان کو جلد ہی کھینچ بلایا۔ جہاں انھوں نے تقریباً پچاس کتابیں چھاپیں۔ انھوں نے یہاں ایک نیا رومن ٹائپ استعمال کیا جو گاتھک سیاہ حروف سے مختلف سابق کارولینجین دستی تحریر کے چھوٹے حروف کی طرز پر تھا جن کا کاٹنا اور ڈھالنا سہل تھا بلکہ پڑھنا بھی آسان تھا۔

اگلے دس سال میں کچھ اور جرمن پرنٹر سوئنہیم کے بعد اطالیہ میں آکر آباد ہو گئے اُن میں اُلبرچ ہنسیس بھی تھا جس نے 1467ء میں لکڑی کے حروف کی پہلی کتاب چھاپی۔ روم کے علاوہ وینس بھی چھاپے خانوں کے کاروبار میں سب سے زیادہ سازگار جگہ تھی۔ 1469ء میں وہاں مالکان مطابع کی کالونی بن گئی تھی۔ اُن میں سے بعض نے اپنے شاندار کارناموں سے تاریخ میں جلی حروف میں اپنا نام تحریر کیا۔ ان میں اسپیرو کے 'جوہان' اور 'وینڈلین' برادران ہیں۔ جنھوں نے 'اسٹرواچ' کے 'سانیٹ' پہلی بار اطالوی زبان میں شائع کیے۔ یہ مقامی زبان میں تصنیف 'نئے مواد کی چھپائی' کا آغاز تھا۔ اسی زمانہ میں شاہ 'چارلس ہفتم' نے ایک فرانسیسی نقاش نکولاس جنسن' کو چھپائی کا نیا آرٹ سیکھنے کے لیے مینز بھیجا تھا، وہ وہاں سے اٹلی پہنچا۔ شروع میں تو اس نے سوئنہیم اور 'پنارٹز' کے لیے انھیں کے طرز میں رومن حروف تراشے مگر بعد میں اس نے اپنے طرز خاص کے حروف تراشنے کے ہنر میں خود کو ابتدائی سربرآوردہ ممتاز فن کاروں میں ثابت کیا۔

'وینس' شہر میں جہاں 'جنسن' اپنا ذاتی مطبع چلا رہا تھا ایک اور ماہر طباعت 'آگسبرگ' کا جرمن آرٹسٹ 'اَرہارڈ ریٹ ڈولٹ' نے بھی 1470ء میں اپنی طباعت کی دُکان کھولی۔ اس کی حروف تراشی کا فن بلاشبہ حروف سازی کے ہنر کی جدید تحریک کا ایک شاندار آغاز ہے۔ اس نے وینیشین حروف طرازی 1470ء سے ایک انداز خاص میں شروع کر دی تھی اور پندرھویں صدی کی اگلی دہائیوں میں حروف کے آرٹ کی یہ تحریک روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ وینس میں اس تحریک سے وابستہ

'جنسن' اور 'جوہان وینڈلین' برادران کی فنی کوششیں بھی بڑا کامیاب رول ادا کر رہی تھیں لیکن ریڈ ڈولٹ' یقیناً ایک لیڈر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی حروف سازی کا فن دوسروں کی نقالی پر مبنی نہ تھا بلکہ سیاہ سفید لباس میں حروف کی ایک نئی تخلیق تھی جس کی دل کشی نے سابق رنگ برنگے حروف کی نمائش کو پھیکا کر دیا۔ 1486ء میں اُس کے اطالیہ چھوڑنے کے بعد بھی اس کا اثر وہاں کے فنِ حروف سازی پر چھایا رہا۔ ان برسوں میں زیادہ تر ایسی کتابیں شائع ہوئیں جن کے سرورق ریٹ ڈولٹ کے مخصوص طرزِ فن کی عکاسی کرتے تھے۔ اس طرح اطالیہ کی سرزمین پر ان جرمن فنکاروں نے اگلی کئی صدیوں میں کتاب و حروف سے متعلق جدید تخلیقی فن کو ایک ایسا نظریہ اور رجحان دیا جو مسلسل تحریک کی صورت میں جاری رہا۔

ابتدائی مصوّر مطبوعات

ابتدائی ریٹ ڈولٹ کتابوں میں حروف کی تزئین و آرائش ہی کا میدان نمایاں ہے۔ لیکن اطالوی ماہرین طباعت مصوّر کتابوں کی طرف بھی تیزی سے بڑھے۔ ریٹ ڈولٹ' نے کچھ مصوّر کتابیں بھی شائع کیں اور اُس کو کتاب چھاپنے والوں میں اس حیثیت سے بھی پہلے مقام پر تسلیم کیا گیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس وقت سیاہ و سفید کے علاوہ سب رنگ نگاہ میں اپنی وقعت کھو چکے تھے اس لیے اس قسم کی کسی کوشش میں کامیابی یقیناً مشکوک تھی۔ اس کے باوجود اس نے اپنے مصوّر کتابوں میں مشہور و معروف 'کولوڈی میلرمیز بائبل' مطبوعہ 1490ء میں جس کا وہ مترجم بھی ہے اس نے لکڑی پر بے شمار باریک خطوط کی تاثر آفرینی سے کولون مصوّر بائبل کے فنِ مصوّری کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ یہ فنی کارنامے منجملہ ریٹ ڈولٹ کی تمام کتابوں، ڈانٹے اور بوکاشیو کے مصوّر ایڈیشن کے اطالوی کتاب سازی کے اس عظیم فنی عہد کی نمائندگی کرتے ہیں جو آگے چل کر 'ایلڈائن' عہد سے موسوم ہے۔

چھپائی کا فن انگلستان میں

انگلستان میں پہلا انگریز کا چھاپہ خانہ ولیم کاکسٹن کا ہے۔ ابتدا میں وہ ایک

سوداگر تھا، لیکن اسے ادبی کتابوں سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور وہ ایک مترجم بھی تھا۔ ان خصوصیات نے اسے پیشۂ طباعت میں قسمت آزمائی کا شوق دلایا۔ لہٰذا کولون اور بروگز میں گولارڈ مینش کے چھاپے خانے میں باقاعدہ اس کام کو سیکھ کر وہ 1476ء میں انگلستان واپس آیا اور ویسٹ منسٹر میں انگلستان کا پہلا مطبع قائم کیا۔ اس نے اس چھاپے خانے میں 1491ء اپنے انتقال سے پہلے چھیانوے سے سو تک چھاپ لی تھیں جن میں بیشتر اس کے اپنے ترجمے ہیں اور کچھ قومی ادبیات پر محمول ہیں جیسے چاسر کی کینٹربری کی ہدایتیں وغیرہ۔

انگلستان میں پندرھویں صدی کے اواخر میں جن لوگوں نے طباعت کا کام جاری رکھا۔ ان میں جان لٹن، ولیم دی شینیا اور رچرڈ پنسن خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ پنسن Pynson غیر معمولی صلاحیتوں کا آدمی تھا۔ عام پبلشروں کے مقابلے میں اس کا ایک اپنا مخصوص انداز تھا جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ مزید برآں اس نے انگلینڈ میں رومن ٹائپ کو رائج کیا۔

یورپ کے دوسرے ملکوں میں چھاپے خانے کی ابتدا

فرانس میں دو پروفیسروں جوہان ہینلین اور گیر لام نجٹ نے 1468ء میں تین جرمن ماہرین طباعت ایلریچ گیرنگ، میکائیل فرار حیار اور مارٹین کرانٹز کو سار بونے میں مطبع کھولنے کے لیے دعوت دی۔ ان سے لاطینی مضامین کی کچھ یونیورسٹی کی کتابیں چھپوائیں جو بیس سے زائد تھیں۔ یہ فرانس کی سرزمین پر پہلا مطبع تھا اور 1470ء میں قائم ہوا تھا۔ ان کی پہلی کتاب "گاسپارنیو بارزی زی" نہایت صاف رومن حروف میں ہے۔ یہ پلشین کی علم الحروف پر تصنیف ہے۔ اس کے بعد وہاں چھاپے خانوں کے کاروبار نے اتنی تیزی سے وسعت اختیار کی کہ پندرھویں صدی کے اختتام تک ستر پریس تھے۔ فرانس کی ابتدائی کتابیں زیادہ تر رومن سیاہ حروف میں چھپی ہیں لیکن فرانسیسی طرزِ تحریر کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ مثلاً جین ڈیوز نے پہلی کتاب 1481ء میں ایک خطبہ [illegible] فرانسیسی طرزِ تحریر میں چھاپی۔ عام طور پر اس زمانے کی فرانسیسی مطبوعات قلمی معلوم ہوتی تھیں۔ اکثر چرمی پارچوں پر روایاتی مجلّہ، حاشیے، مختلف رنگوں کی پینٹنگ اور طلائی ورق کا استعمال ہوتا تھا۔ غرض ہر طرح ان کی دستی کتب بنانے کی کوشش کی

جاتی تھی۔ پندرھویں صدی کے آخری حصّے میں سینکڑوں دعاؤں کی کتابیں اسی شان کی چھپ کر خوب مقبول ہوئیں۔ 1473ء میں گیلام لے رائے نے لیون میں چھاپہ خانہ قائم کیا۔ پیرس' اور 'لیون' چند برسوں میں صفِ اوّل کے مطابع کے مرکزی مقامات تھے اور 1478ء میں لیون میں فرانس کی پہلی مصوّر کتاب شائع ہوئی۔ لیون میں' جوہانس کریشل' ایک پبلشر نے کتابوں کی تالیف و تدوین کے لیے ایک عالم و فاضل جوڈوسیس بنیڈیس ایسینس' کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جنھوں نے 1530ء میں خود اپنا مطبع پیرس میں قائم کرکے تقریباً سات سو کتابیں شائع کیں۔

اس زمانے میں اسپین اور شمالی جرمنی میں بھی چھپائی کا پیشہ فروغ پر تھا۔ شمالی جرمنی کے شہر 'لیوبک' نے اس فن میں اعلا صلاحیت کے پیشہ در پیدا کیے۔ وہاں کتابوں کا پہلا پرنٹر لیوکس برنڈیز' ہوا ہے۔ اس خاندان کے متعدد افراد لیوبک میں مختلف اوقات میں بحیثیت پرنٹر اچھے کاروباری ہوئے۔ انھوں نے گاتھک مدوّر اشکال کے ٹائپ کو نئی طرز میں پیش کیا جو پورے شمالی جرمنی میں رائج ہوگیا۔ 1483ء میں برنڈیز نے لاٹ پادری کا ایک قصیدہ ڈنمارک میں چھاپا۔ اسی زمانے میں کوپن ہیگن میں لیڈی کتھیڈرل نے ایک خطبہ اسکوفرے منیز میں چھپوایا تھا۔ لیوبک کا دوسرا پرنٹر جوہان اسنل ڈنمارک اور سویڈن میں اوّلین مطابع کا بانی ہے۔ جسے 1482ء میں' بشپ کارل رونو' نے لاٹ پادری کے لیے ایک عبادت کی کتاب چھاپنے کی غرض سے اوڈینس میں بلایا تھا اسنل نے ہینس خانقاہ میں رہ کر دو کتاب اور ایک تصنیف' رھوڈس پر ترکوں کا محاصرہ' شائع کیا۔ 1483ء اور 1484ء میں اسنل نے سویڈن میں رہ کر دو تین کتابیں چھاپیں۔ دو سال بعد لیوبک کا ایک اور پرنٹر بارتھولا ماس گھوٹ ان بھی اسنل کی طرح سویڈن میں گھوم پھر کر کتابیں طبع کر رہا تھا۔ اس کے شاگرد اور جانشین نے 1495ء میں سویڈن زبان کی پہلی کتاب چھاپی۔ ڈنمارک سے اس نے جانے کے بعد 1486ء میں' اسٹیفن ارنڈیز' سیلسوگ ڈنمارک' آیا۔ اس نے پرنٹنگ کا فن منیز میں سیکھا تھا اطالیہ میں بھی کام کر چکا تھا' اسے طباعت کے فن میں اچھی قابلیت حاصل تھی۔ ڈنمارک میں آنس نے رہ کر کئی اچھے پیمانے کی کتابیں چھاپیں۔ اس کا خاص کارنامہ لوجرمین (Lo-Germiere) بائبل ہے جو 1544ء میں شائع ہوئی یہ چوبی ٹھپوں کا حیرت انگیز

کام ہے۔ کوپن ہیگن میں کتابوں کی طباعت کا ہنر ایک ڈچ پرنٹر 'گاڈ فریڈ وان اوس' 1489ء میں لایا اور وہاں تادمِ آخر 1510ء تک چھپائی کا کام انجام دیا۔ اس نے سب سے پہلے ایک قاعدہ 'ڈونیٹ' طبع کی۔ 1495ء میں اس نے ڈینش زبان میں (Den-Danske Rim Karonika-) چھاپی جو ڈینش زبان کی سب سے قدیم کتاب ہے۔

یورپ میں چھاپے خانے جس تیز رفتاری سے قائم ہوتے گئے اس کا اندازہ حسب ذیل تاریخی ریکارڈ سے لگایا جاسکتا ہے۔ حرکت پذیر حروف ٹائپ کی تیاری مینز میں 1448ء کے آس پاس 'جان گٹن برگ' کے ذریعہ ہوئی۔ 1460ء میں 'آگسبرگ'، 'اسٹراسبرگ'، 'کولون' اور جنوبی جرمنی کے کئی قصبوں میں مطابع کھل گئے۔ 1470ء میں مغربی جرمنی کے بیس قصبوں میں یہ کام شروع ہوگیا۔ اسی سال نورمبرگ میں چھاپے خانوں کو بڑے پیمانے پر ترقی حاصل ہوئی۔ 1465ء میں روم کے قریب سوبائیکو میں اور 1467ء میں خاص روم میں۔ 1468ء میں پیرس (فرانس) میں۔ پندرھویں صدی کے اختتام سے پہلے فرانس کے چالیس شہروں اور قصبوں میں پریس قائم ہوگئے۔ ہالینڈ میں 1473ء میں 'جیرارڈس' اور 'کیتھولائز لیمپٹ' نے مطبع کھولے۔ یہ اچرڈ کے مقام پر تھے 1477ء میں ڈلفٹ میں 'جاکوب زوئن' اور 'مارسی مانش زوئن' نے اور گاؤدا میں 'جیرارڈ لیو' نے اس فن کو عروج پر پہنچایا۔ اس کے بعد ہالینڈ میں اور بھی پریس قائم ہوئے مثلاً 1477ء میں ڈیونٹر میں۔ 1479ء میں 'زولے' میں 1483ء میں 'لیڈن' میں اور دسمبر 1483ء میں 'ہارلیم' میں۔ 'جیکب بیلارڈ' ایک ممتاز پرنٹر کی شخصیت ابھری ہے۔ 1473ء میں قصبہ 'الیوسٹ' (بلجیم) میں پریس قائم ہوا۔ جس کا مالک 'جوہان پیڈروباڈرن' تھا۔ یہ جان ویسٹ فالیا کے نام سے بھی مشہور ہے 1474ء میں اس نے اپنا پریس 'لاؤوین' میں منتقل کر دیا، جہاں یونیورسٹی اور ایک لائبریری تھی جو پہلی جنگ عظیم میں برباد ہوگئی۔ بلجیم کے دوسرے شہر 'بروجز' میں 'کولارڈ مینشن' اور 'ولیم کاکسٹن' نامی مالکان مطبع نے پہلی انگریزی کتاب (Reuyell of the Historyes of Troye) شائع کی اور انھوں نے 1476ء میں انگلستان جاکر 'ویسٹ منسٹر' میں پہلا پریس کھولا۔ 'کاکسٹن' وہیں 1484ء تک کام کرتا رہا اپنی

میں بہت زمانے تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ پہلی طباعت مختصر نظموں کا ایک مجموعہ، مقدس کنواری کی مناجات کا "ویلنشیا" کے مقام پر "لیمبرٹ پال مارٹ" نے 1474ء میں طبع کیا۔ لیکن کچھ سال ہوئے ڈاکٹر کونارڈ ہائبل نے مستحکم دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ہسپانیہ کی پہلی مطبوعہ کتاب "سارا گوسا" میں کارڈینل بورڈ ریگو بوروبا نے 1473ء 5 مارچ کے آس پاس چھاپی۔ بوہیمیا میں پہلی طباعت 1468ء میں پلن کے مقام پر طبع ہوئی۔ 1473ء میں اینڈری ہنس نے "پولینڈ کراکاؤ" میں کیس پار ہاچ فلینڈر نے 1475ء میں۔ آسٹریلیا ویانا میں اسٹیفن کو بلزنگر، 1483ء میں ڈنمارک میں جوہان اسینل نے اوڈنسی کے مقام پر 1482ء میں اور ان ہی نے اسٹاک ہوم سویڈن میں 1483ء میں پہلا پریس قائم کیا، جس کے دفتر کی شاخ لیوبک میں تھی۔ پرتگال میں ربی الیوزور نے لسبن میں 1489ء میں۔ "مانٹی نیگرو" کے ریکا مقام پر ننک میکاریو نے 1494ء میں۔ اور ترکی کے شہر قسطنطنیہ میں ڈیوڈ اور سیموئیل ابن ناچیاس نے 1494ء میں پہلے چھاپے خانے قائم کیے۔ پندرھویں صدی کے اختتام تک یورپ کے تقریباً دو سو شہروں میں ایک کروڑ بیس لاکھ کے قریب کتابیں چھپ چکی تھیں۔

1501ء سے پہلے چھپی ہوئی کتابیں / INCUNABULA کی اہمیت

انکیونابلا کے معنی ہیں کتابوں کا بچپنا Cradle Book ابتدائی مطبوعہ کتابوں کی بیشتر خامیوں کے پیش نظر ان کا یہی نام تجویز کیا گیا چونکہ وہ خامیاں بتدریج دور ہو کر یورپ میں 1500ء تک کتابوں کے عیب اور خوبی کی کسی حد تک نگاہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ لہذا یورپ میں سوا ناروے اور سویڈن کے انکیونابلا کا زمانہ 1501ء تک متعین کیا گیا۔ جب کہ ناروے، سویڈن میں جہاں طباعت کی ابتدا 1480ء میں ہوئی تھی۔ انکیونابلا کے زمانے میں توسیع کر کے 1550ء تک کر دیا گیا۔ اس قسم کی تمام کتابوں کو پیلیوٹائپ بھی کہتے ہیں۔

انکیونابلا میں دلچسپی اٹھارھویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی جب طباعت نے ایک اعلا فن اور منضبط علم کی صورت اختیار کی اور اس کے بارے میں علمی اور فنی تحقیقات کے مباحث کا آغاز ہوا۔ دو پہلوؤں سے انکیونابلا پر نظر ڈالی گئی ایک تو مواد و موضوع

کے اعتبار سے دوسرے حروف کی ساخت اور چھپائی کے انداز سے۔ حروف کے ٹائپ اور ان کی ڈھلائی اور بناوٹ کا تجزیہ کرنے سے یہ پتہ چلا لینا ممکن ہوگیا کہ ایک کتاب کہاں اور کس زمانے میں چھپی ہے کیونکہ عرصے تک کتابوں میں تاریخ طباعت، مقام اور مطبع کا نام نہیں دیا جاتا تھا اس لیے بعد کے زمانے میں ان کے متعلق صحیح اطلاعات حاصل کرکے ان کا تاریخی مقام تجویز کرنے کے لیے انکیونابلا کا مطالعہ ایک مخصوص علم فن فنی نکات کی دیدہ وری کا شعبہ بن گیا۔ جس نے حروف و طباعت کے سائنسی نظریات کی بنیاد رکھی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ انکیونابلا کی تاریخی قدر و منزلت روز بروز بڑھتی جارہی تھی اور اس میں دھوکے بازی بھی ہونے لگی تھی۔

خانقاہی تہذیب کا زوال

خانقاہی تہذیب کی بنیاد علم البیانات کے علاوہ اور قسم کی کتابوں کی عظمت پر بھی قائم تھی۔ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے اس کا ذکر آچکا ہے کہ وہ کس قدر ریاضت کتابوں کی تخلیق میں کتنی دوڑ دھوپ ان کو جمع کرنے میں اور کس قدر حفاظت ان کے استعمال میں برتتے تھے۔ کتب خانوں کا ایک باقاعدہ نظام اور مقررہ آداب و قوانین تھے۔ جن پر سختی سے عملدرآمد ہوتا تھا لیکن چودھویں صدی عیسوی سے اس میں زوال و ابتری کے پورے طور پر آثار پیدا ہوگئے تھے۔ راہبوں نے عام طور پر راحت طلبی و سہل انگاری اختیار کرلی تھی۔ پندرھویں صدی میں تو راہبوں کی عیش پرستی، بداخلاقی و کردار کی پستی کھل کر سامنے آگئی تھی۔ محنت سے کتابیں لکھنا اور ان کے ذریعہ خانقاہوں کی رونق بڑھانا تو درکنار، ان کا احترام بھی دل سے بالکل اٹھ گیا تھا۔ حفاظت کا ذرا بھی احساس باقی نہ رہ گیا تھا۔ زوال کے ابتدائی آثار اسی وقت سے ظاہر ہونے لگے تھے جب راہب تکیہ لگا کر اپنی نشستوں پر فروکش نظر آنے لگے۔ کتابوں کی جلدوں میں ایک زنجیر لگا کر کمر کی بلٹ سے لٹکائے ہوئے چلنے لگے۔ انگریز بشپ رچرڈ ڈی۔ بری نے اس زمانے کے خانقاہی کتب خانوں کے ابتر حالات کا بڑے رنج و صدمے کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ اور اپنی فائیلو ببلون میں کتابوں کی بے حرمتی کا بڑا موثر نقشہ کھینچا ہے۔ وہ 1287ء تا 1345ء کے زمانے میں کتابوں کا ایک سچا قدر شناس اور قدیم راہبوں کی طرح ادب کا دلدادہ تھا۔ اس کی فائیلو ببلون

کتابوں کی روداد 1473ء میں شائع ہوئی جس میں لکھتا ہے "کلیساؤں سے طہارت کا خیال رخصت ہوتا جارہا ہے، کتابوں کو گندے ہاتھوں سے چھوا جاتا ہے، طالب علموں کی غلیظ ناک سے کتابوں کے اوراق پر آمیزش ہوتی ہے"، اس کے بعد خانقاہوں کا زوال تیزی سے ہونے لگا۔ وہ تقدس کی بلند چوٹی سے گمراہیوں میں لڑھکتی ہوئی فنا کے گہرے تاریک دہانے پر پہنچ گئیں۔ جابجا راہبوں کی غفلت سے کتب خانوں میں آگ لگی اور قیمتی کتابیں جل کر راکھ ہوگئیں۔ وینڈکٹائن گروہ نے خانقاہی نظام کی اصلاح اور ابتدائی دور کے علمی شوق و شغف کو واپس لانے کی کوششیں کیں مگر رائیگاں گئیں۔ اس نظام کو مسمار ہونے سے کوئی نہ بچا سکا۔ "بوکیشیو" کتابوں کا پرستار تھا۔ اس نے بھی خانقاہوں میں کتابیں گرد سے اٹی ہوئی کونوں میں ڈھیر دیکھیں، جن کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ لکھتا ہے "کیسینو مانٹے کی لائبریری کا نقشہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ وہی خانقاہ ہے جہاں سے مسیحیت کی دنیا میں علم و دانش کی پہلی کرن پھوٹی تھی۔ جس نے کتابوں کی تخلیق کا سنگِ بنیاد رکھا تھا اور کتابوں کی حفاظت و حرمت کے سخت قوانین وضع کیے تھے۔"

نشاۃ ثانیہ کا آغاز

پندرھویں عیسوی کا اختتام ہونے سے پہلے ہی کہنہ خانقاہوں کی دیواریں ڈھہ گئیں، کلیسا کا نظام دشتِ عدم میں زوال ہوگیا۔ یہ نظام تقریباً پندرہ سو برس یورپ میں چھایا رہا تھا۔ اس کے آخری زمانے میں انسان کا ذہن خوابِ توہمات سے تھک کر نئی کروٹ بدلنے لگا اور شعورِ زندگی بیدار ہو رہا تھا۔ اب علومِ عقلیہ حاصل کرنے کی ایک عوامی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آخر کار انسان کی امنگیں خانقاہوں کے تاریک بام و در چھوڑ کر ایک روشن دنیا اور کھلی فضا میں نکل آئیں اور کہنہ نظام سے ٹکرا گئیں۔

خانقاہی نظام سے اصلاح پسندوں کے تصادم کا کتابوں پر اثر

رومن کیتھولک چرچ کے خلاف اصلاح پسندوں نے 1517ء میں کھلی

لڑائی کا آغاز کیا۔ اگر اصلاح پسندوں کی تحریک کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے کہ اس نے نادانستہ طور پر کتب بینی کو طبقۂ اعلا کی میراث سے نکال کر ایک جمہوری حق دیا اور عوام کو علم حاصل کرنے کا استحقاق دلا دیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تحریک کے اس دور میں نتیجہ کا خیال اور ایسے شاندار ثمرے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بانیانِ تحریک کی ذہنی اور شعوری صلاحیت سے باہر تھا کیونکہ یہ جنگ بھی محض ایک جذباتی اشتعال کا نتیجہ تھی۔ اس طرح یہ وجود میں آئے ہوئے نئے نئے چھاپے خانے 'باغیانہ خیالات عوام کی صفوں میں پھیلانے کے لیے ایک اسلحہ ساز فیکٹری کی طرح کام انجام دے رہے تھے۔ ابتدا میں ان مطبوعوں کو دیکھ کر ان کے متعلق کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ پریس کی اس کارگذاری کی توقع کس کو ہوئی ہوگی۔

چھپائی کی ایجاد نے خانقاہی نظام کو ڈھانے میں حیرت انگیز کردار ادا کیا۔ چھاپے خانوں نے اصلاح پسندوں کی تحریک میں سب سے زیادہ موثر ہتھیار کا کام کیا۔ لُوتھر کے پمفلٹ کی چار ہزار کاپیاں پانچ دن کے اندر چھپ کر انگلستان میں فروخت ہو گئیں جب کہ جرمنی اس جنگ میں صفِ اوّل کا سپاہی تھا۔ وہاں کتابیں بکنے اور چھپنے کے اعداد و شمار اس سے کہیں زائد ہیں۔ وہاں لوتھر کی ترجمہ شدہ بائبل اور دوسرا مواد 1522ء میں ستمبر سے دسمبر تک ناقابل قیاس تعداد میں شائع ہوا — انگلستان میں اس بائبل جدید کے سو ایڈیشن 1519ء سے 1534ء تک شائع ہوئے جس کی بیس ہزار کاپیاں فروخت ہوئیں۔

پریس نے جس فوج کو اس قدر طاقت ور بنا دیا تھا اس کے سپاہیوں نے پرانی کتابوں کے ساتھ خصوصاً انکیونابلا کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس کی تفصیل دردناک ہے۔ رومن کیتھولک چرچ کے خلاف لُوتھر اور اس کے حامیوں نے 1517ء کی جنگ میں کیتھولک ذخیرۂ کتب سے جذباتی انتقام لیا۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ مذہبی ادب تھا یا کلاسیکی۔ قدیم قلمی نسخے اور انکیونابلا یعنی 1501ء سے قبل کی مطبوعات زبردست تباہی کا شکار ہوئیں۔ پھر 1524ء تا 1534ء میں جرمنی کے کسانوں کی مستقل تحریک سے خانقاہی کتب خانے بری طرح متاثر ہوئے۔ کافی کتابیں ضائع ہوئیں اور یہی صورت ہیوگو ناٹ جنگوں میں فرانسیسی خانقاہوں کے ساتھ ہوئی جیسے جیسے تحریک

زور پکڑتی گئی خانقاہوں کے کتب خانوں کی تباہی بڑھتی گئی۔ انگلستان میں کتابوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ جب اصلاحی تحریک کے بعد نامذہبیت فتح یاب ہوکر برسر اقتدار آئی اور ایک ہزار سے زیادہ خانقاہوں پر قابض ہوئی تو اس نے بھی کتب خانوں سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

غرض چھاپے خانے اصلاح پسندوں کی تحریک کو تقویت پہنچانے کا نہایت کارگر وسیلہ ثابت ہوئے۔ ان کے ذریعہ تیزی سے سستا ہنگامی لٹریچر شائع ہوکر عوام تک پہنچا اور اصلاح پسندوں کے رہنما لوتھر کے خیالات و مقاصد اکثریت کی روح میں ڈھلتے گئے۔ اگرچہ یہ ادب تھوڑے دن زندہ رہنے والا تھا مگر قلیل مدّت میں بے حد طاقت ور اور موثر ثابت ہوا۔ اس کے ذریعہ رومن کلیسا اور کیتھولک خانقاہی نظام کے خلاف شعلے بھڑکائے گئے۔ یہاں تک کہ 1517ء میں لوتھر نے کلیسائے روم کے خلاف باقاعدہ لڑائی شروع کر دی۔ اس طرح بالواسطہ طور پر چھپائی کی ایجاد نے یورپ میں خانقاہی نظام کی بنیاد ڈھا دینے میں اہم تاریخی خدمت ادا کی۔ مگر اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ قدیم قلمی نسخے اور 1501ء سے پہلے کی بیشتر مطبوعہ کتابوں کی زبردست تباہی اس کے نتیجے میں ہوئی۔ اس کے بعد پریس کی اس مہیب طاقت کا سب کو بخوبی علم ہوگیا اور اس پر بندشیں ہونے لگیں۔

حصہ سوئم

مشینی دور کا آغاز اور کتابی تکنیک کی ارتقائی لہر

سولھویں صدی سے انیسویں صدی کے اختتام تک

پہلا باب

سولھویں صدی: نئی مطبوعہ کتابیں

سولھویں صدی عیسوی میں طباعت کا فن بہت تیزی کے ساتھ دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیل گیا۔ ذیل کی جدول سے طباعت کی روز افزوں وسعت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے:۔

مطبع کا قیام:	ترکی میں	1503ء	روس	1553ء
	رومانیہ	1508ء	ہندوستان	1556ء
	یونان	1515ء	فلسطین	1563ء
	میکسیکو	1534ء	پیرو	1584ء
	آئرلینڈ	1550ء	جاپان	1590ء

کتابت کے حسن و زیبائی پر توجہ

یورپ میں سولھویں سے اٹھارھویں صدی کے وسط تک چھپائی کی صنعت میں ترقی کے معنی تھے۔ حروف سازی کے فن میں ترقی، ان کی شکلوں میں تغیر و تبدل اور اس مقصد کے لیے استعمال کی جانے والی دھات کی کیمیاوی ساخت میں تبدیلی۔ حروف سازی میں تبدیلی لانے والوں میں سر فہرست نام 'الڈس مینوٹیس Aldus Manutius' ہے جس نے بولونا کے باشندہ فرانسسکو گریفو کی امداد سے گوتھک حروف کے بجائے رومن حروف ڈھالے اور ان ترچھے حروف کو بھی وجود میں لایا جن کو آج انگریزی (Atalics) اٹیلک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ الڈس کا ایک اور تجربہ جو قابلِ ذکر ہے اس کا پاکٹ سائز یا چھوٹے سائز کی کتابوں کی چھپائی ہے۔

پندرھویں صدی کے حروف سازوں کی کوشش تھی کہ جہاں تک ممکن ہو ڈھلے ہوئے حروف اُس دور کی خطاطی کے نمونے پر ہوں بلکہ کچھ عرصے تک متن کے اوپر ہاتھ سے سجاوٹ اور حروف لکھنے کے لیے جگہ چھوڑ دی جاتی تھی جسے فنِ خطاطی اور تزئین کے ماہر جنھیں روبریکیٹر (Rub ricato) یا اجلاکار کہا جاتا تھا اپنی ہنرمندی سے پُر کرتے تھے۔ اطالیہ سے فنِ حروف سازی فرانس میں آیا جہاں اس نے سولھویں صدی میں اسٹیفنے (Estienne) برادران، سائمن ڈی کولنس جیوفرے توری اور گریمنڈ کو متاثر کیا۔ اس زمانے میں اطالیہ کے مشہور اہلِ فن جن میں اندرے ڈیل سارتو اور لیونارڈو ونچی بھی شامل ہیں، فرانس آ گئے تھے۔ جیوفرے توری نے حروف سازی کے ساتھ ساتھ موقوفات وغیرہ کی بنا ڈالی۔ اس نے رومن حروف کے رنگوں کو ہلکا کیا۔ اور کتابوں کی تزئین میں لکڑی کے ٹھپّے پر بنی تصاویر استعمال کیں۔ توری نے حروف سازی کے فن پر ایک کتاب بھی مرتب کی تھی جو ۱۶۱۹ء میں طبع ہوئی تھی۔

سولھویں صدی کا دوسرا عظیم فرانسیسی حروف ساز کلاڈ گریمنڈ ہے۔ چھپائی کے حروف کو خطاطی کے طرز سے مکمل آزادی دلانے میں کلاڈ گریمنڈ کا کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ گریمنڈ کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ لوگ اب چھپی ہوئی کتابوں کے عادی ہو رہے تھے اور حروف اپنی ساخت میں لوہے سے اسی طرح متاثر ہو رہے تھے جس طرح اس سے پہلے وہ قلم کی خصوصیات سے متاثر تھے۔

سولھویں صدی کے شروع میں سوئٹزرلینڈ میں بھی طباعت کے فن نے ترقی کی چند منزلیں طے کیں۔ خصوصاً نباتات اور حیوانات کے موضوعات پر مصوّر کتابیں شائع ہوئیں جن میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر تصویریں جان اسٹونیس فان کلکار کی ہیں۔ سولھویں صدی میں بلجیم کے شہر اینٹورپ میں مشہور تاجر کتب کرسٹوف پلینٹن نے کاروبار کتب شروع کیا۔ پلانٹن کی شہرت ایک کامیاب تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ حروف سازی کے لیے تانبے کی دھات کے استعمال پر ہے۔ اس نے اسپین کے شاہنشاہ کی فرمائش پر پانچ زبانوں میں بائبل کا نسخہ شائع کیا۔ جسے پالی گلاٹ بائبل یا مختلف الزبان بائبل کے نام سے شہرت ملی۔ اسی بائبل کے تیرہ نسخے چمڑے پر چھپے ہوئے تھے۔ پلانٹن کے خاندان میں طباعت کئی پشت تک چلتی رہی چنانچہ اس کے پوتے نے کئی مصوّر کتابیں چھاپیں جس میں مشہور آرٹسٹ روبن نے بھی تصاویر بنائی تھیں۔

سترھویں صدی میں حروف تراشی میں ترقّی

فرانسیسی حروف سازوں نے سترھویں صدی کے اوائل میں ڈچ حروف سازوں کو متاثر کرنا شروع کیا۔ چنانچہ سترھویں صدی کے مشہور ڈچ حروف سازداں ڈاہنگ پر فرانسیسی حروف سازوں کا اثر واضح شکل میں ملتا ہے۔ سترھویں صدی میں انگلستان افراتفری اور انقلابات کا شکار رہا۔ حکومت نے طباعت پر پابندیاں عاید کر رکھی تھیں جس کی وجہ سے طباعت کا کام ہالینڈ میں کرایا جاتا تھا۔ ہالینڈ میں اس دور کے مشہور ناشر الزویرس تھے جن کے خاندان میں طباعت پلانٹن کے خاندان کی طرح کئی پشتوں تک چلتی رہی۔ الزویرس نے وِلڈس کی جیسی کتابیں چھاپیں۔ اس فرم کو شہرت سولھویں صدی کے ربع ثانی میں ہوئی۔ جب ان کے مطبع میں مشہور حروف سازوان ڈاہنگ نے حروف تراشی شروع کی۔ وان ڈاہنگ کے بنائے حروف نے ڈچ طباعت کو بین الاقوامی شہرت دے دی چنانچہ اب اگر کوئی کتاب خوبصورت حروف میں چھپی نظر آتی تو کہا جاتا کہ یہ ڈچ حروف میں چھپی ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1667ء میں قائم ہوا۔ اس کے لیے بشپ جان فل نے ڈچ حروف کے سانچے خریدے۔ چھپائی کی کہانی میں سترھویں صدی کی دوسری وین 'اینٹنگ لیو پرنٹنگ EstiennesPrinting یا پلیٹ کے ذریعہ چھپائی ہے۔ پلیٹوں کے ذریعہ چھپائی کی بدولت اخبارات کی چھپائی ممکن ہو سکی۔ چنانچہ جرمنی میں دنیا کا پہلا اخبار جوہان کیروس نے 1609ء میں شائع کیا۔ اسی زمانے میں ہالینڈ میں دنیا کا قدیم ترین ابتدائے اجرا سے اب تک مسلسل شائع ہونے والا اخبار 'کورانٹ فار یورپ' کی 1656ء میں اشاعت شروع ہوئی۔ یہ اخبار آج بھی ہیو بار سیمشے کورانٹ کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ انگریزی زبان کا پہلا اخبار بھی ہالینڈ میں چھاپا گیا۔ لیکن 1665ء میں ہنری مڈی مین نے یہ پہلا انگریزی اخبار آکسفورڈ گزٹ کے نام سے آکسفورڈ سے شائع کیا۔ امریکہ میں طباعت کی ابتدا 1638ء کیمبرج میساچوسٹ میں اسٹیفن ڈے کے پریس سے شروع ہوئی۔ عرصۂ دراز تک یہاں انگلستان کے اخبارات فروخت ہوتے رہے۔ سترھویں صدی میں دنیا کے ادب کو بہت اعلاو ارفع مقام پر پہنچا دیا۔

خصوصاً انگلستان کے عالم گیر شہرت یافتہ مصنفین شکسپیر، ملٹن، بنیان مولیئر، ڈرائیڈن وغیرہ اسی صدی کی مشہور ہستیاں ہیں۔ لیکن طباعت کی دنیا میں نجی پریس پر سرکاری پریس کو فوقیت رہی۔ سترھویں صدی کے آخری ایام میں لوئی تیرہ کے قائم کردہ 'رائل پرنٹنگ ہاؤس' میں ٹائپ کی ایک نئی قسم وجود میں آئی۔ اس کی بنیاد حسابی قاعدوں پر تھی جس میں گراف اور مثلث کی مدد سے حروف وضع کیے گئے تھے۔ اس کے پیچھے فلپ گرینجین نے گڑھے تھے۔ گرینجین نے حساب دانوں کے مشورے کے ساتھ ساتھ اپنا دماغ بھی لگایا تھا۔ 1702ء میں نئے حروف کے پہلے سیٹ بن کر تیار ہو گئے۔ انھیں رومین ڈو روئی کا نام دیا گیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حروف سازی میں یہ تبدیلی دھات پر کھدائی کی وجہ سے وجود میں آئی۔ گرینجین کے حروف 1745ء میں جا کر مکمل ہوئے۔ حکومت کی نگرانی میں تیار ہونے کی وجہ سے ان حروف کو استعمال کرنے کی عام اجازت نہ تھی۔ لہذا اس زمانے کے مختلف ناشرین نے معمولی ردّ و بدل کر کے ان حروف کو دیگ پیمانے پر استعمال کیا۔ گرینجین کے حروف میں اوپر نیچے باریک خط تھا جسے سیرف Serif کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان حروف کی طباعت میں بڑی دلکشی پیدا ہوتی تھی۔

انگلستان میں حروف سازی کے میدان میں سولھویں اور سترھویں صدی میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو جہاں خطاطی کے دور میں گیروجینی حروف کی ترویج میں انگلستان پیش پیش تھا۔ وہاں حروف سازی کی تاریخ میں ملک کی خاموشی کی وجہ ناقابل فہم ہے۔ غالباً اس کی بڑی وجہ ملک میں اندرونی انتشار اور اشاعت سے متعلق قوانین کی سختی تھی۔ اٹھارھویں صدی میں صورت حال بدلی۔ انگریزی طباعت پر ڈچ اثرات تیزی سے مرتب ہو رہے تھے۔ 1730ء میں مشہور انگریز حروف ساز ولیم کیسلان نے اپنے نئے طرز کے حروف ڈھالے جنھیں Old Face (قدیم طرز) کے حروف کا نام دیا گیا۔ کیسلان نے ڈچ حروف کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ رومن کے ساتھ ساتھ اس نے عربی حروف کا ایک سٹ بھی سوسائٹی فار پروموٹنگ کرسچین نالج کے لیے بنایا تھا۔ اٹھارھویں صدی میں انگلستان کا دوسرا قابل ذکر حروف ساز جان باسکرواٰئیل تھا۔ باسکرواٰئیل 1706ء میں برمنگھم میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے حروف کیسلان سے قدرے مختلف تھے۔ اور حروف سازی کی تاریخ میں عبوری دور کے حروف کہے جاتے ہیں۔

باسکروائیل کا خاص کارنامہ گرم پریس کے ذریعے چھپائی ہے۔ بھیگے ہوئے کاغذ پر چھپائی کرکے وہ انھیں تانبے کی گرم پٹیوں کے بیچ سے گزار دیتا تھا جس کی وجہ سے چھپے ہوئے کاغذ ریشم کی طرح چکنے ہو جاتے تھے۔ باسکروائیل نے طباعت کے فن کو حسن و سلیقہ بخشا۔

چھپائی کا عروج

اٹھارھویں صدی میں فرانس میں چھپائی کے مشہور فنکار فورنیر اور دیڈو ہیں۔ ان دونوں کا کارنامہ حروف سازی سے زیادہ حروف سازی کے قواعد مرتب کرنے کا ہے۔ فورنیر نے ایک کتاب مرتب کی جس کے مطابق حروف کے سائز یا جسامت کا تعین پوائنٹ میں ہوا۔ اس کا ایک حصہ چھپائی اور حروف سازی میں کام آنے والے اوزاروں سے متعلق تھا۔ دوسرے حصے میں حروف کی جسامت اور اقسام کا ذکر تھا۔ اس نے اس زمانے کی مشہور حروف ڈھالنے والی کمپنیوں کا ذکر بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ فنِ طباعت کا دوسرا فرانسیسی ماہر فرنیکائز ابرائز ڈیڈو ہے۔ جس کے سر کاغذ کی ایک نفیس قسم 'وو' (WOVC) کے ایجاد کا بھی سہرا ہے۔ لیکن اس کی اصل شہرت کا باعث حروف کی یورپی جسامت کے تعین کا نظام ہے۔ ڈیڈو نے فورنیر کے نظام میں پائی جانے والی خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس نے حروف کی پہچان کے لیے ان کے روایتی نام کی جگہ پوائنٹ کے ذریعہ شناخت کے موجودہ طریقہ کی بنیاد رکھی۔ مشہور امریکن موجد اور لیڈر بنجامن فرینکلن نے اپنے پوتے کو اسی کے پاس فن حروف سازی کی تربیت حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

اس دور کا ایک اور مشہور فنِ طباعت کا ماہر نام ئبٹا بودونی ہے جو اٹلی میں 1740ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے بھی حروف سازی کی قواعد مرتب کی جسے اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے طبع کرایا۔ بودونی نے جدید صورت (١٩١٠ tern face) کے رومن حروف وضع کیے جن کی خصوصیت حروف کے آخری حصوں اور دائروں کی باریکی اور باریک خوشے تھے۔ بودونی کے زیر اثر وہ موٹے حروف بھی مروّج ہوئے جن کا انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں پوسٹروں کی چھپائی میں بڑا چلن تھا۔

گریجیں کے رومن دور روئی سے بودونی تک ماڈرن فیس تک چھپائی نے تکنیکی ترقی

کی کئی منزلیں طے کرلیں۔ حروف کی ڈھلائی اور ان کو فرموں میں کسنے کا کام بہتر ہوا۔ کاغذ کی سطح پہلے سے کہیں زیادہ چکنی ہوئی۔ سیاہی اور پریس کا کام بہتر ہوا۔ دوسرے لفظوں میں دھات پر کندہ کاری کا نمایاں اثر طباعت کے فن پر بحیثیت مجموعی ظاہر ہوا۔ اور اٹھارہویں صدی میں خطاطی کے نمونہ پر بنے حروف بالکل معدوم ہوگئے۔

انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں ماڈرن فیس حروف کا چلن رہا۔ اور نئے حروف ڈھالنے کے بجائے حروف کو سجانے کا کام ہوا۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں حروف سازی کی صنعت میں دوبارہ حروف سازی سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ دراصل صنعتی انقلاب نے کتابوں کا جو مشینی خراج بنادیا تھا اس کے ردِ عمل کے طور پر نفاست اور تزئین کاری کی جانب توجہ زیادہ ہوگئی۔ اس ضمن میں سب سے نمایاں نام ولیم مورس کا ہے۔ ولیم مورس نے خوبصورت کتابوں کے چھاپنے کے لیے 'کلیم اسکاٹ پریس' قائم کیا۔ دیدہ زیب طباعت کے لیے اسے پندرھویں صدی کی کتابوں سے تحریک ملی۔ اس نے اپنے حروف جنسن کے نمونے پر ڈھالے اس کے کچھ ہی دنوں بعد کابڈن سینڈرسن اور ایمری والکری نے باہمی اشتراک سے ڈوو (Dove) پریس قائم کیا۔ کلیم اسکاٹ پریس اور ڈوو پریس نے چھپائی کی تاریخ میں صنعتی دور کے بعد نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ڈالی اور دونوں نے مل کر موجودہ دور کی حسین کتابوں کی روایت کی ابتدا کی۔ ان لوگوں نے اپنے حروف کے ڈیزائن خود بنوائے تھے اور ان کے ٹھپے تندن کے حروف ساز ایڈورڈ پرنس نے بنائے تھے۔ موجودہ صدی میں حروف کے ڈیزائن بنانے والوں میں معروف ترین نام ایڈورڈ جانسٹن کا ہے۔ جانسٹن میں کئی خوبیوں کا اجتماع ہے۔ وہ خوبصورت حروف بھی بناتا تھا، معلمی بھی کرتا تھا اور مصنف بھی تھا اس کی تصنیف lettering and Writing and Illuminating اس موضوع پر معروف کتاب ہے۔ 1906ء سے جب کہ یہ کتاب پہلی بار چھپی تھی اب تک تقریباً ساٹھ بار چھپ چکی ہے۔ جانسٹن نے بغیر شوشے کے حروف (Sanarif) وضع کیے جو پہلی بار لندن کی زیرِ زمین ریل کے لیے بنائے گئے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ حروف سازی کے ایک دور کا خاتمہ ہوا۔ وہ لوگ جو مورس کی تربیت میں اور جانسٹن کی رہنمائی میں حروف سازی میں حسن کی اہمیت کو سمجھ چکے تھے۔ اب طباعت کے فن میں استادی کی مسند پر تھے۔ ان میں ایرک جل۔

دالرشائی مین۔ روڈولف کوخ وغیرہ ممتاز نام ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے پہلے مشکل سے تین چار قسم کے ٹائپ حروف دستیاب تھے لیکن جنگ شروع ہونے پر ان کی تعداد پچیس تک پہنچ چکی تھی۔

ٹائپ کے ڈیزائن میں امریکہ کی قابلِ ذکر ہستیوں میں آپڈائیک راجرس اور گاوڈی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ آپڈائیک کے کارناموں میں سب سے اہم حروف سازی کی تاریخ پر ان کی جامع تصنیف ہے گاوڈی نے تقریباً سو مختلف حروف ڈیزائن کیے ان میں خاص طور پر قابلِ ذکر "کے نرلی Kenerley اور گاوڈی ماڈرن ہیں۔ راجرس نے جنس نونے پر سینٹور حروف وضع کیے ہیں۔

پوائنٹ سسٹم

حروف کی پیمائش پوائنٹ سے کی جاتی ہے۔ یہ نظام فرانس میں اٹھارھویں صدی میں وجود میں آیا تھا اور سب سے پہلے فورنیر نے حروف کی جسامت کا تعین کیا تھا۔ فورنیر نے دو انچ کا ایک پیمانہ بنایا تھا۔ انچ کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے میں حروف کے چھ پوائنٹ ہوتے تھے اس طرح ایک انچ میں بہتر پوائنٹ بنتے ہیں۔ 1886ء میں امریکہ کے حروف سازوں کی ایک انجمن نے حروف کے نظام جسامت کو ترتیب دیا اور 1898ء میں انگلینڈ میں بھی یہ نظام تسلیم کرلیا گیا۔ اس نظام کے اپنائے جانے سے پہلے حروف شناخت کے لیے اگاتے۔ روبی، ڈائی منڈ، کینن وغیرہ ناموں سے جانے جاتے تھے۔ بارہ پوائنٹ کو 'پکا' (Pica) کہتے ہیں۔ اور چھ پوائنٹ کو 'نان پاریل' (Non Prel) کہتے ہیں۔ چھاپے خانوں میں حروف سے متعلق ایک اور اصطلاح ایم (em) مروج ہے جو پوائنٹ کے ساتھ ملا کر بولی جاتی ہے۔ حروف کو عموماً دو بڑے گروپ میں تقسیم کرتے ہیں۔ شوشے دار اور غیر شوشے دار۔ ہر گروپ میں کئی چھوٹے گروپ ہوتے ہیں جیسا کہ درج ذیل جدول سے واضح ہیں۔

شوشے دار حروف (Serif)	غیر شوشے دار حروف (Samserif)
اولڈ فیس	گوتھک
ماڈرن فیس	گرافک
وینیشین	سائنس
کارنڈن	اطلس

حروف کو فاؤنڈرس ٹائپ (دستی ڈھلے ہوئے حروف) مونوٹائپ (مشینی ڈھلے ہوئے حروف) اور سلگ تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ فاؤنڈرس ٹائپ سخت دھات سے ڈھالے جاتے ہیں جو سیسہ، سرمہ اور کبھی کبھی تانبہ ملا کر بنائی جاتی ہے۔ حروف کے ایک پورے سیٹ کو جس میں ترچھے اور سیدھے بڑے چھوٹے تمام حروف اور ہر طرح کے موقوفات PUNCTUATION شامل ہوتے ہیں فانٹ کہتے ہیں۔

چھاپے خانے کے مخصوص نشانات

چھاپے خانے وجود میں آنے کے بعد اُن کے مالکان کو جلد ہی اپنی مطبوعہ کتاب کا ایک امتیازی نشان مقرر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ پہلا چھاپہ خانہ جان گٹن برگ کا ہے۔ مگر اُسے حروف تراشی اور دوسرے سخت و پیچیدہ تکنیکی مسائل کے مقابلے میں اس طرف خیال کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اُس کے حریف اور ہم عصر اسکر وفرائیڈ فسٹ کمپنی پہلے مالکِ مطبع اور ناشر مطبوعات ہیں جنھوں نے اپنے پریس کا ایک نشان شاخ سے لٹکی ہوئی دو شیلڈ مقرر کر کے اپنی پہلی مطبوعہ "سالبز" (نغمۂ داؤد Psalm of David) پر بنایا تھا۔ لیکن پریس کی یہ پہلی خود نمائی شاید کچھ جھجکتے اور شرماتے ہوئے وجود میں آئی تھی۔ کیونکہ مطبوعہ زبور کی مجموعی تعداد میں سے صرف ایک جلد پر یہ امتیازی نشان پایا گیا۔ وہ آج کل ویانا میں ہے۔ اس کے بعد اُن کی شاید دوسری یا تیسری 1462ء میں طباعت کی ہوئی بائبل ہے جس میں ایک شاخ سے لٹکی ہوئی دو شیلڈ ہیں۔ اس وقت اس نشان نے اس قدر اہمیت اور مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ دوسرے ہم عصر چھاپے خانوں میں سے کسی نے دھوکے دھڑی سے اور کسی نے ذرا سی ترمیم کے ساتھ اعلانیہ ڈھٹائی سے اس نشان کو اپنا لیا۔ چنانچہ امریکہ کے "پرنٹنگ ہاؤس کرافٹ مین" کا بھی یہی نشان ایک وقت دیکھنے میں آیا۔ قدرے تبدیلی سے ایٹریچ ہیں۔ جان ویڈیز اور ینڈلینڈ کے "وین کا مطبع 1475ء میں اپنا یہی نشان دکھا رہا تھا۔ انگلستان کے ابتدائی پرنٹر رچرڈ پنسن نے ایک شیلڈ کو اوّلاً 1509ء سے 1526ء تک اپنایا۔ اس کے بعد تین چڑیوں کی علامت وضع کی۔ پھر طرح طرح کے نشانات تمام چھاپے خانے اپنے لیے مقرر کرتے رہے۔ جیسے گل کا ڈی

نے بھی چھڑیاں درمیان میں ایک چھوٹا درخت اور گرد پھولوں کے پودے۔ میکائیلی لی نوالد
نے 1500ء میں ایک حبشی کا سر دو حبشیوں کا سہارا لیے ہوئے۔ 1483ء میں سنٹ البانز
کے پرنٹر نے ایک بڑی صلیب کے نیچے جڑی ہوئی ایک چھوٹی صلیب ایک دائرے پر قائم
جس کے اندر ایک شیلڈ پر کراس بنا ہوا۔ اسی طرح 1521ء میں سائیرج کیمرج نے
چار کے رومن ہندسے سے لمبی لکیر وسط میں صلیب بناتی ہوئی کھینچ کر اپنا نشان وضع کیا
وکمن ڈی دورڈے کے مطبع کے بہت سے نشانات میں سے ایک انگور کی پیچ در پیچ گتھی شاخیں
جھولتی شاخوں کے درمیان سے جھانکتا سورج نشان تھا۔ اور 1548ء میں روم کے انٹونیو بلیڈو
کا نشان شمع پروانہ مشرقی عشق و محبت کی پرسوز داستان بیان کرتا تھا۔ ایلڈیکس
مانوٹیس نے وینس میں جب 1494ء میں اپنا مطبع قائم کیا تو اس کے سنجیدہ ذوق کو
1502ء سے پہلے کوئی ایسا نشان نہ مل سکا جو اس کے مطبع کے آئیڈیل معیار کی نمائندگی کرتا
مگر جون 1502ء میں جب اس نے سیڈولیس اور دوسرے یسی شاعروں کا ایک منتخب
مجموعہ شائع کیا تو اس پر بالآخر اس کے مطبع نے اپنا ایک ایسا نقش بنادیا۔ جس سے آج تک
مغربی اعلیٰ کلاسیکی ادب کا مطالعہ کرنے والی آنکھیں بخوبی مانوس و آشنا ہیں۔ یہ لنگر سے
لپٹی ہوئی ڈولفن اپنے اندر کچھ ایسی ہی معنوی ندرت، کشش اور سادگی رکھتی تھی۔ ایلڈائن
پریس کا یہ نشان اگست 1502ء میں Le 'Lerzerime De Danta ایک سینئر
کلاسیکی کتاب پر نظر آیا اور پھر 1546ء تک ہزاروں کتابوں پر یہ نشان چمکتا رہا۔ ان
میں یورپ کے کچھ ادھورے چھاپے خانوں کی بے چاری وہ کتابیں بھی تھیں جن کے دیدہ در مالکان
مطابع و ناشرین اُن کے اچھے دام کھڑے کر لینے کے طالب تھے۔ اس کے بعد ایلڈس خاندان
لنگر کو مختلف صورتوں میں مطابع کے نشان میں سنبھالتا رہا۔ فلورنس اور وینس کے ناشرین
کتب کا ایک نامور خاندان جنتا 1480ء سے 1598ء تک اپنے تمام نشانات میں طرح طرح
سے کنول کو نمایاں کرتا رہا۔ غرض اس وقت سے آج تک چھاپے خانے کے نشانوں کا ایک طویل
سلسلہ ہے۔ ان کے سینکڑوں ہزاروں نشانات ہیں۔

دوسرا باب
مصوّر کتابوں کی طباعت

کتاب کے متن کے ساتھ تصویروں کی نمائش نہ صرف کتاب کی آرائستگی کے مقصد سے ہوتی ہے بلکہ ان کے ذریعہ کتاب کے مواد و موضوع کو واضح اور ذہن نشین کرانا بھی مقصود ہے لیکن مصور کتابوں کا مفصل مورّخ تاریخی طور پر انسان کا جمالیاتی ذوق ہی رہا ہے لہٰذا کتاب میں تصویریں زیادہ سے زیادہ خوبصورت اصلی و فطری شکل میں پیش کرنے کی کوشش یونانی مطبوعہ ابتدائی کتابوں کے متن کو ٹائپ سے چھاپ کر کچھ برسوں تک تصویریں ہاتھ سے بنائی گئیں، پھر چوبی ٹھپوں سے چھاپ کر پیش کی جانے لگیں۔ مگر یہ مصوّر کے موقلم کی لطافت و نزاکت اور رنگینیاں پیدا کرنے سے قاصر نظر آئیں۔ تاہم انسان کی قدرتی ایجاد و اختراع شکست ماننے پر تیار نہ تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے 1498ء میں البرق ڈیفار نے نیلم برگ میں پہلا کامیاب قدم رکھا اس نے گرینک آرٹ کے چندرہ تاریخ ساز نمونے پیش کیے۔ جن میں روشنی اور سایے کا انعکاس نہایت خوبصورت اور واضح ہے جو اگلے فنکاروں کو راستہ بتاتا ہے۔ اس کے گہرے مذہبی جذبات نے مصوّر طباعت میں بے جان لکڑی سے کسی حد تک زندگی پیدا کر دی۔ کنواری مریم کی حیات و مصائب کا مرقع اس کے فن کا اعلا شاہکار ہے۔ اگرچہ اُس سے پہلے ایڈ وولٹ امطیر منیر بائبل میں نیر ڈانے اور بوکیشیو کے مصور ایڈیشن میں لکڑی کے ٹھپوں سے مصوّری کے اچھے نمونے پیش کر چکا تھا اور سولھویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں وینیشین اور فلورنشیائی چوب تراش تصویری چھپائی اعلا سطح کو چھو رہی تھی۔ اس کے بعد سولھویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں گیریمیل ڈی۔ فرانے نے اٹھ سو پچاس مصوّر کتابیں

برآمد کیں۔ جن میں چوبی ٹھپوں سے خوبصورت تصویریں چھاپی گئی تھیں۔ البرچ ڈیوارٹ چوب تراشی کے فن میں آگے بڑھتا گیا۔ چند برسوں کی محنت میں نہ صرف اطالیہ کا ہمسر ہو گیا بلکہ حیرت انگیز تیز رفتاری سے اس نے چوبی تصاویر کے طباعت کے فن پر اچھا خاصا قابو پا لیا اور فنی پختگی حاصل کر لی۔ اس کا اعلان جو ہزاروں جرمن کتابوں پر محیط ہے پہلے صرف اسٹراسبرگ میں قید تھا۔ پھر آگسبرگ جھیل اور آخر میں سوئٹزرلینڈ جرمن آرٹ کا مرکز ہو گیا۔ جیل میں دوسرا سب سے بڑا فن کار چوبی ٹھپوں کے ذریعے مصوری میں ہینس ہالبین ہوا ہے۔ جس نے بیسن میں 1538ء میں 'رقص اجل' کے خیال کی تصویر کشی میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ اس خیال کو 1485ء سے پہلے فرانس میں 'سائمن ولیٹر' نے دھات کے ٹھپے کے ذریعہ پیش کیا تھا۔ جو دوسری بار پیرس میں چوبی ٹھپوں سے چھپائی کیا ہوا 1485ء میں شائع ہو کر خوب مقبول ہو چکا تھا۔ اب ہالبین نے اس میں کچھ اور جان ڈال دی۔ اس کا فن نہایت واضح سادہ خطوط میں تصویریں تخلیق کر کے رومن یا اطالوی ٹائپ سے بڑی مناسبت رکھتا تھا۔ تصویر و تحریریں اس سے ہم آہنگی پیدا ہوتی تھی۔

چوبی ٹھپے

چوبی ٹھپوں سے چھپی ہوئی پہلی مصوّر کتاب جو اب تک دریافت ہوئی وہ البرچ فسٹر (Alberlch Phister) کی ہے۔ یہ پہلے ولیوں کی تصویریں اور اور تاش کے پتے وغیرہ چھاپتا تھا اس لیے چوبی ٹھپوں کے فن میں پورا ادراک رکھتا تھا۔ 1461ء میں اس کی ایک چھوٹی سی مذہبی کہانیوں کی کتاب شائع ہوئی اور کافی مقبول ہوئی۔ یہ جرمنی کی قدیم ترین مطبوعہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ چوبی ٹھپوں پر تراشی ہوئی ابتدائی تصویروں کے خطوط، ٹائپ کے ابتدائی بڑے حروف کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔ اور ان کتابوں کی آرائش کا اچھا خاصا سامان یہ تصویریں تھیں۔ کیونکہ دونوں اپنے مبتدیانہ نظام پر تھیں۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ البرچ فسٹر نے دس بیس سال اگلی جرمنی کی چوبی ٹھپوں کے ذریعہ مصوری کے ذریعے اعلا طباعت کا بیج بویا۔ جس سے ڈیوار اور ہالبین جیسے نامور آرٹسٹ پیدا ہوئے اور اطالیہ میں جس کی شاخیں ایک نئی سمت پھیلتی گئیں۔ چوبی ٹھپوں سے یہ چھپائی آگے چل کر تصویری خاکہ کشی تک محدود نہ رہ سکی۔ بلکہ اس میں (شیڈنگ) سایہ فگنی

کے ذریعہ ہرُ خی تصویریں بھی نمودار ہونے لگیں۔ اس قسم کی بہت سی تصویریں کولون بائبل میں نورمبرگ کے اشٹنے کوبرجر نے 1483ء میں استعمال کرکے شائع کیں۔ تو سولھویں صدی سے پہلے ہی آنکھوں کو حیرت زدہ کرکے مقبولیت حاصل کرچکی تھیں۔ اسٹیفن ارنڈیس نے بھی چوبی ٹھپوں کی تصویروں میں حیرت انگیز کام کیا جو 1486ء میں ُسلس وگیڈ میں طبع کیا گیا۔

پلنشین ۔ جرمنی میں چوبی ٹھپوں کی مصوّر چھپائی

پلنشین نے چوبی ٹھپوں پر تصویر تراشی کا بکثرت کام کیا ہے۔ لکڑی کے ذریعہ ایسی جان دار تصویریں پیش کیں کہ چوبی ٹھپوں کی عمر بڑھ اس کی چھاپی ہوئی تصویروں کی بدولت کافی اضافہ ہوگیا۔ اس کا اثر جرمنی پر بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ سترھویں صدی عیسوی میں جب چوبی ٹھپے دوسرے ملکوں کے چھاپہ خانوں میں دم توڑ چکے تھے اور تانبے کی پلیٹوں نے انہیں اچھی طرح دبالیا تھا اس وقت بھی جرمنی میں چوبی ٹھپے زندگی کا ثبوت دے رہے تھے اور ان پر پلنشین کا فن ابھر رہا تھا۔ چوبی ٹھپوں کے علاوہ اس نے تانبے کی پلیٹوں پر بھی نقوش سازی کا کافی کام کیا۔

چوبی ٹھپوں سے مصوّری کا عروج

اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں تھیوس ویوک ایک انگریز نقاش نے زیادہ دور اس کار نامے کا آغاز کیا۔ پچھلے دو صدیوں سے ڈوبا ہوا لکڑی کے ٹھپوں پر نقاشی اور مصوّری کا کام ویوک کے ہاتھوں ابھر کر ایک نئی زندگی پاگیا۔ گزشتہ ٹھپوں سے کھدے ہوئے نقوش سیاہ رنگ میں ابھرے تھے۔ اُن کے برعکس اب تصویر کے سفید نقوش ابھانے کی ایک نئی تکنیک پیدا ہوئی۔ یہ سفید نقوش کم اور زیادہ گھنی، سیاہ باریک لکیروں کے دامن پر روشنی اور تاریکی کی پرچھائیاں اور بڑے کمال کی سفید رنگ کے ساتھ سایہ فگنی دکھلانے لگے۔ جس سے مصوّری کے اعلانمونے چھاپنے پر مطابع کو پوری قدرت حاصل ہوئی۔ یہ اس قدر کامیاب کوشش تھی کہ پچھلی مطبوعہ کتابوں کی تصویریں اس کے آگے پھیکی پڑگئیں۔ خاکہ کشی میں ویوک کی صلاحیتیں ایک اعلا مقام پر ہیں۔ خصوصًا

حیوانات کی مصوری میں اس کی انفرادی حیثیت ہے۔ چھوٹے مرقعوں میں اس کا فن انتہائی عروج پر ہے۔ لکڑی کے ٹھپوں کا یہ جدید طریقہ انگلستان سے یورپ اور امریکہ تک بڑی تیزی سے پھیلا اور جب تک فوٹوگرافی کی اسٹیل پلیٹیں وجود میں نہیں آگئیں، تصویروں کی طباعت میں یہی طریقہ مقبول و مروّج رہا۔ ویوک خاکہ کشی کے فن میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ اس کی کتابیں چوپایوں اور پرندوں کی نہایت صحیح اعلا مصوری کے نمونے پیش کرتی ہیں۔ لکڑی پر یہ کھدائی بجائے چاقو باریک نوک کے ایک سوجے کی طرح آلے سے کی جاتی تھی کیونکہ اس فن کے لیے بہت باریک خطوط کی نقاشی درکار تھی۔

ویوک اسکول نہ صرف برطانیہ پر زمانۂ دراز تک اثر انداز رہا بلکہ امریکہ اور یورپ میں چوبی ٹھپہ کاری (زیلوگرافی) کو اس کی بدولت قبولیت عام حاصل رہی۔ فرانس میں جے۔ بی۔ پاپلون نے اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں بہت زیادہ چوبی نقش تراشی کا کام کیا، لیکن تاوقتیکہ وہاں انگلش اثرات نہیں پہنچے یہ فن اعلا سطح پر نہ آسکا۔ عظیم فن کار و طنز نگار ہونورے ڈی ڈومیئر، الفریڈ اور ٹونی جوہناٹ برادران اور پیرس کی شائستہ زندگی کا باکمال مصوّر پال گاوارنی سب ویوک اسکول کے احسان مند ہیں بلکہ اگلی صدی میں گسٹاوے ڈورے جس کے کارناموں کی وسعت ربیلائس سے بائبل تک ڈانٹے سے ایڈگر۔ ایلین پو تک یکساں طور سے اجتماعی و انفرادی ذہن و شعور کی جزئیات پر حاوی ہے۔ اپنی تخلیقات کو پوری کامیابی سے پیش کرنے کے لیے سب ویوک کے رہین منّت ہیں۔ انیسویں صدی میں ڈورے کی لازوال بہار چوبی تراشی پر فرانس میں ختم ہوگئی۔

جرمنی میں چوبی ٹھپوں کا زمانہ مدت دراز تک رہا۔ لیکن اٹھارھویں صدی میں ماڑنز وان۔ شوئنگ کے ہاتھوں ایک نئی جدت اور تازہ فنکاری کے ساتھ ابھرا۔ اس کی الپس۔ اکن کی مصوّر کہانیاں بہت مقبول ہوگئیں۔ اور گوگ رچڑ کی عوامی اور پرستانی کہانیاں اس سے کسی طرح کم درجہ پر نہیں ہیں۔ جس سے اعلا طبقے کے مذاق کا حقیقی رشتہ چارڈووکی نے اپنے تانبے کی پلیٹوں کے ذریعہ پیدا کیا۔ اسی زمانے میں الفریڈ رکیل کا رقص اجل ڈیوار کے طرز میں شہرت گیر ہوا۔ بعد میں فریڈرک اعظم کے جنگی کارناموں کی مصوّری میں ایڈولف۔ وان۔ نوبزل نے بھی کچھ کم شہرت نہیں لوٹی۔

نقشیں پلیٹوں سے مصوّری

چوبی ٹھپوں کے ساتھ کہیں کہیں دھات کی پلیٹوں پر بھی تصویریں اور ڈیزائن کندہ کیے جاتے تھے۔ 1457ء میں فسٹ اور اسکوفر نے جب پہلی بار چوبی پر نغمہ سرا (Psalm of David) شائع کی تو اس میں ٹائپ کے ساتھ حروف آغاز کے خوشنما ڈیزائن اور معلوں کے لیے بجائے لکڑی کے ٹھپوں کے دھات کی پلیٹیں استعمال کی گئی تھیں۔ مطبوعہ کتابوں میں دھات کی پلیٹوں کے استعمال کی یہ پہلی مثال تھی۔ آگے چل کر سائمن وسٹرا رینڈولٹ اور دوسرے کتب سازوں نے دھات کی نقشیں پلیٹوں کی مصوّری کے اعلیٰ نمونے پیش کیے۔ خصوصاً کرسٹوفر پلنٹین اور اس کے خاندان کے افراد نے بکثرت تصویروں کی چھپائی انٹورپ میں نقشیں پلیٹوں سے کی۔

1477ء میں پہلی بار جب فلورنس میں تانبے کی پلیٹ پر تصویری نقش کھود کر کتاب کی چھپائی کا تجربہ کیا گیا تو چھاپنے والوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ لکڑی کے بلاک سے تانبے کی پلیٹ کام کے معاملے میں بالکل مختلف چیز تھی۔ اس بنا پر شروع میں یہ تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن سولھویں صدی عیسوی تک مستقل کوششوں نے بالآخر اس دشوار راستے کو ہموار کر دیا۔ سولھویں صدی کے آخری برسوں میں سوا جرمنی کے پورے یورپ میں تانبے کی پلیٹوں سے تصویروں کی چھپائی نہ صرف عام طور پر رائج ہو گئی بلکہ ان کے آگے چوبی ٹھپوں کو پس پشت ڈال دیا گیا اور فرانس میں تو خاص طور پر تانبے کی پلیٹوں سے چھپی تصاویر اعلیٰ طبقے کے مذاق کو تسکین دے رہی تھیں۔ یہ صورت اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں تک رہی۔

باروک طرز کی کتاب سازی

کتاب چاہتی ہے کہ اس کا پورا پیکر حسن و دلکشی میں ڈھلا ہو۔ یہ تقاضا اس کے چہرے یعنی سرِ ورق کے لیے اور زیادہ ہے۔ نہ صرف مصنّف بلکہ قاری بھی چاہتا ہے کہ خوبصورت کتاب کا مطالعہ کرے۔ مصنّف کا تو یہ بھی جی چاہتا ہے کہ جس کتاب کے مواد کی ذہنی ترسیل کے لیے اس نے اس قدر محنت کی ہے اس کی کچھ جھلک تو سرِ ورق پر نمودار ہو جائے

کتاب کی اشاعت یعنی پبلشر اس سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی آرزو رکھتا ہے۔ لہٰذا سرورق کو بے حد جاذبِ نظر بنانے کی اسے بھی فکر ہے۔

اس کوشش نے سولھویں صدی عیسوی میں پہلی بار ایک نیا مخصوص اور موثر انداز اختیار کیا تھا۔ یہ باروک طرز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ ایک طرف تو کتاب کے مواد و موضوع کی نمائندگی اس کے سرورق سے ہوتی ہے۔ دوسری طرف کتاب کے ثقیل و گراں بار مواد و موضوع کے باوجود سرورق دیکھ کر خریدنے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً ایک سفرنامہ ہے۔ اس کے سرورق پر کچھ اجنبی چہرے' مختلف جانوروں کی شکلیں جن کے پس منظر میں کچھ علامتی نقوش و خطوط، ایک نادیدہ جہاں ایک حیرت نما عالم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کتاب کا ایک ایسا نمائندہ ڈیزائن سرورق پر پیش کیا گیا کہ ایک نظر دیکھتے ہی کتاب خریدنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔

اس کوشش میں پوری کامیابی کی سولھویں صدی میں توقع کرنا فن کی عمومی سطح سے بالا اور تاریخی عہد سے پہلے اس سے مطالبہ کرنا تھا۔ لیکن اس وقت بھی کچھ آرٹسٹ عمومی سطح سے بلند ایک تاریخ ساز حیثیت رکھتے تھے۔ جن میں نیدرلینڈ کا ایک فنکار ربن Roben اور اس کے شاگردوں کے نام ناقابل فراموش ہیں۔ جنھوں نے اپنے خط کشیدہ خطوط میں عجب معنوی لوچ اور لچک پیدا کی تھی۔ اور اپنے خاکوں کے ذریعہ تصور کے نئے نئے میدان تخلیق کیے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ربن نے سرورق کے لیے ڈیزائن بنانے کے فن کو ترقی کی ایک نئی راہ پر لگا دیا۔ اس نے خاندان گال کے کچھ افراد کی مدد سے جو تانبے کی پلیٹوں پر نقاشی کے ماہر تھے، پلنٹین مطبع کے 'بال تھامر موڑیس' کی فرمائش پر جو علامتی خاکے پیش کیے۔ وہ آج کی جدید علامتی مصوری کی ابتدائی سیڑھیاں تو ضرور تھیں مگر ایک سربلند مینار کی طرف جاتی ہوئی صاف نظر آتی تھیں۔ ان کا رخ جلدوں پر چمک بھڑک سے بہت دور ایک نادیدہ جہانِ مستقبل کی طرف تھا۔

عام طور پر ربن کسی مواد و موضوع کے پیش نظر کچھ سرسری لکیریں کھینچ دیتا تھا۔ جن میں ایک مصوری خاکہ قید ہوتا تھا۔ اسے (Inverit) کہتے ہیں۔ اس پر دوسرا آرٹسٹ تصویر ابھارنے کا کام انجام دیتا تھا، جسے (Delincant) کہتے ہیں۔ تیسرا شخص تانبے کی پلیٹ پر اس کا نقش کھودتا تھا۔ جسے (Sculpsit)

کہتے ہیں رَبن کی بدولت انیشورپ پلنٹین پریس کی تانبے کی پلیٹ کے ذریعہ مصوّر کتابوں کی اہمیت اور وقعت اس کے مرنے کے بعد بھی سترھویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ بلجیم اور خصوصاً ہالینڈ کتاب سازی کے فن میں عرصے تک یورپ کی رہ نمائی کرتا رہا، جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ نیدرلینڈ نے اپنا سیاسی استحکام صدیوں تک برقرار رکھا، وہاں کی آزاد خیال لبرل حکومت سے فنکاروں کو فنی تخلیق کے لیے ایک آزاد اور پُرامن فضا' ایک اطمینان بخش ماحول حاصل ہوتا رہا۔ اس وجہ سے وہاں رینبد کی ذہنی صلاحیت خاص طور پر بارور ہوئی۔

تانبے کی پلیٹوں سے مصوری کا عروج

لوئیس پنجم کے عہد کی باوزن باروک طرزِ مصوری جو مجموعی فن مصوری اور کتاب سازی کے ہنر پر بیس پچیس برس سے چھائی ہوئی تھی، اٹھارھویں صدی کی پُرآسائش شاہانہ زندگی سے مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ سماجی طاقتیں جو اس صدی کے آخری حصے میں انقلابِ عظیم برپا کرنے والی تھیں۔ ان کی لہریں طوفان سے قبل کے اس سمندر میں ابھی تہ نشین تھیں۔ اور بالائی سطح پُرسکون تھی۔ جس پر بادشاہ، امرا اور نوابوں کی خوابناک رنگینیاں ایک عام آدمی کی آنکھوں کو قصرِ شاہی کی راحت و آسائش کا نقشہ دکھا رہی تھیں۔ فن کے رگ ریشے میں عشق و محبت کا جذبہ مستقل ایک نظریۂ حیات تھا جو بہت باریک' بہت نازک ہوکر اپنا جلوہ دکھا رہا تھا حتیٰ کہ سیاست میں بھی لطیف محبت کے جذبات نے شاہی داشتاؤں اور محبوباؤں کی مداخلت کو اس قدر گہرائی تک پیوست کر دیا تھا کہ نظمِ حکومت اور تدبیرِ سیاست میں ہر جگہ ان کا اثر و نفوذ تھا۔

زندگی کے اس فکری انداز نے فن کے 'رکوکو' طرز میں اظہارِ تعیش کا ایک پسندیدہ اسلوب پالیا تھا۔ فن کی عظمت اور تخیل کی گرانباری کی جگہ ہلکے پھلکے نفیس و لطیف نقوش اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتابوں کی جگہ کثیر تعداد میں چھوٹی، سبک' خوبصورت جلد کی کتابیں نظر آنے لگیں۔ تانبے کی پلیٹوں پر نقاشی، کتابوں کی آرائش میں بڑی کشادگی سے اپنا حق ادا کرنے لگی۔ کتاب کے ہر جزو کا آغاز ایک چھوٹی سی دلکش تصویر سے ہوتا تھا۔ اس قسم کی ہلکی پھلکی

چھوٹے سائز کی تصویریں پوری کتاب میں آزادی کے ساتھ ہر جگہ بکھری نظر آتی ہیں۔ ان تصویروں میں سب سے زیادہ کیوپڈ کی پرواز کناں کتاب شبیہ گلاب کی لڑیوں کے حلقے میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ سابق حاشیوں کی قید میں رسمی تکلفات کی یکساں پھولدار بیلوں سے "روکوکو" فن نے کتابوں کی زیبائش کو آزاد کر کے ان کی جگہ چھوٹے صدف نما خاکوں میں پام کی شاخیں قدرتی انداز میں درختوں کے کنج۔ خوشنما پھولوں اور پھلوں کی خمیدہ شاخیں، پہاڑوں کے ڈھال اور پیچ و خم کھاتے ہوئے چشمے۔ سمندر کے مقابل کوئی چٹان، یہ سب کم و بیش غیر رسمی انداز میں نیچر کے قریب لاکر اس زمانے کی کتابوں میں پیش کیے گئے ہیں۔

فرانسیسی فن کاروں اور مصوّروں نے اس جدید "روکوکو" فن کو کتابوں میں جلد ہی تکمیل وکمال تک پہنچا دیا۔ سوئس، جرمن، انگریز اور دوسرے ملکوں کے فن کار جو پیرس میں کام کر رہے تھے، سب نے مکمل طور پر فرانس کا یہ طرز اختیار کیا۔ اس طرز کی شاندار لائنوں کی کشیدہ اب تانبے پر کھدائی سے اتنی عمدہ مناسبت رکھتی تھی، کہ ان نقاشوں نے نہایت صحیح قدرتی انداز حسن کی تصویریں تخلیق کر کے اس عہد کے مذاق لطیف کا بھرپور اظہار کیا۔ اور تانبے کی پلیٹوں کا کام انتہائی عروج پر پہنچ گیا۔ البتہ اس فن کی لہر نے کہیں کہیں کتابوں میں غیر متوازن تصویری بہتات بھی دکھائی۔ اکثر موقعوں پر اتنی زیادہ تعداد میں جاذب نظر تصویروں نے کتاب کے اصل موضوع سے توجہ بالکل ہٹا کر اپنی طرف مائل کر لی۔ اور بیشتر تصویریں کتاب کے حقیقی مواد سے واسطہ تعلق ہی نہیں رکھتی ہیں۔ تاہم وہ کتابیں جو تصویری مواد ہی پر مبنی ہوتی ہیں جیسے تعمیرات کے مصوّرانہ خاکے، علم حیوانات و نباتات پر کتابیں بیرونی ملکوں کے سیاحت نامے وغیرہ وہ بڑی جلد کی کتابوں میں "روکوکو" فن پر قابل دید ہیں۔

اس طرز کا سب سے پہلا نمونہ "ڈیفنس اینڈ کلو" یونانی مصنّف "لونگس" کی کتاب ہے جو پیرس میں 1718ء میں تانبے کی پلیٹ پر چھپی۔ اس کی مصوری "ڈیوک خلیب آف آرلین" نے کی تھی۔ یہ فن عروج پر 1734ء میں مولئر کے ایڈیشن سے ہوا۔ جس میں مشہور مصوّر "باوچر" کی دو سو تصویریں ہیں۔ 1775ء تک اس طرز کی بہت سی کتابیں نظر آنے لگیں۔

تیسرا باب

کتاب کی جلدیں

وسط سولھویں صدی یعنی ٹائپ حروف کی ایجاد اور چھاپے خانوں کے وجود میں آنے کے سو برس بعد تک جلد سازی کوئی علاحدہ پیشہ نہ تھا۔ بلکہ چھپائی سے لے کر آخری تکمیل تک یہ کتب سازی کا ایک جزو تھا جسے کتاب چھاپنے والے اپنے تربیت یافتہ ملازموں کی مدد سے انجام دیتے تھے۔ خاص کر بڑے مطبع اپنی کتابیں جلد بندی کے بعد بازار میں لاتے تھے۔ جیسے ریٹ ڈولٹ، کاکسٹن یا کوبرجر اپنے مطبع میں یا اس سے باہر اپنے مخصوص جلد سازوں سے کام لیتے تھے۔ مگر جب کثرت طباعت کی وجہ سے سستی کتابیں بہ افراط بازار میں آنے لگیں تو جلد سازی نے ایک علاحدہ ہیئت کی صورت اختیار کی چونکہ جلد بندی بھی کتاب کی آراستگی کا ایک جز تھی اس لیے کتاب کی قدر و منزلت کے نقطۂ نظر سے اس کام میں پیشہ ورانہ درجہ بندی کی شکل پیدا ہوگئی۔ اس کے ماہرین نے طرح طرح کی ایجادیں شروع کیں۔

بلائنڈ اسٹیمپنگ

پندرھویں صدی کے آخری برسوں میں ہالینڈ کے کتب سازوں نے دھات کی پلیٹ پر خوشنما ڈیزائن کے ٹھپے بنا کر پورے سرورق پر اسپرنگ کے دباؤ سے چھپائی کا نیا طریقہ ایجاد کیا جسے بلائنڈ اسٹیمپنگ کہتے ہیں اماسنگ (Imbossing) طریقہ کے جیسے پہلے چھوٹے اسٹامپ پر ڈیزائن کاٹے جاتے تھے اب بڑے ٹھپوں کے اسٹامپ تیار ہونے لگے ملکی کے ڈیزائن میں دلیوں اور فرشتوں کی شبیہیں طرح طرح

کے پرندے، مافوق الفطرت حیوانات، پھول پتیاں، دو یا ایک شیڈ وغیرہ شامل تھے۔ اگر جلد بڑی ہوتی تو کئی ٹھپوں کی پلیٹوں کے جوڑ پیوند سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ بڑی پلیٹیں بہ مقابلہ چھوٹے اسٹامپ کے جلد یا سرورق کی چھپائی میں تیز رفتاری سے کام انجام دینے لگیں۔

یہ طرز ہالینڈ اور رہائنڈ لینڈ میں بڑی تیزی سے فروغ پا گیا۔ لیکن بقیہ جرمنی کے حصوں میں بہت برسوں تک عام طور پر رائج نہیں تھا۔ وہاں جلد پر وسط میں آڑی لکیریں کھینچ کر چھوٹے چھوٹے ٹھپوں سے شکلیں بنانے اور اُن کے گرد باریک تحریر کا عرصے تک رواج رہا۔ یہ تحریر خواہ آیات انجیل کی ہو یا چھاپے خانے کی تعریف و تعارف میں سب یکساں کاری گری کے مستحق تھے۔ جلد سازی کا پیشہ پورے یورپ میں نہ صرف راہبوں اور یونیورسٹی کے مقررہ جلد سازوں تک محدود تھا بلکہ آزاد جلد ساز دست کاروں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا تھا۔ پندرھویں صدی میں کچھ مخصوص طور پر کتابیں سجانے والوں میں شہر لیوک میں ہینرک کوسٹر اور ادفرٹ، نے ' جوہان فیوگل ' ناموں نے شہرت پائی۔ ہالینڈ سے دھات کی چادروں کی ٹھپے کاری ' فرانس اور انگلینڈ پہنچی۔ بہت سے چھاپے خانوں کی طرح کتابیں سجانے والے بھی گھوم پھر کر ملکوں ملکوں میں جلد سازی اور کتب آرائی کرتے پھرتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا ملکوں میں یہی سیاح جلد ساز یہ ہنر لے کر گئے۔ ان کے ذریعہ کیمبرج کے مطابع میں بہت جلد تمام تزئینی اسٹیمپنگ رائج ہو گئی۔ اس نے مصوّری کے فن میں بھی کچھ نئی ترقی کے راستے نکالے۔

الڈائن کتاب سازی کا تاریخ ساز ادارہ

الڈائن کاروبار کا ادارے میں جلد بندی کا کام بھی شامل تھا۔ جس کا بیشتر حصّہ مراکش طرز پر تھا۔ اس طرز کی جلد سازی کے لیے اسے شمالی افریقہ سے بکریوں کی کھالیں منگانا پڑتی تھیں۔ الڈائن کی جلد سازی یورپ میں اسلامی انداز کی جلدیں پیش کرنے میں اوّل تھی۔ اسلامی جلدوں کا معیار حسن و نفاست کے اعتبار سے دنیا میں سب سے بلند رہا۔ لہٰذا الڈائن کتب کے ذریعہ یورپ کو ایک طرزِ خاص کی فن کاری کا کام جلدوں پر دکھائی دیا۔ یہ ہنر یورپ میں الڈائن کے ذریعہ وسعت گیر ہوا۔ یورپ میں کتابوں کی جلدوں

میں لکڑی کا تختہ استعمال کرنے کا عام رواج تھا۔ ایلڈائن نے عربوں کی تقلید میں جلدیں چمڑے کے نیچے دفتی رکھنا شروع کیا۔ یہ مشرقی جلد سازی کی خصوصیت تھی۔ اگرچہ یورپ میں عموماً ایلڈائن کی مشرقی انداز کی سبک جلدوں کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن فرانس کے بادشاہ، نواب اور امرا ایلڈس کے اس سادگی پسند ذوق سے مطمئن نہ تھے۔ وہ کتابوں کی چمک، بھڑک کے قائل تھے۔ جہاں زمانہ دراز سے سونے چاندی کے پتر اور ہیرے جواہرات تک جڑنے کی رسم چلی آ رہی تھی۔

اس زمانے میں ایلڈس کی رسم وراہ گرولیئر سے بڑھنے لگی۔ گرولیئر کتابوں کا شیدائی تھا اور اس کا مذاق کتب بھی یورپ کی کتابوں کی تاریخ پر نقش ہے۔ اس کی فرمائش پر ایلڈس کچھ مخصوص کتابیں تیار کرنے لگا، جن کی جلدوں پر تزئین کام کرکے انھیں خوب بھڑکدار اور قیمتی بنایا جاتا تھا۔ ان پر سنہری عربی طرز، وسطی حصے کے گرد دواں دھاریاں اور ان کے درمیان کتاب کا نام اور عنوان سنہرے رومن حروف میں نقش ہوتا تھا۔ کتاب کی پشت پر گرولیئر کا مخصوص موٹو، یہ کتاب گرولیئر اور اس کے دوستوں کی ہے، نظر آتا ہے۔ ۱۵۶۵ء میں گرولیئر کا انتقال ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی لائبریری تتر بتر ہوگئی۔ صرف چار سو کتابیں اس کے نام کی جلدوں کی دستیاب ہو سکیں۔

گرولیئر کا ہم عصر ماہو بھی اسی کی طرح جلدوں کی خوبصورتی کا رسیا تھا۔ اس کی جلدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جال دار کندھائی کرکے شیرازہ اوراق سے لپٹا ہوا جلد سازی میں مستعمل ہے۔ اس کی کتابوں پر بھی گرولیئر ہی کی طرح مقولہ منقوش ہوتا تھا، یہ کتاب ماہو اور اس کے دوستوں کے لیے ہے، یہ دونوں صحیح مفہوم میں کتابوں کا عشق رکھتے تھے جس کا احساس ان کے کام سے ہوتا ہے۔ کتابوں کا ایک میرا شائق، ڈمیٹریو کنیوری یوپ کا خاص طبیب تھا۔

ابھرے نقوش کی جلدیں

ابھرے ہوئے نقوش کا جلدوں پر کام بھی کتاب کے حسن و آرائش کا سلسلہ ہے۔ ۱۴۶۹ء سے جرمنی کی جلد سازی میں ایک چیز ایجاد ہوئی تھی۔ یہ ایک پتلا سا گول پہیہ جیسی شکل کا چرخی کی طرح گھومتا ہوا، رولٹ اوزار تھا جو آج بھی کتاب سازی کے کام میں مستعمل ہے۔

پیٹے کی چوڑی پٹری نماگر پر ڈیزائن کھدا ہوتا ہے۔ اس کو جلد کے نم چمڑے پر جب سخت دباؤ کے ساتھ دوڑایا جاتا ہے تو بارڈر یا حاشیہ نما خوبصورت حلقہ تیار ہو جاتا ہے جس میں تصویریں اور حروف کے دلکش ڈیزائن جلد کی سطح سے اوپر ابھر آتے ہیں۔ یہ چرخی جس زمانے میں ایجاد ہوئی تھی اس پر مختصر مذہبی تصویریں انسانی جذبات کردار کے چھوٹے علامتی مرقعے، شہزادوں یا عظیم تاریخی ہستیوں کی شبیہیں یا کچھ کم الفاظ میں کچھ حقائق نقش ہوتے تھے۔ یہ بہت کم وقت میں نہایت تیزی سے نمودار ہو جاتے تھے۔

مشرقی کتب سازی کا مغرب پر اثر

پندرھویں صدی کے اختتام پر جب یورپ میں چھپائی کی فنی ترقی ہو رہی تھی اور کتابوں کو زیادہ سے زیادہ سجانے کی تحریک تھی، اسی زمانے میں کچھ جلد ساز ایشیائی ممالک سے اس صنعت میں کچھ نئے اضافے، مختلف تکنیکی پیرائے اور کتاب کی آرائش کے نئے کچھ ڈھنگ لے کر آئے۔ ایشیائی ملکوں میں اس وقت کتاب کی معنوی تخلیق کے ساتھ اس کی ظاہری شکل پر بھی بہت توجہ صرف کی جا رہی تھی۔ کتاب کی جلد اور اس کی کتابت کو آراستہ پیراستہ کرنے کی فنکارانہ کوششیں ہو رہی تھیں۔ جن کی بدولت کتابت سازی کا فن مشرق میں نہایت اعلا مقام پر تھا۔ اس فن میں عرب، ایران و ترکستان کی جدا جدا خصوصیات تھیں۔ عرب جلد سازی میں سنہرے کام پر کسی حد تک قبطی دور کی کتابوں کے اثرات ہیں۔ لیکن جلدوں میں چمڑے کے نیچے کاغذ کی تہیں یا دفتی کا استعمال خاص عربوں کی ایجاد ہے۔ ایرانی کتابوں میں جلد پر خوبصورت پھول پتیوں کی نازک بیلیں نہایت نفاست سے بنائی جاتی تھیں۔ ان میں سنہرا یا نیلا، سنہرے ورق یا سنہرا اور رو پہلا ملفوف استعمال ہوتا تھا اسی طرح کتابت میں بھی بین السطور طلائی اوراق بڑی نفاست سے کھپائے جاتے تھے۔ کتاب سازی اور جلد سازی کی یہ روایت سلجوقی حکمران اور پھر ہندوستان کے مغل فرماں رواؤں کے عہد میں بھی اسی آب و تاب سے جاری رہی۔ بلکہ تیموریہ خاندان کے زمانے میں سرورق کے نقوش کچھ اور نفاست و نزاکت سے پیدا ہو رہے تھے اور اندر کے کام میں بھی زیادہ سلیقہ مندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس دور کی نمایاں خصوصیت باریک اور مختصر نقاشی ہے چھوٹے چھوٹے

مصوری کے صدف یا بادام نما گلزار اور بہت باریک پھول پتیوں کے ترنج، حاشیوں پر نازک بیلیں جن میں طرح طرح کے رنگ بھرنے کے علاوہ ان کو مطلا بھی کیا جاتا تھا۔ کتاب کی جلد کا جو حصہ پشت کی طرف ہوتا تھا اس کا چمڑا محل بہ حصتر کے ساتھ کتاب کی چوڑائی سے جھک کر کتاب کے سامنے کے رخ پر نقاب ڈالتا ہوا۔ جلد کے پشیں حصے کو مثلث نما شکل میں ڈھک لیتا تھا۔ اس مثلث نقاب پر ایک صدفی یا بادام کی شکل کا خوبصورت نقش بنا ہوتا تھا۔ اس نقش کو تعویذ کہتے ہیں۔ اس کو سونے کے ورق یا پانی سے نہایت خوشنما پھول پتیوں اور طغرے سے سجانے میں فنکار بڑی ریاضت کا ثبوت دیتا تھا۔

یورپ میں مشرقی کتاب سازی کا مذکورہ فن سب سے پہلے اطالیہ اور ہنگری پر اثر انداز ہوا۔ اور بلقان میں تو بڑی جلدی رائج ہو گیا۔ کیونکہ وہاں مغربی ایشیا اور ایشیائے کوچک کے اسلامی سلطنت سے کچھ فن کار پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی آکر اس طرز کتاب سازی کو وسعت دینے کا سبب ہوئے تھے۔ اٹلی نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے خاص طور پر مراکش اور مشرقی طرز کی جلدوں کو اپنایا۔ اس کے بعد فرانس، جرمنی اور ہالینڈ اور آگے چل کر انگلستان میں اسے مقبولیت حاصل ہو گئی۔ سولھویں صدی کے وسط تک یورپ کے بڑے حصے میں مشرقی اور عربی طرز کی جلدوں نے جگہ حاصل کر لی تھی۔ لیکن اٹھارھویں صدی تک جرمنی اور انگلستان میں لکڑی کی جلدوں کا بھی استعمال ہو رہا تھا۔ مکمل طور پر ان کا خاتمہ اٹھارھویں صدی کے اختتام تک نہ ہو پایا۔

کارچوبی جلدیں

جلدوں پر جب پریس چھپائی کی جگہ مہر، بار دلشت کے ذریعہ چھپائی کو انتہائی مقبولیت فرانس سے بڑھ کر انگلستان میں ہوئی اور اودلٹ پرد ہالے کے نقاشوں نے طرح طرح کے ڈیزائن کھود کر جلدوں کو عموماً چھاپنا اختیار کیا ہے۔ اسی زمانے میں انگریزی جلدوں میں اور بھی بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ان کی ابتدا وسط سولھویں صدی سے ہوئی۔ انگلستان نے جلدوں کے ڈیزائن، جرمنی سے بہت مختلف شکل کے تیار کرنا شروع کیے۔ پھول پتیوں کی شاخوں کے درمیان عجیب و غریب حیوانات کی تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ یا شاندار محفلِ رقص و طرب کے مناظر نقش ہوتے تھے۔ اس زمانے میں انگلستان

کے بادشاہ اور درباری امرا کتابوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے۔

ملکہ الزبتھ کو مخمل اور ریشم کی جلدوں کا بہت شوق تھا۔ اولاً ان پر کارچوبی اور زردوزی کا کام بنوایا گیا۔ ان میں الڈائن اور گرولیئر کے ہنر کی تقلید بڑی کامیابی سے کی گئی۔ مگر اس قسم کی جلدوں کا سو برس پہلے ہی سے دور دورہ تھا۔ انگلستان کا شاہی مذاق کچھ اس میں طرفگی اور جدت پر مصر تھا۔ لہٰذا ان پر سنہرے تاروں کی بنائی اور کڑھائی کر کے جلدوں کی حسن و آرائش کے نئے انداز ایجاد کیے گئے۔ سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی میں مخمل پر تاروں کی اس جال دار کڑھائی کے بیچ بیچ حلقوں میں موتیوں کا کام بھی کیا جانے لگا۔ اس قسم کی کارچوبی کام کی مخملی جلدیں موتیوں کی مرصع کاری کے ساتھ انگلستان میں اس عہد کی تمام شاہی خاندان کی کتابوں پر نظر آتی ہیں۔ یہ مخملی اور ریشمی کارچوبی کی جلدیں ڈیزائن کے اعتبار سے ابتدائی چمڑے کی مرقع کار جلدوں سے بالکل سے مختلف ہیں۔ اگرچہ ان پر بھی گھسی نگینہ سازی ہوتی تھی۔

جلدوں میں لیس کا استعمال

فرانس میں اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں ایک بار پھر جلدوں کو طرفہ انداز سے سجانے کا رجحان پیدا ہوا۔ کتاب کے اس نئے حسن کی تخلیق کا بانی ایک جلد ساز آنیتوئن میکائیل پڈلوپ، تھا۔ لوئیس پانزدہم کے زمانے میں شاہی خاندان کی کتابوں کی جلد سازی کا کام 'پڈلوپ' کے سپرد تھا۔ لوئیس کی ملکہ میری لیزی سنسکا، اور بادشاہ کی محبوب داشتہ 'میڈم پام پیڈور' کی کتابوں پر میکائیل پڈلوپ کے زیادہ تر دستخط پائے جاتے ہیں۔ جلد کا اس نے ایک نیا نمونہ تیار کیا۔ اس نے چمڑے کی جلد پر موزیک کے مختلف رنگوں کے ٹکڑے جوڑ کر ٹاپسٹری قسم کا پڑاتے دار ڈیزائن ایجاد کیا۔ کچھ دنوں بعد ان جلدوں پر لیس لگا کر اُن کے حسن کو اور عروج پہنچایا۔ یہ کھڑے کناروں کی آرائش چوڑی لیس ہر ایک جگہ کی کگروں سے شروع ہو کر کسی قدر وسطی حصے کی طرف بڑھ کر آجاتی ہے جہاں کتاب کے مالک وغیرہ کا نام لکھا ہوتا ہے۔ اس میں کچھ اور تنوع بھی پیدا کیے جاتے رہے۔ مثلاً کبھی

پشتی بان کی طرف بھی پھول پتّیوں کی آرائش کی جاتی۔ بعض اوقات لوح اور گوشوں کو کچھ اور طرح نگں سے مزیّن کیا جاتا۔ لیکن لیس کے لوازم خاص طور سے اس زمانے میں ضروری ہو گئے تھے کیونکہ شاہی خواتین میں اس قسم کی جلدیں بہت مقبول تھیں۔

چوتھا باب
کتاب کے کچھ اہم مسائل

مغرب میں تلف کی گئی
کتابوں کا احتساب

اس احتساب کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ 214 ق۔م میں چین کے شہنشاہ وشی ہوانگ تی' اور 59 ق م میں شہنشاہ آگسٹس' نے کتابوں کا احتساب کیا تھا۔ ان کے مواد و موضوع کو قابل اعتراض ٹھہرا کر بے شمار کتابوں کو ضبط نشر و اشاعت کیا تھا، جلا یا پھونکا اور تلف کیا تھا۔ اس احتساب اور آزادیٔ تحریر پر پابندی کا سلسلہ اس وقت سے چلتا ہوا اور قرون وسطیٰ کو طے کرتا ہوا جب اٹھارھویں صدی تک پہنچا تو انسان کا ذہن بلوغ و شعور کے عہد میں داخل ہو چکا تھا۔ دنیا ئے انسانیت نے عموماً اور یورپ کے قارئین کتب نے خصوصاً احتساب کتب پر سخت احتجاج کیا۔ آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تحریر و تقریر کا حق طلب کیا۔ تصنیف و طباعت کے تحفظ کا مطالبہ کیا۔ جوں جوں اٹھارھویں صدی کے سال بڑھتے گئے۔ عمومی ذہن کی بیداری اور انسان کی خود اعتمادی بڑھتی گئی۔ کچھ مدت تک جمہور کی آواز صدا بصحرا رہی جس سے عوام میں جوش و خروش پیدا ہوا۔ اب سلاطین بھی چونکے۔ تحریک نے اور زور پکڑا۔ آزادیٔ رائے اور حقوق جمہور کی حفاظت میں فرانس اور تحفظ تصنیف و طباعت میں جرمنی نے پیش قدمی کر کے مطالبے میں شدت اختیار کی۔ حالات دگرگوں ہو گئے۔ اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں انقلاب فرانس نے جور و استبداد کی آنکھیں کھول دیں 1788ء میں مطلق العنانی کے تخت کو تختۂ دار بنا دیا گیا۔ بالآخر یورپ کے ہر ملک میں کافی اصلاحات ہوئیں۔ جرمنی نے اس تحریک کو چلانے کے لیے 1825ء میں جرمن مرکزی تجارت کتب کا ادارہ قائم کر لیا تھا۔ دس سال میں عوام کی حمایت حاصل کر کے اتنا اثر پیدا کر لیا کہ حکومت کو مطالبے پر غور

کرنا پڑا۔ 1848ء میں کتابوں پر احتساب (سینسر شپ) موقوف کرنا پڑا۔ 1870ء میں تحفظِ حقِ تصنیف و ملکیتِ مصنف کا قانون پاس ہو گیا۔ جس کی رُو سے مصنف کو کتاب لکھنے کا حق حاصل ہو گیا۔ اس کے مرنے کے تیس سال بعد تک اس کی ہر تصنیف کے تحفظ کی ذمہ دار حکومت ہو گئی۔ اس قانون سے تصنیفات کے سرقے کا بھی انسداد ہوا۔ یورپ کے قریب قریب سب ملکوں نے جرمنی کے اس قانون کی پیروی کی جس میں انگلستان اور فرانس سب سے آگے تھے۔ اس طرح انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ سے احتساب کی لعنت ختم ہوئی۔ امریکہ پہلے ہی سے آزادیٔ تصنیف کی راہ پر عمل پیرا تھا

حقِ طباعت و تصنیف کا تحفّظ

ایک مصنف کی خواہ کوئی معمولی کوشش ہو یا بڑا کارنامہ، اس کے حقِ تصنیف کے تحفظ کی زمانۂ دراز سے سخت ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ رومن عہد میں جب کہ چرمی پارچوں پر ہاتھ سے کتابت ہو رہی تھی یا قرونِ وسطیٰ میں آگے چل کر جب کاغذ پر کتب نویسی کا دور تھا، مصنّفوں کے ساتھ دھوکہ بازی اور ان کی محنت کا سرقہ ناشرین کتب بھی کرتے تھے اور گھٹیا مصنّفین بھی۔ چھاپے خانوں کے وجود میں آجانے کے بعد بھی بہت عرصے تک اس بدعنوانی کا سلسلہ جاری رہا۔

آخر کار جرمنی کے بڑے بڑے ناشرینِ کتب اور مالکانِ مطابع کی ایک تنظیم نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور زبردست تحریک تحفظِ حقِ طباعت و تصنیف کا قانون بنانے کی غرض سے شروع کی۔ جس کے نتیجے میں 1825ء میں کسی قدر کامیابی ہوئی اور تحفظِ تصنیف و اشاعت کے قانون کی بنیاد پڑ گئی۔ یہ قانون پہلے حکومت جرمنی نے اپنی ریاست کی حدود میں 1870ء میں وضع کر دیے۔ جس کی رُو سے ایک مصنف کے کام کی نقل دوسرا پیش کرنے کا مجاز نہیں رہا۔ ساتھ ہی ایک اشاعت شدہ کتاب کو کسی دوسرے مطبع سے چھاپ کر دوسرا ناشر نہیں شائع کر سکتا تھا۔ لیکن یہ قانون اس لحاظ سے زیادہ سودمند نہ تھا کہ دوسرے ممالک کے مطابع و ناشروں کے سلسلے میں قطعاً غیر موثر تھا۔ یہ کاپی رائٹ کا ملکی قانون غیر ملکوں کے پریس اور پبلشر کی سرقہ بازی میں حارج نہ تھا۔

1886ء میں برن کنونشن ہوا جس میں یورپی ممالک کی اکثریت نے ایک کنونشن کی صورت میں تحفظِ تصنیف و اشاعت کے حق میں متفق ہو کر دستخط کیے جس کے تحت تمام تصانیف و فن کارانہ چیزوں کے حق ملکیت کے احترام کا معاہدہ ہو گیا۔ انیسویں صدی کے آخر تک اس سلسلے میں اور زیادہ تحفظ نہ ہو سکا۔

یورپ کے مختلف ملکوں میں کتاب سازی کا معیار

نگینوں سے مرصع کاری جرمنی میں پھر سے ایک بار سولھویں صدی میں لوٹ آئی تھی۔ پروشیا کے "ڈیوک البرٹ" کا مطبع کتب اس سلسلے میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ ان کتابوں کی جلدیں ممتاز و منفرد ہیں۔ یہ کام کانسبرگ کے ایک سنار کا بنایا ہوا ہے۔ اسی زمانے میں فرانس کی کتب سازی کا معیار عروج پر تھا۔ ہنری دوئم نے اپنی اور ملکہ کیتھرین آف میڈیسی، نیز اپنی داشتہ "ڈیانا پوئیٹرز" کی اتنی خوبصورت کتابیں بنوائیں کہ دربار کے امرا طبقہ شرفا اور تمام باذوق جامع کتب ان کی نقالی کرنے لگے۔ ان کتابوں میں زیادہ سے زیادہ ہنرمندی اور کمالِ فن اس عہد کے کتب سازوں نے پیش کر دیا۔ ایسی عمدہ جلدیں آگے فرانس میں نہ پیدا ہو سکیں۔ ان کے طغرے حرف 'ایچ' (H) کے ساتھ 'سی' (C) یا 'ڈی' (D) نہایت خوبصورتی سے نقش کیے جاتے تھے۔ کہیں نصف چاند اور تیر و کمان جو شکار کی دیوی ڈیانا کا نشان ہے ان کتابوں کی امتیازی خود نمائی کرتا نظر آتا ہے۔

فرانس میں اعلا کتب سازی 'چارلس نہم' اور 'ہنری سوئم' کے عہد میں بھی جاری رہی۔ ہنری سوئم کتابوں کی خوبصورتی کا جذباتی طور پر دل دادہ تھا۔ اس کا شاہی جلد ساز نکولس ایو، پیرس کا بہت بڑا کتب فروش اور ناشر کتب تھا۔ ایو کی جلدوں کا پورا گرد پوش کنول کے پھولوں سے ڈھکا رہتا تھا۔ اس کا 'فین فیئر' طرز خاص شہرت رکھتا تھا۔ جس میں گرد پوش کا بڑا حصہ پام اور لاریل کی شاخوں اور دوسرے قدرتی پھول دار پودوں سے بالکل فطری انداز میں سجایا جاتا تھا۔ اس طرح کی تزئین ظاہر کرتی ہے کہ طلائی کار چوبی کا فن اس وقت کمال کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اطالیہ کی سرزمین پر کیمیو طرز کی نفیس جلد سازی سولھویں صدی کی ابتدائی دو

دہائیوں تک' فلیپو جنتا' کے ذریعے فلورینس میں نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اور سولھویں صدی کے دوسرے نصف میں گبریئل۔ ڈی۔ فرائیر سے وینس کی کتب سازی میں تصویروں کا کام اپنی انتہا کو پہنچا۔

ہالینڈ میں ایلزویر میں 1625ء سے 1675ء تک اپنے مطبع کی اعلا روایات قایم کیں جو اٹھارھویں صدی تک قایم رہیں۔ اِدھر بلجیم میں پلنٹین اور اس کے ورثا اینٹورپ کے مطبع کے ذریعے انیسویں صدی کا تین چوتھائی حصّہ تانبے کی پلیٹوں اور چوبی ٹھپوں سے تصویر تراشی کا ایک تاریخ ساز عہد ہے۔ سوئیس نقاش' میٹ ہاؤس اور اس کی دختر' سبلا' کا تانبے کی پلیٹوں سے مصوّری کا کام بھی ناقابل فراموش ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آخری برسوں میں انگلستان کا بیوک اسکول یورپ کی مصوّر کتابوں کو اپنے فن سے ایک ارتقائی منزل پر پہنچاتا ہے۔

پانچواں باب

امریکی اور روسی چھاپے خانے

دنیا کی تاریخ میں امریکہ نئی دنیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں کاغذ کی صنعت اور چھپائی کا فن یورپ کے جن ملکوں کے بعد آیا لیکن اس نے جتنی تیز رفتار ترقی کتابوں کی تاریخ میں کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

امریکہ میں چھپائی کی ابتدا

امریکہ میں چھپائی کا ہنر 1630ء میں انگریزوں کے ذریعے پہنچا۔ 'پاسٹر جوس گلعڈ' اور 'سٹیفن ڈائی' ایک تالا بنانے والا 'میا شوسٹس بے میں' چھاپہ خانہ قائم کرنے کے بانی ہیں۔ 1640ء میں انھوں نے پہلی کتاب 'بے سام بک' یعنی بے کا صحیفہ حمد شائع کی۔ 1947ء میں اس تاریخی کتاب کے ایک نسخہ کی آخری نیلامی بولی ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر تک پہنچ گئی۔ اس پریس کی دوسری مشہور کتاب ریڈ انڈین زبان 'جان ایلیٹ' کی ترجمہ کی ہوئی بائبل ہے۔ اٹھارھویں صدی میں امریکہ کے بہترین مطابع میں سے ایک 'بنجمن فرنیکلن' کا چھاپہ خانہ ہے۔ جنھوں نے انگلستان میں باقاعدہ اس فن کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر فلاڈلفیا میں اپنا چھاپہ خانہ کھولا۔ جہاں کئی برسوں تک پرنٹر، پبلشر اور اخبار' ریچرڈ بائن' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ بیسویں صدی میں وہاں چھپائی، کتب سازی اور کتابوں کی تجارت میں بڑی ترقی کی۔ امریکہ نے اس کاروبار میں اپنے طرز کی نئی راہیں نکالیں جو یورپ کے تجارتی طریقوں سے بعض خصوصیات میں مختلف ہیں۔

امریکہ میں کاغذ بنانے کی صنعت 1690ء میں شروع ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ 'بیا شیوسٹیس بے' کے اوّلین مطبع کی کتاب غالباً انگلستان سے کاغذ برآمد کرکے 1640ء میں شائع کی گئی۔ سوئینم پانارٹز رومن ٹائپ حروف کی شکلیں جو نکولاس جنسن فرانسیسی حروف تراش نے 1458ء میں تیار کی تھی، موجودہ عہد میں بہت دور تک امریکہ میں رائج نظر آتی ہیں۔ انگلستان نے باسکروتے کے کیلن رومن ٹائپ جو 1757ء میں وجود میں آئے تھے۔ ان رومن حروف کی موجودہ ترقی یافتہ شکل امریکن ڈیزائنری سے تیار کرائی تھی۔

امریکہ میں چھاپے خانوں کا پھیلاؤ

ابتدا میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اعلا کتابوں کی چھپائی کے لیے کئی تنظیمیں قائم ہوئیں جن کا مقصد محدود ایڈیشن کی نہایت نفیس مطبوعات وجود میں لانا تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر یونیورسٹی کے مطابع بھی قائم ہوئے اور نجی کاروباری ادارے بھی۔ اس سلسلے میں ان کو انگلستان کے نقش قدم پر چلنا تھا کیونکہ انھوں نے اس پیشے کی تربیت وہیں پائی تھی لیکن کتب فروشوں کے کاروبار اور انتظامات سے متعلق طریقے امریکہ میں جدا نوعیت کے ہیں۔ ان میں سربرآوردہ 'ڈینیل برکلے اپڈائیک' ہے۔ جو نجی چھاپے خانوں کی تنظیم میں سرگرم کارکن تھا۔ 1880ء میں وہ ریورسائڈ پریس میں کام کرتا تھا اور 1893ء میں اُس نے 'میری ماونٹ' اپنا ذاتی مطبع قائم کیا۔ طباعت کے کاروبار میں اس کی رائے فیصل مانی جاتی تھی۔ وہ ماہر پرنٹر تھا لیکن امریکہ کی جدید حروف تراشی کے فن میں عظیم شخصیتیں 'بروس راجرس' اور فریڈرک۔ ڈبلو۔ گاوڈی کی ہیں۔ یہ ابتدا میں حروف ساز تھے۔ انھوں نے نکولاس جنسن کے رومن ٹائپ کے نمونے پر حروف بنانا شروع کیے۔ اور آگے چل کر نئے حروف کا سلسلہ وضع کیا۔ سینٹور میں گاوڈی نے نئے ٹائپ کے حروف کی شکلیں ایجاد کیں۔ اس کا بہترین کارنامہ 'لیکٹرن بائبل' ایک یادگاری چیز ہے۔ گاوڈی ایک دیہاتی پریس کا مالک تھا۔ اس نے تقریباً سو طرز کے ٹائپ حروف وضع کیے جن میں کینیڈل رومن ٹائپ امریکہ کی موجودہ طباعت میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

کتاب سازی میں قدیم دست کاری کی تجدید

اُنیسویں صدی کی ابتدائی نصف میں جب برطانیہ کی کتابوں کا فولادی پلیٹوں کا بھاری نقش بیٹھ گیا تھا، اس وقت مشہور شاعر ُ ولیم بلیک ' ایک نیا تجربہ کررہا تھا۔ جس میں چھپائی کے لیے اُبھرے نقوش کی تانبے کی پلیٹیں استعمال میں لائی گئیں۔ ہر صفحہ کا متن، شاہ سرخیاں اور عنوان کا خط اور حاشیوں پر نقوش سب کے ہاتھ سے کتابت کرکے نقش کشی ہوتی تھی۔ اور قدیم جلاکاروں کی طرف ہاتھ سے رنگ بھی بھرے جاتے تھے۔ یہ کام عہدِ وسطیٰ کی کتابت، تصویر کشی اور جلاکاری سے مشابہت رکھتا تھا۔ ُ ولیم بلیک ' نے اپنی تمام تصانیف اسی کاری گری سے شائع کی ہیں۔

شخصی چھاپے خانے

امریکہ میں زیادہ تر کتاب کے ناشر، اشاعت گھر اور مطابع نیویارک میں ہیں۔ تقریباً ستر بڑے بڑے تجارتی ادارے اور کتب فروش علاوہ اور شہروں کے صرف نیویارک میں ہیں۔ ان میں جدید اور خاص اہمیت رکھنے والوں میں سے ایک ُ ڈبل ڈے اینڈ کمپنی ' ہے۔ جس کے بیسیوں کتابوں کے گودام مختلف شہروں میں ہیں۔ ان کے علاوہ اس نے شائقین کتب کے لیے کئی کتب خانے کھول رکھے ہیں۔ جن کے بیس لاکھ کے قریب ممبر ہیں۔ یہ ممبر انواع و اقسام کی کتابوں کا انفرادی ذوق و شوق رکھتے ہیں۔ ان ممبران کے لیے ہر موضوع اور مواد پر پاکٹ ایڈیشن جاری کرکے سب کے تقاضے اور ذہنی طلب کو آسودہ کرنا ان شخصی ناشروں کا کام ہے۔ جس طرح بڑے بڑے شہروں میں کیفے، ریستوران اور ہوٹل ہر ذرائع اور ہمہ اقسام کی غذائیں انسانوں کی اشتہائے معدہ کی تسکین کے لیے ہر وقت تیار رکھنے کا انتظام کرتے ہیں۔ بالکل اسی انداز میں اسی مستعدی اور سرگرمی سے یہاں ہر انسان کی ذہنی اشتہار کی خاطر تواضع کے لیے ہمہ اقسام کی دماغی غذائیں کتابوں کی شکل میں فراہم کرنے کا بہترین انتظام ہے۔

امریکہ کی یونیورسٹیاں آکسفورڈ اور کیمبرج کے انداز پر اپنے چھاپے خانے علاحدہ جاری کیے ہوئے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے پریس، مطلوبہ مواد و موضوع پر اپنی ضرورت

کے مطابق کتابوں کی فراہمی کا کام بڑی حد تک خود انجام دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ فرمیں بھی یونیورسٹیوں سے منسلک ہیں۔ جو بیرونی ملکوں سے کتب رسانی کر کے اُن کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ یہ سارا کاروبار پانی اور غذا کی فراہمی کے جیسے طریقے اختیار کر کے نہایت اعلا پیمانے پر منظم کارکردگی سے چل رہا ہے۔ معاشرے میں جس کی اہمیت جسمانی خوراک کے برابر ہے۔ اس بارے میں حکومت کے پیش نظر ویسی ہی ذمہ داری ہے۔ انگلستان اور فرانس کی طرح یہاں بھی ہر مواد و موضوع کے مطالعے کی پوری آزادی ہے۔ اگر کبھی سیاسی بندشیں آزادیِ مطالعہ میں خلل انداز ہوتی ہیں تو عمرانی اضطراب و بے اطمینانی حکومت کو اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور کر دیتی ہے۔

امریکہ میں کتاب فروشی کے طریقے

امریکہ کے ناشر کتب ہر سال کتابوں کی ایک بڑی تعداد امریکہ کے گوشے گوشے میں پہنچانے کا بندوبست تو کرتے ہی ہیں اس کے علاوہ دوسرے انگریزی زبان کے ممالک میں بھی کتابیں پہنچانے میں کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ وہاں گماشتوں کے ذریعے گھوم پھر کر کتابوں کا تعارف کرانا اور ہر خواندہ کو ترغیب و تحریص دلانے کا بڑے زوروں پر رواج ہے جس طرح انسانی زندگی اور دیگر اشیا کی زندگی کا بیمہ کرانے والے ایک ایک فرد سے اپنی کمپنی کی تعریف کرتے ہوئے وہاں نظر آتے ہیں اسی طرح اشاعت گھروں کے کارکن بھی دکھائی دیتے ہیں، جو کتب خانوں، علمی ادبی حلقوں اور مصنفوں سے ارتباط رکھتے ہیں۔ دوسری طرف عوام کا کتابی ذوق معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق کتابوں کی تصنیف سے لے کر پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں پہنچنے تک سارا کام بڑے اہتمام سے اشاعت گھروں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ یہ گماشتے یا کتابوں کے دلّال امریکہ اور یورپ میں سفر کر کے زیادہ سے زیادہ کتابیں فروخت کرانے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کے ذریعے اعلا سطح پر کتابوں کی تجارت ہو رہی ہے۔ اور کتابوں کے تخلیقی اداروں کا اقتصادی نظام اس تجارت سے پائدار و مستحکم ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ گماشتے کتابوں کی جسم و جان کی بقا کے متحرک عناصر ہیں۔ ان کی دوڑ دھوپ سے امریکہ میں کتابوں کی زندگی ہے۔ نیویارک کے علاوہ دوسرے بڑے شہر بوسٹن، فلاڈلفیا وغیرہ میں بھی شخصی ادارے اور فرمیں کتب

کی اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔ دوسرے ملکوں سے امریکہ تبادلے کے ذریعے بھی نئی نئی کتابیں منگا کر اپنے ملک کے پڑھنے والوں کو مہیا کرتا ہے سائنس اور انجینئرنگ کی کتابیں خاص طور پر تبادلے کے کاروبار میں پیش نظر رہتی ہیں۔

روس کی کتابیں

موجودہ روس کی سرزمین دنیا کی ایک عظیم مملکت ہے۔ اس کی قدیم تاریخ ہے اور اس کے کچھ علاقے بہت قدیم تہذیبی نشانات زمین کی تہوں سے برآمد کر رہے ہیں لیکن ان کی دریافتوں کا سلسلہ تھوڑے ہی زمانے سے شروع ہوا ہے۔ اور حالیہ برسوں میں بہت سے جدید انکشافات ہوئے ہیں۔ 1918ء سے پہلے اور موجودہ سوویت نظام حکومت سے قبل وہاں کے شہنشاہی دور میں اس سرزمین کے قدیم آثار کی تلاش و تحقیق میں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر کام ہوا۔

روس کی کتابوں کا تاریخی سراغ

اب دوسرے ملکوں کی طرح روس میں بھی ماہرین آثار قدیمہ مختلف حصوں میں کھدائی کر کے جو قدیم تہذیبی آثار تلاش کر رہے ہیں اور برآمد شدہ سامان سے وہاں کی تہذیبی عمر کا پتہ چلانے کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کے نتیجے میں روس کے اب تک چار قدیم علاقے دریافت ہوئے ہیں۔ (1) کاکیشیا۔ (2) کریمیا (3) سائبیریا (4) روسی وسط ایشیا۔ جہاں عہد قدیم میں لوگوں کے آباد ہونے کی اطلاع اور ان کے تہذیبی آثار کچھ ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں۔ کیف اور نوو گورود، ماسکو وغیرہ جو کہ روس کے قدیم ترین آباد شہر مانے جاتے رہے۔ یہاں کھدائی سے برآمد شدہ سامان میں کچھ لکھنے پڑھنے کے فن اور کتاب کے وجود کے نشانات بھی شامل ہیں۔ ان کی عمر کا اندازہ دو ہزار سال تک لگایا جاتا ہے۔ یعنی پہلی صدی ق۔م کا نصف آخر حصہ تیسری، چوتھی صدی عیسوی میں نوو گورود کے راہبوں کی خانقاہوں اور ان میں عیسائی مذہبی کتابوں کے لکھنے پڑھنے کا تذکرہ حصہ دوئم میں راہبوں کی چرمی تختیوں پر تصنیف کے سلسلے میں پچھلے صفحات پر آچکا ہے۔ لیکن ان سے کئی صدیاں پہلے بھی وہاں لکھائی کے

نشانات درختوں کی چھال کے بڑے بڑے تختوں پر پائے گئے۔ جو بہت مدت گذرنے کی وجہ سے بھورے اور سیاہ پڑ گئے ہیں۔ چھال کے ان تختوں پر نوکدار لکڑی کے قلم (جن کو اسٹائلس کہا جاتا ہے۔) سے تحریریں نقش پائی گئیں۔ یہ حروف اتنے دھندلے پڑ گئے تھے کہ صاف دکھائی بھی نہ دیتے تھے۔ لیکن بڑی حکمت سے ان پر جمی گرد کو صاف کیا گیا اور پڑھنے میں کامیابی حاصل کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ دو ہزار سال پہلے لکھے ہوئے کچھ خطوط، کچھ رسیدیں اور کچھ زمانۂ قدیم کے طالب علموں کی تحریری مشقیں یا درسی یادداشتیں ہیں۔

آرمینیا میں دو ہزار پانچ سو برس پہلے پتھر کی لوحوں پر کندہ کیے ہوئے نقوش کچھ بادشاہوں کے فرمان، مختلف فوجی مہمات و فتوحات کی سرگزشت اور گرفتار کیے ہوئے قیدیوں کی تفصیلات ملی ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ قدیم تحریر کا سراغ وسط ایشیا کے علاقے میں پایا گیا۔ یہاں کے ریگستانی علاقے میں ماہرین آثار قدیمہ کو اعلا ترقی یافتہ تمول اور ان میں عالی شان شہر آباد ہونے کے نشانات ملے ہیں۔ یہ نشانات اس کی واضح تصدیق کرتے ہیں کہ دو ہزار سال پہلے وہاں دو منزلہ مکانات اور عمارتوں کے شہر بسے ہوئے تھے۔ یہ کھنڈر موجودہ تاجکستان اور ازبکستان کے نواح میں ملے ہیں۔ مدنی ترقی یافتہ نشانات کے علاوہ لکھنے پڑھنے کا سامان اور کتابوں کی موجودگی کے بھی اس علاقے میں نہایت قدیم پختہ ثبوت ملے ہیں۔ لکڑی کی تختیوں اور چرمی پارچوں پر لکھی ہوئی کثیر تعداد میں کتابیں برآمد ہوئیں جن کو روسی ماہرین لسانیات پڑھنے میں کسی قدر کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ اس علاقے میں قدیم زمانے کی مدنیت، مملکتی نظام اور تعلیمی مشغلے کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ عام معاشرت میں استعمال ہونے والا جو سامان دریافت ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کی انسانی زندگی کم از کم ایک ہزار سال کا تہذیبی سفر طے کر کے اس منزل تک پہنچی ہوگی جس کے آثار ابھی تک مل سکے ہیں۔ اسی طرح یہ آرمینیا سے ملے ہوئے نشانات سے تقریباً پانچ سو برس پرانے آثار ہیں۔

روس میں قدیم زمانے کی بیشتر کتابیں بچھڑے یا بکری کے چرمی پارچوں پر لکھی ہوئی پائی گئیں۔ اس قسم کی ایک کتاب ایک قدیم خانقاہ کے کتب خانے سے دستیاب ہوئی۔ اس پر ایک شاندار نظم تقریباً آٹھ سو برس پہلے لکھی گئی تھی، اس کا عنوان "اگور مہم کی روداد" ہے جس میں ایک قدیم شہزادے کا حال ہے جو سیاہ بحیرہ کے جنگجو قبیلوں سے جانباز روسی سپاہیوں

کی معرکہ آرائی ایک طویل رزمیہ داستان کے پیرایے میں بیان کی ہے۔ اس نظم سے عہدِ ماضی میں روسی عوام کی دلاوری اور حب الوطنی کا جذبہ بظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح پانچویں صدی ق۔م سے بارھویں صدی عیسوی تک ابتدائی روس کی قلمی کتابیں جا بجا نذکور العکر چار علاقوں سے برآمد ہوتی رہیں۔ سب سے زیادہ نووگروڈ اور صوفیا کی خانقاہوں سے عہد وسطیٰ کی مذہبی مسیحی کتابیں اور قیمتی قلمی نسخے ملے ہیں۔

روس میں چھاپے خانے کی ابتدا

روس میں چھپائی کی ابتدا 1564ء میں ہوئی، جب آئیون فیڈ ردوف نے ماسکو میں پہلا چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اور پہلی کتاب چھاپی۔ اسے اپنی پہلی کتاب مکمل کرنے میں پورا ایک سال لگ گیا۔ فیوڈوروف نے میز کے ٹائپ حروف کی ایجاد اور پہلی کتاب کی اشاعت کے ایک سو اٹھائیس سے ایک سو پندرہ سال تک بعد کے زمانے میں طباعت کا پہلا کارنامہ پیش کیا۔ سولھویں صدی میں بائلوروس لیتھونیا، یوکرین اور مولڈیویا میں بھی پہلی مطبوعہ کتاب وجود میں آگئی اور ان سب جگہوں پر باقاعدہ چھاپے خانے قائم ہو گئے تھے۔ فیڈردوف نے مینز کی ایجاد سے آزاد رہ کر روس کی سرزمین پر اپنے ٹائپ کی ایجاد، چھاپہ خانے کا ڈھانچہ اور چھپائی کی تکنیک اپنے طور پر اختیار کی تھی۔ 1918ء کے اشتراکی انقلاب سے پہلے زار کی حکومت میں کلیسائی اور مذہبی تصانیف کے علاوہ پشکن اور ٹالسٹائے جیسے عظیم بین الاقوامی مصنفین پیدا ہوئے اور ان کی کتابیں شائع ہوئیں جنھوں نے عالمگیر شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ دوسرے عظیم مصنفین گورکی، لینن، آستزادوسکی، میخائیلوف وغیرہ بہت سے انقلابی مصنفین کی کتابیں سرخ انقلاب کے بعد ہی دنیا کی نظروں کے سامنے آسکیں۔ اس سے پہلے لینن اور دوسرے مجاہدین کے مضامین اور ان کے انقلابی فلسفے پر تحریریں زیادہ تر لندن اور پیرس میں چھپتی رہیں۔

روس میں کتابوں کی نشر و اشاعت کی موجودہ سرگرمیاں

انقلاب کے بعد روس میں طباعت کی رفتار دس سال کے اندر ہی اس قدر

تیز ہوگئی اور اتنے اعلا معیار کی کتابیں شائع ہونے لگیں کہ دنیا کے سب سے زیادہ کتابیں چھاپنے اور برآمد کرنے والے ملک اطالیہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، بلجیم انگلستان حتیٰ کہ امریکہ بھی کتابوں کی دوڑ میں بالآخر روس سے پیچھے رہ گئے۔ یونسکو کی اطلاع کے مطابق روس آج دنیا میں سب سے زیادہ کتابیں شائع کرنے والا ملک ہے۔ روس میں دوسری زبانوں کے ترجمے کا کام بھی سب سے اعلا پیمانے پر ہو رہا ہے۔ سوویت روس سو سے اوپر ملکوں کے بہترین مصنفوں کے کارنامے روسی زبانوں میں ترجمہ کرکے اپنے عوام کو مطالعہ کے لیے پیش کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے روسی ایڈیشنوں کی تعداد اصل ملکوں سے جہاں کہ ان کی تخلیق ہوئی تھی کہیں آگے نکل گئی۔ دنیا کے بہترین کلاسیکی ادب سے روسی مطالعہ نگار بخوبی واقف ان کے سچے قدرداں اور ناقد و مبصر ہیں۔

حالیہ یونسکو سے حاصل کیے ہوئے اعداد و شمار (جنوری 1977ء تک) حسبِ ذیل ہیں۔ جن سے وہاں کی اشاعت کتب کی سرگرمیوں کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

تین کروڑ جلدیں جیک لندن کی مطبوعات کی۔ ڈھائی کروڑ وکٹر ہوگو کی تصانیف کی جلدیں۔ دو کروڑ دس لاکھ مارک ٹوئن کی تصنیفات کی — دو کروڑ چالیس لاکھ ڈکنس اور بالزاک کی۔ دو کروڑ زولا — ایک کروڑ نوے لاکھ ژول ورن — ایک کروڑ اسی لاکھ تھیوڈور ڈریزر۔ ایک کروڑ پچاس لاکھ موپساں کی۔ اور ایک کروڑ تیس لاکھ جان گلاس ورذی کی تصانیف کے ترجمے روسی زبان میں شائع ہوکر روسی کتب بینوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں۔ دو سو جلدیں ببلوشیکا دس مرنوے لٹریچی (لائبریری آف کی ورلڈ لٹریچر) کی طبع ہو رہی ہیں جس کی ایک سو پینسٹھ جلدیں روسی مطابع سے اب تک برآمد ہو چکی ہیں (یہ اس کتاب کے لکھتے وقت تک کی معلومات ہیں) سوویت روس کی پچیس مستقل زبانوں میں شیکسپیئر اور اس کے ہم مرتبہ دنیا کے دوسرے کلاسیکی مصنفین کے ترجمے شائع ہوکر بے حد مقبول ہوئے ہیں۔

چھٹا باب

کتاب سازی میں مزید ایجادیں

ابتدائی نصف انیسویں صدی میں تانبے کی پلیٹوں کے ساتھ فولادی پلیٹوں پر تصویر نقش کرکے چھاپنے کا فن پھیلنے لگا۔ اس فن کی ابتدا اور فولادی پلیٹوں کی ایجاد کا سہرا ڈبڈین کے سر ہے۔ تھومس فوگنال ڈبڈین یا پہلے ایک دیہاتی گرجا کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں وہ لارڈ اسپنسر کا لائبریرین ہوگیا۔ التھریپ کیبل میں جہاں اسپنسر کا کتب خانہ تھا۔ ڈبڈین نے طباعت کتب کی بڑی خوبصورت یادگاریں چھوڑی ہیں۔

فولاد کی نقشیں پلیٹوں کے ذریعہ چھپائی

فولادی پلیٹیں سخت ہونے کی وجہ سے نقش کندہ کرنے میں مصوری کی نزاکتوں کے تاثر کو نقصان پہنچاتی تھیں۔ اس احساس نے ڈبڈین کو فولاد اور تانبے کی متحد سطح پر نقش پیدا کرنے پر مائل کیا۔ اسی زمانے میں مشہور انگریز شاعر ولیم بلیک بھی تانبے کی مدد سے فولادی پلیٹوں کو تصویر کشی اور نقش گری میں استعمال کرنے کا تجربہ کر رہا تھا۔ نرم دھات ہونے کی وجہ سے تانبے پر کھدائی تو بہت اچھی ہوئی تھی۔ مگر بنے ہوئے نقوش چھپائی میں جلدی گھس جاتے اور فولادی چادر سخت ہونے کی وجہ سے نقاشی میں تصویر کی نزاکت کو چوٹ پہنچاتی تھی مگر تانبے اور فولاد کے مرکب سے بہترین نتائج برآمد ہوئے۔ تصویر کی نزاکت اور صلابت دونوں محفوظ رہے۔ اس سے تصویری طباعت کا معیار بھی بہت اونچا ہوگیا۔ ڈبڈین اور ولیم بلیک دونوں کا نظریہ اور طریق کار یکساں تھا یعنی تانبے پر نقش اور تصویر کشی کو بجلی کی مدد سے فولاد کی سخت سطح پہنچائی

گئی۔ جس سے نہایت حسین تصویریں کاغذ پر ابھرنے لگیں اور چھپائی میں کامیابی حاصل کی۔

اس کے بعد فولادی پلیٹوں کے ذریعے چھپائی نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ جس طرح اٹھارھویں صدی میں تھوس بیوک نے چوبی ٹھپوں سے تصویر کی چھپائی کرکے پورے یورپ میں تصویری چھپائی کی ایک نئی لہر پیدا کی تھی وہی صورت کچھ دہائیوں تک انیسویں صدی میں فولادی پلیٹوں کی ہوئی۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں فولادی پلیٹوں کا اگرچہ عام رواج ہوگیا تھا لیکن فولاد کی پلیٹیں اور ان کے ساتھ تانبے اور جستی کا استعمال کافی گراں قیمت کا تھا۔ چھاپے خانوں کی کاروباری نگاہ کم سے کم خرچ اور اچھی سے اچھی طباعت کا ذریعہ تلاش کررہی تھی۔ اسی زمانے میں چوبی ٹھپوں سے چھپائی میں کچھ تکنیکی تبدیلیاں ہوئیں۔ چوبی ٹھپوں پر ابھرے یا گہرے نقوش کھودنے کا کام دشوار تھا۔ اس کی جگہ ایک سہل اور اعلا چھپائی کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس کی چکنی سطح پر برش یا باریک قلم سے مصور بہتر سے بہتر تصویر کشی کرکے تصویر پر مخصوص کیمیاوی رنگوں کی روشنائی سے دوسرے کاغذ پر چھاپا جاتا تھا۔ یہ چوبی بلاک کہلائے ہیں جو فولادی پلیٹ سے بہت سستے تھے اور ان کی چھپائی کا کام نہ صرف کم خرچ بلکہ بہت عمدہ ہونے لگا۔ اور آسان بھی بہت۔ لہٰذا کچھ مدت تک بکثرت جدید چوبی ٹھپوں کا پھر ایک دور آگیا۔

لیتھوگرافی سے پتھر کے ذریعہ چھپائی

چربے کی چھپائی کے سلسلے میں ایک اہم ایجاد پتھر کے ذریعہ چھپائی تھی جس کا موجد آلوئیس سینی فیلڈر ہے۔ اس نے چھپائی کے مسلسل نئے نئے تجربات کے درمیان اتفاقیہ طور پر پتھر کی سلوں سے چھپائی کا طریقہ دریافت کرلیا جس کا نام لیتھوگرافی رکھا گیا۔ اس نے موم، صابن اور چراغ کی کالک سے مرکب روشنائی سے چکنے پتھر پر لکھائی کی پھر اس پتھر پر اور اس پر لکھی تحریر پر تیزاب اور گوند کا محلول پھیر کر سادے پتھر کی سطح کو روشنائی سے غیر موثر بنادیا۔ چنانچہ جب پتھر پر طباعت کی روشنائی پھیری جاتی ہے تو صرف تحریری یا تصویری نقوش ہی روشنائی اخذ کرتے ہیں۔ بقیہ پتھر پر روشنائی کا کوئی داغ نہیں پڑتا۔ پتھر پر نہ گہری کھدائی ہوتی ہے نہ ابھری۔ بلکہ ہموار چکنی سطح پر معکوس کتابت یا تصویر کشی ہوتی تھی۔ یہ البتہ کچھ دشوار کام تھا۔ اس کے لیے معکوس کتابت کرنے والے کاتبوں کی تلاش

ہوتی تھی جو کمیاب تھے۔ بعد میں یہ دشواری بھی اس طرح دور کی گئی کہ پتھر پر چربہ اتارنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ چربہ آتارنے کے لیے ایک کاغذ کو انڈے کی سفیدی اور ارارروٹ سے پوت کر خشک کر لیا جاتا ہے اور اس پر سیدھی کتابت کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس پر دوبارہ رکب پھیرا جاتا ہے جو معکوس تحریر پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد پتھر کو تر کر کے مکتوبہ کاغذ اس پر کتابت کے رخ سے بچھا دیا جاتا ہے جس سے پوری تحریر یا تصویر کا معکوس نقش پتھر پر آتر آتا ہے۔ جس جگہ پتھر پر نقش آترنے میں کمی رہ جاتی ہے، وہاں پر ایک ہوشیار کاتب دھندلے یا مٹے نقوش کو چمکا دیتا ہے جس کو مطبع کی اصطلاح میں اصلاح سنگی کہتے ہیں۔ سینی فیلڈر اگرچہ جرمنی کا باشندہ تھا لیکن اس نے اپنی اس ایجاد کو ۱۸۰۰ء میں انگلستان سے پیٹنٹ کرایا۔ لیتھوگرافی کی تکنیک اس اصول پر مبنی ہے کہ تیل اور پانی باہم آمیز نہیں ہوتے۔ اس کے لیے جو پتھر استعمال ہوتا ہے۔ وہ قیمتی اور عام پتھروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ جو زیادہ تر بویریا سے درآمد ہوتا ہے۔ اس پتھر کی بناوٹ میں اکیانوے سے چھیانوے فی صد تک کیلشیم کاربونیٹ۔ آٹھ سے چار فی صد تک میگنیشیم کاربونیٹ اور قلیل مقدار میں لوہے کا جز شامل ہوتا ہے۔ پتھر کی سطح گھس کر نہایت چکنی اور ہموار تیار کی جاتی ہے۔ پھر اس پر طباعت کا سارا کام چار منزلوں میں طے ہوتا ہے۔ اوّل کتابت کے لیے سطح تیار کرنا۔ سطح تیار کرنے کے لیے مذکورہ معمول طریقے کے علاوہ اور طریقے بھی دریافت ہوئے۔ مثلاً پلاسٹر آف پیرس سو گرام۔ سریش سو گرام۔ میدہ تین کلو گرام پانی میں ڈال کر چوبیس گھنٹے بھگو کر مدھم آنچ پر پکا لیا جاتا ہے اور پھر اس محلول سے کاغذ کو پوت کر خشک کر کے سطح تیار کر لیا جاتا ہے۔ دوسری منزل سطح پر کتابت یا تصویر کشی ہے جس کے لیے مخصوص روشنائی بازار میں ملتی ہے۔ پتھر میں تیل سے متاثر ہونے کی صلاحیت کو زائل کرنا۔ اس کے لیے کیکر سے گوند کا محلول پتھر پر پھیرا جاتا ہے جو اپنے تیزابی اثرات کی وجہ سے جلد خشک ہو کر کیلشیم آرمینٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے تیسرا عمل چربہ آتارنے کا ہے۔ اور چوتھی کڑی اس تکنیک کی پتھر کو واندنے کا عمل ہے یعنی اس پر برادہ چھڑک کر نائٹرک کے ایسڈ کے گھول سے پتھر کو دھویا جاتا ہے جس سے حروف بخوبی ابھر آتے ہیں پھر تارپین کے تیل سے برادہ صاف کر کے طباعت کی جاتی ہے۔ طباعت کے بعد پتھر کو گھس کر حروف مٹا دیے جاتے ہیں اور اسے دوبارہ ایک سادہ لوح میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔

بعد میں لیتھوگرافی کے لیے پتھر کی جگہ پر دھات کی خاص طور پر تیار شدہ پلیٹیں

بھی استعمال ہونے لگیں۔ لیتھوگرافی سے کاغذ پر فوٹو بھی چھاپے جاتے ہیں۔ لیکن اس کام میں براہِ راست لیتھو سے کاغذ پر طباعت نہیں ہوتی بلکہ انھیں ربڑ چڑھے ہوئے سلنڈر پر آفسیٹ کیا جاتا ہے۔ اردو و فارسی کے ہندوستانی مطابع میں تقریباً سو برس سے لیتھوگرافی کا رواج ہے۔ بیشتر اسی تکنیک پر ان کے کام کا انحصار ہے۔

مختلف تکنیکی ترقیاں

1450ء سے جس طرح چھپائی کے فن اور کتاب کی آراستگی کے ہنر میں تیز رفتار ترقی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اس معیار پر مطابع اور کتاب سازوں کی خواہش کاغذ بنانے کی تکنیک اور چھپائی کی مشین کو بھی ترقی دینے کی تھی۔ اس کی ایجاد ہونے کے بعد ہی سے ماہرین طباعت کی کوشش اس سلسلے میں شروع ہو گئی تھی۔ مگر کافی عرصے تک کوئی مناسب ترمیم سامنے نہیں آئی۔ 1800ء میں ارل اسٹین ہوپ نے سب سے پہلے ایک بڑا قدم اٹھایا۔ اس نے چھپائی کی مشین کے قدیم سست رفتار ڈھانچے کو ایک آسانی سے چلنے والی نسبتاً تیز رفتار آہنی مشین کی شکل دے دی۔ اگرچہ یہ بھی ہاتھ سے چلائی جاتی تھی۔ لیکن قدیم چوبی مشین میں یہ کتاب کے ایک یا دو صفحے سے زیادہ ایک بار میں چھاپنا عموماً ممکن نہ تھا۔ اس میں چار صفحات ایک ساتھ چھپ جاتے تھے۔ اب چھپائی کی رفتار کم از کم دُگنا ہو گئی تھی 29 نومبر 1824ء کو انسان کے عہد جدید نے چھاپے خانے میں بھی ایک عظیم الشان قدم رکھا۔ اسٹیم سے چلنے والی پریس مشینوں سے لندن ٹائمز کا پہلا پرچہ چھپ کر برآمد ہوا۔ فریڈرک کوئنگ کی یہ ایجاد انسان کے قدیم ذہن کو متحیر اور مرعوب کرنے کے لیے بہت بڑا قدم تھا۔ لہٰذا ابتدا میں بہت سے مطابع اسٹیم کی مشینیں استعمال کرنے میں ہچکچائے۔ انھیں ڈر تھا کہ یہ بے قابو اندھا دھند چلنے والی مشین کتاب کو ستیاناس کر کے رکھ دے گی۔ دستی مشین کی طرح اعلیٰ طباعت یہ وحشی دیو کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن لیبزک شہر جرمنی کے ایک پرنٹر نے اس سے کتابیں مسلسل چھاپ کر ان کا وہم دور کر دیا۔ کئی چھاپے خانوں نے اس کی تقلید کی اور اسٹیم پاور مطابع کا استعمال عام ہو گیا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک اس میں اور بڑی ترقیاں ہوئیں جس سے چھپائی کی رفتار سو گنی بڑھ گئی۔ بیسویں صدی میں فوٹو آفسیٹ کی چھپائی میں ٹائپ حروف کی چھپائی کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

فوٹوگرافی کی انیسویں صدی کی ایجاد نے اب چھاپے خانوں میں اچھی طرح اپنا عمل دکھا کر چھپائی کی جدید تصویر کھینچ دی۔

کمپوزنگ مشین

چھپائی کے فن میں سب سے پیچیدہ اور سست رفتار کام ٹائپ حروف کی چھپائی کا لوح پر جمانا تھا۔ چھپائی سے پہلے ایک کے بعد ایک حرف کو ٹائپ کیس سے اٹھا کر صحیح جگہ پر رکھنا، صفحہ کی لائنوں کے لحاظ سے جمانا اور پھر چھپائی کے بعد ہر ایک واپس اس کے خانے میں رکھنا جس میں ذرا بھی بھول چوک نہ ہو۔ کتاب کی چھپائی میں یہ کام بہت کٹھن تھا۔ صدیوں تک انسان یہ شدید محنت اور دماغ سوزی بڑے صبر و سکون سے کرتا رہا۔ کتاب کی خاطر اس عزیز دل چسپ مشغلے سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا تھا اور کوئی آسان طریقہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ گٹن برگ کے وقت سے اس کام کو آسان اور تیز رفتار بنانے کی کوششیں جاری تھیں۔ بہت سی مشینیں ایجاد ہوئیں لیکن اتنا ہی کر سکیں کہ حروف کو ہاتھ سے جمانے کی جگہ وہ زیادہ تیز رفتاری سے جمادیتی تھیں۔ لیکن ایک ایک حرف کو کیس سے نکالنا اور صحیح طور سے ان کے خانے میں واپس رکھنا کسی مشین کے بس کا روگ نظر نہیں آتا تھا۔

لیکن ایک دن بالکل اچانک طور پر یہ معمہ بھی حل ہو گیا۔ 1886ء میں جرمنی کے ایک مسٹر مرگن تھالر، جنہوں نے امریکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی لائنو ٹائپ ایجاد کر لیا جو تمام حروف کو دھات سے ڈھالنے کے بعد صحیح طور پر کمپوزنگ کا کام از خود انجام دیتا تھا۔ حروف کو دھرنے اٹھانے کا سوال ہی نہ تھا۔ بس ایک آدمی ٹائپ رائٹر کی طرح انگلیاں چلاتا رہتا ہے۔ حروف تازہ بتازہ ڈھل کر آتے ہیں۔ صحیح مقام پر جم جاتے ہیں۔ چھپائی ہوتی ہے، اس کے بعد حروف گل جاتے ہیں۔ کام تو بڑا آسان ہو گیا لیکن حسن تحریر کا حلیہ بگڑ گیا۔ سب حروف ایک قد و قامت میں چھپ کر جب کتاب پر آئے تو آنکھوں کو تحریر کی بدصورت اکڑی ہیئت دیکھ کر سخت ناگواری ہوئی۔ اس کے ذریعہ کتابیں چھاپنے سے پریس گھبرانے لگے اور انفرادی طور پر ڈھلے ہوئے حروف ٹائپ کو انھوں نے ترجیح دی۔ لیکن تین ہی سال بعد 1889ء میں ایک امریکن ٹولبرٹ لینسٹن نے مونو ٹائپ ایجاد کیا۔ جو اب سب طرح لائنو ٹائپ ہی جیسی مشین

تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ یہ سارے حروف ایک ہی لائن کے نہیں تھے۔ اس لیے وہ نقص جاتا رہا۔ چھپائی خوشنما ہونے لگی۔ پھر ایک تیسری قسم انٹرو ٹائپ بنائی گئی۔ اس میں اور مانو ٹائپ میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ ان تینوں کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ آدمی سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے کمپوزنگ کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ فوراً تازہ بتازہ حروف ڈھل کر ان سے چھپائی ہوتی ہے۔ کوئی پرانا اور گھسا ہوا حرف نہیں ہوتا۔

ساتواں باب

پرنٹنگ پریس کی ساخت میں مزید تبدیلیاں

پریس کی ساخت میں تبدیلی کی رفتار حروف سازی میں تبدیلی کی رفتار کے مقابلے میں سست رہی چنانچہ چوبی پریس کا رواج پندرھویں، سولھویں اور سترھویں صدی کے ابتدا تک رہا۔ سترھویں صدی میں ایمسٹرڈم کے باشندے ولیم بلاؤ' نے چوبی پریس میں نچلے تختے "اور اوپری پیچ کے درمیان قایم رشتے کو ایک اسپرنگ کی مدد سے مزید موثر بنا دیا۔ سترھویں صدی میں جوزف موکسن نے پریس پر ایک کتاب مرتب کی تھی جس میں پہیے" کی مدد سے چلنے والے پریس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ سوا تین سو برس کی بنیادی ساخت گٹن برگ کے چوبی پریس کی طرز پر قایم رہی۔ 1772ء میں باسل کے باشندے ولیم ہاس نے ایک ایسا پریس بنایا جس میں کچھ حصے لوہے کے تھے۔

کونگ کا سلنڈر پریس اور چھپے ہوئے کاغذ کے بنڈل بنانے کا فن تقریباً ساتھ ساتھ ایجاد ہوئے۔ تعجب ہے کہ بھاپ کی طاقت سے چلنے والا پریس آسانی سے مقبولیت نہیں حاصل کر سکا۔ غالباً اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پرانے طرز کے پریس میں کافی سرمایہ لگا ہوا تھا جسے آسانی کے ساتھ نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ 1830ء میں پریس میں کام کرنے والے ملازمین نے پریس کا باہر سے آیا ہوا بہت سا سامان برباد کر دیا۔ لیکن ہاتھ سے چلائے جانے والے پریس میں ایک گھنٹے میں صرف دو سو پچاس صفحے چھپ سکتے تھے جب کہ کونگ کے پریس میں رفتار اس سے چوگنی تھی۔ 1828ء میں لندن ٹائمس کے لیے ایسی چھپائی کی مشین تیار ہوئی جو گھنٹے میں چار ہزار صفحات چھاپ سکتی تھی۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں روٹیری مشین کا استعمال عام

ہو چکا تھا اور اب ایسی مشینیں ہیں جو چالیس ہزار صفحات فی گھنٹہ چھاپ لیتی ہیں۔

اسٹین ہوپ کے ارل مسٹر چارلس نے ایک ہاتھ سے چلنے والا پریس بنایا جو سالا لوہے کا بنا ہوا تھا۔ بعد کے برسوں میں اس میں اور ترمیمات ہوئیں چنانچہ پیچ کی جگہ ڈھری نے لے لی۔ اس کی وجہ سے اس پر کام کرنا آسان ہو گیا۔ سیاہی پوتنے والے گولے کی جگہ بیلن لگایا گیا۔ چارلس نے پلاسٹر کی مدد سے دھات کی پلیٹیں بنانی شروع کی تھیں، لیکن یہ طریقہ کچھ بہت مقبول نہیں ہو سکا، چنانچہ جب 1830ء میں کلاڈ گے نانکس (Genanex) نے پیپر ماشی کی مدد سے پلیٹیں ڈھالیں تو یہ طریقہ جلد ہی مقبول ہوا۔ چند سال بعد ہرمن جیکوبی نے جست کی پالش کی ہوئی لوہے کی چادر پر چھپائی کی تختی بنائی۔

لوگو ٹائپ (LOGO TYPE)

حروف سازی کے ذریعہ چھپائی میں ایک نئی ایجاد لوگو ٹائپ تھی جس میں دو حروف ایک ساتھ ڈھل کر نکلتے تھے۔ دراصل مشین کے ذریعہ کمپوزنگ کی کوشش اٹھارھویں صدی سے کی جا رہی تھی لیکن کامیابی انیسویں صدی میں ہنری جانسن کو ہوئی جس نے مونو ٹائپ ایجاد کیا۔ شروع میں حروف مشین کے ذریعہ اٹھائے جاتے تھے اس کا قابل عمل نمونہ چارلس کیسٹن بن نے بنایا اور اس پر 1872ء میں لندن ٹائمس چھاپا گیا۔

لائنو ٹائپ (LINO TYPE)

اگرچہ کیسٹن بن مشین 1908ء میں عام ہو چکی تھی لیکن اس کے ذریعہ کام میں دشواری یہ تھی کہ حروف سانچوں میں پھنس جاتے تھے۔ مزید برآں انھیں علاحدہ کر کے خانوں میں رکھنے کا بھی سوال تھا۔ اس کے بعد مرگن تھا کی ایجاد جس کا اوپر ذکر ہوا ہے سامنے آئی۔ پہلا لائنو ٹائپ مشین 1886ء میں پہلی بار قابل استعمال شکل میں چھپائی کی صنعت میں داخل ہوئی مگر پوری کامیابی نہ حاصل کر سکی لیکن اسی اصول پر مبنی ٹالبرٹ لینسٹن کی مونو ٹائپ مشین 1889ء سے اب تک نہایت کامیابی کے ساتھ بڑے بڑے

مطابع میں شاندار کارگذاری انجام دے رہی ہے۔ موجودہ زمانے میں تو کمپوٹر کی مدد سے عکس کمپوزنگ ہوجاتی ہے اور تصاویر تانبے کی پلیٹ کے سلنڈر پر الکٹرانک اسکیننگ کے طریقے سے منعکس ہو کر چھپائی کی جدید ترین ترقی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

برقی پریس کا طریقۂ کار

سادے کاغذ کے تختوں پر کتاب کی چھپائی کا کام بھی آگے چل کر بہت میکینکل ہوگیا۔ سب سے پہلے مونوٹائپ کمپوزنگ مشین کا طریق کار دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس پر کام کرنے والا کمپوزٹر کہلاتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کام کرتا ہے، جس طرح ٹائپ رائٹر پر ٹائپ ہوتا ہے البتہ اس میں تین سو پچیس دبانے کے بٹن ہوتے ہیں۔ جب کہ ٹائپ رائٹر میں صرف ۹۰ دل ہوتے ہیں۔ کمپوزنگ میں مستعمل حروف تہجی کی متعدد طرز کی تحریریں، پنکچویشن اور تمام عددی اشکال وغیرہ، ان کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس مشین کی کارکردگی بظاہر زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔ اس پر بہت تیزی سے کمپوزنگ ہوتی ہے۔ مشین ہر ایک حرف سے گھرنے والی جگہ کی پیمائش اور تمام الفاظ کے درمیانی فاصلوں کا شمار کرتی جاتی ہے جب کارکن کسی سطر کے اختتام پر پہنچتا ہے تو ایک گھنٹی بجتی ہے اور تمام درمیانی فاصلوں کی مجموعی پیمائش کو ان کی تعداد سے تقسیم کرکے ڈرم پر ظاہر کردیا جاتا ہے کہ الفاظ کا درمیانی فاصلہ کتنا اور بڑھا دیا جائے جس سے سطر کا آخری لفظ صفحہ کی داہنی حدِ معینہ پر پورا اترے۔ کمپوزنگ مشین کے اس عمل کو نشستِ الفاظ کی درستی (Justification) کہتے ہیں 'کی بورڈ' (Key Board) چھپی ہوئی تحریر برآمد نہیں کرتا، بلکہ سوراخوں کے ذریعہ ایک لمبی پٹی پر حروف، علاماتِ وقف لازم اور فاصلوں کی خالی جگہوں کی کاغذ پر اپنے اپنے مقام سے نشان دہی کرتا ہے۔

اس کے بعد یہ کاغذ کی پٹی دوسری مشین پر رکھی جاتی ہے جو ٹائپ بناتا ہے۔ اس کا طریق کار کافی پیچیدہ ہے۔ ہوا دباؤ کے ساتھ کاغذ پر بنے ہوئے سوراخوں سے گذرتی ہے اور ایک حرکت پذیر بکس کو جس میں حروف تہجی کے تمام سانچے ہیں ایک ایک حرف ٹھیک اپنے سانچے کے صحیح مقام پر لایا جاتا ہے۔ پگھلی ہوئی دھات پمپ ہو کر سانچے میں پہنچتی جاتی ہے ایک ایک حرف کا ٹائپ ڈھل کر ٹھنڈے پانی کی مسلسل

دھات سے سرد منجمد ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح بکس حرکت کرتا ہوا دوسرے حرف پر اس کے سانچے کو لاتا ہے اور حسب سابق اسے بھی ڈھالتا ہے۔ جب کوئی پھلا تیار شدہ ٹائپ ایک فولادی کشتی میں جسے گیلی کہتے ہیں، پہنچ کر ایک لائن میں لگ جاتا ہے۔ اس طرح یہ گیلی یکے بعد دیگرے تمام کمپوز کیے حروف ٹائپ سے مقام، سطر اور صفحہ وار تسلسل کے ساتھ مکمل ہو کر صفحات میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

اب یہ گیلی کمپوزیٹر کو بھیجی جاتی ہے۔ وہ پڑھ کر اطمینان کرتا ہے کہ سب حروف صحیح طور پر جمے ہیں۔ اگر کہیں غلطی پاتا ہے وہیں ہاتھ سے ردّ و بدل کر کے درست کر دیتا ہے۔ گیلی میں حروف معکوس شکل میں ہوتے ہیں۔ اسے معکوس حروف پڑھنے کا محاورہ اور مشق ہے۔ بہ آسانی پڑھ لیتا ہے، ورنہ آئینے کی مدد سے پڑھنے میں تو کوئی دقت ہی نہیں۔ اس کے بعد ایک آزمائشی نقل چھاپ لی جاتی ہے جسے پروف کہتے ہیں۔ یہ گیلی پروف پبلشر اور مصنّف کو بھیج دیا جاتا ہے تاکہ جو ضروری تصحیح کرنا ہو تو لوح کے صفحات میں تقسیم ہونے سے پہلے ہی کر لی جائے۔ اگر اس کے متن کے ساتھ تصویریں بھی چھاپنا ہیں تو تصحیح کے بعد تصویروں کے بلاک ان کے متعین مقام پر جما دیے جاتے ہیں اور اب ٹائپ کو صفحات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ صفحہ نمبر وغیرہ بالائی سرے پر دے دیے جاتے ہیں۔ کمپوزیٹر ہر صفحہ کو والاڈ ڈوری سے کس کر باندھ دیتا ہے تاکہ وقتی طور پر وہ انھیں گرفت میں رکھے۔ صفحات کی تعداد عام طور پر بتیس یا چونسٹھ ہوتی ہے جو ایک ساتھ چھپتے ہیں۔ اب وہ ایک ہموار چکنی میز پر ان صفحات کو ترتیب سے لگاتا ہے اور ان کے درمیان فاصلے قائم رکھنے کے لیے ایک دھات کا ٹکڑا رکھتا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان مرتّب صفحات کے ٹائپ ایک فریم میں جما دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ٹائپ کے جمائے ہوئے فریم کو چھاپے خانوں کی اصطلاحوں میں فورم کہتے ہیں۔ جس سے مرتب صفحات کا ایک پروف چھاپ کر پرنٹر پروف ایڈیٹر پبلشر، کبھی کبھی مصنف کو بھی بھیجتا ہے۔ وہ جہاں ضروری سمجھتے ہیں پھر تصحیح کرتے ہیں۔ حالانکہ اب فورمے میں تصحیح کرنا بڑی دقت و طوالت کا کام ہے کیونکہ وہ صفحات میں تقسیم ہو چکا ہے۔ بہرحال اسے تصحیح کر کے جکڑ دیا جاتا ہے۔ جسے لاک کرنا کہتے ہیں۔

اس کے بعد مشین اور ٹائپ کو چھپائی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ درحقیقت چھپائی کی ہنرمندی اور سلیقہ کا یہی موقع ہوتا ہے۔ جہاں ایک تجربہ کار و ناتجربہ کار پرنٹر

میں بہ خوبی امتیاز ہوتا ہے۔ اگر ٹائپ حروف چھپائی کے تختے پر سلیقے سے نہیں رکھے گئے تو وہ چھپائی میں یکساں روشن نہیں ہوں گے۔ کچھ حروف تو خوب چمک دار اور کچھ دھندلے ہوں گے۔ ایک بار چھاپنے کی برقی مشین چل پڑی تو نہایت تیزی کے ساتھ ایک ایک تختہ مطبوعہ کاغذ برآمد ہونے لگتا ہے۔ ٹائپ کا فورمہ آگے پیچھے حرکت کرتا جاتا ہے۔ پہلے ایک رولر کے نیچے آتا ہے جو روشنائی کی تختی سے روشنائی لے کر ٹائپ پر کچھ نشان سے لگاتا ہے۔ پھر فورمہ ایک سلنڈر کے نیچے آتا ہے، جس پر کاغذ لپٹا ہوا ہے۔ یہ سلنڈر ایک مخصوص دباؤ ڈالتا ہے اور کاغذ چھپ کر ایک جگہ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر بار روشنائی پھیری جاتی ہے۔ سادے کاغذ کا ایک ایک تختہ پھسلتا ہوا سلنڈر پر آتا ہے، پلک جھپکنے میں چھپ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ یہ کاغذ کے صرف ایک طرف چھپائی ہو رہی ہے۔ جب سب کاغذ چھپ جاتے ہیں تو دوسری طرف اسی طرح چھپائی ہوتی ہے۔ ایک ایسی بھی مشین ہے جو دونوں طرف ایک ساتھ چھپائی کرتی ہے۔ اس میں دو فرمے مسلسل حرکت کرتے ہیں۔ یہ پہلی مشین سے زیادہ پیچیدہ مشین ہے۔ ایسی بھی مشینیں ہیں جو چار رنگوں میں ایک ساتھ چھپائی کرتی ہیں۔ صرف کچھ دباؤ بڑھانا پڑتا ہے۔ ڈھلے ہوئے ٹائپ کی اسٹیریو پلیٹ بھی بن کر نکل سکتی ہے۔ اس کے لیے نہ صرف پگھلی ہوئی دھات بلکہ پلاسٹک، ربڑ یا نائیلون کے علاوہ کچھ اور سامان کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اسٹیریو کے استعمال سے اصلی ٹائپ حروف چھپائی میں گھستے نہیں ہیں۔ ٹائپ سے صفحے پر فلونگ چڑھا دینے سے ہر ایک ٹائپ صفحے کا ٹھپہ تیار ہو جاتا ہے۔ اسٹیریو پلیٹ کو اگر خم دار بنا لیا جائے تو روٹری پریس مشین سے بھی چھپائی ہو سکتی ہے۔ جس کی رفتار اس مشین سے بہت زیادہ ہے۔

چھپائی ختم ہونے کے بعد یہ تختے جو بتیس، چونسٹھ یا اس سے بھی زیادہ صفحات میں ہیں، ایک فولڈنگ مشین کے ذریعے ایک کے بعد ایک کئی روے کے درمیان جا کر مقررہ سائز کی کتابی شکل میں آ جاتے ہیں۔ ان کا ہر موڑ سگنیچر کہلاتا ہے۔ یعنی ہر تختے کے دو یا چار سگنیچر ہوتے ہیں۔ صفحات میں مڑنے کے بعد یہ کولیٹنگ مشین Collating Machine میں جاتے ہیں۔ یہاں ترتیب وار جز بندی ہوتی ہے۔ سلائی مشین کی ہر جز کی سلائی کر کے سب کو ایک دوسرے سے منسلک

کر دیتی ہے۔ کچھ کتابوں کی سلائی ٹیپ پر ہوتی ہے مگر بیشتر سادی سلائی ہوتی ہے۔ اب بھاری دباؤ کے نیچے کتاب آتی ہے جسے پننگ کہتے ہیں۔ اور پھر گلوٹین میں جاتی ہے یعنی کتاب شکنجے میں کسی جاتی ہے۔ یہاں تین تیز چھریوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جو سامنے اوپر اور نیچے کتاب کے تین پہل تراش کر ہموار اور چکنا کر دیتی ہے۔ پھر راؤنڈنگ اور بیکنگ مشین میں کتاب کے پچھلے پہلو کو محدّب اور سامنے کے رُخ کو مجوّف کر دیتی ہیں۔ واضح ہو کہ کتاب کے چار رُخ ہوتے ہیں۔ سامنے کا رُخ جہاں سے کتاب کے ورق کھلتے ہیں۔ پُشت جس پر جزُ بندی اور سلائی ہوتی ہے، چہرہ جہاں سے کتاب شروع ہوتی ہے اور اس پر ٹائیٹل بھی ہوتا ہے اور نچلا حصّہ جس پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

پیپر بیک (کاغذی پُشتی بان)

آج کل بہت سی کتابیں خصوصیت سے پیپر بیک میں نکل رہی ہیں جس میں سلائی نہیں کی جاتی بلکہ پُشتی بان کے کناروں کو بھی بغیر جز بندی کے تراش دیا جاتا ہے۔ جس سے کتاب علاحدہ اوراق کا ایک مجموعہ ہوتی ہے۔ ایسی کتابوں کے پشت کے کنارے پر پلاسٹک سلیوشن پیس دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلی ہوئی کتاب کی طرح تمام اوراق کو باہم جوڑا ہوا رکھتی ہے۔ بمقابلہ روایتی جلد بندی کے یہ طریقہ بہت آسان ہے۔ البتہ کاغذ کی بعض اقسام میں یہ تکنیک استعمال نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ جلد ٹوٹ جانے پر دوبارہ پیوست کرنا دشوار ہے۔

جز بندی اور سلائی یا سلیوشن سے جوڑنے کے بعد کتاب ایک ایسی مشین میں پہنچتی ہے جہاں اس پر جلد سازی ہوتی ہے۔ دو موٹے سخت کاغذ یا کپڑے کا کتاب کی سائز کا ترشا ہوا بالائی حصّہ کا کور تیار رہتا ہے کتاب کے نیچے اور اوپر دو دفتوں کے کور کو کسی لیس دار چیز سے چپکا ہوا کتاب کی پشت کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور نہایت پائداری کے ساتھ اس سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ تیار شدہ جلد شعبہ چھپائی کی مشین میں آتی ہے جہاں پیتل کے کٹے حروف کے گرم ٹھپّے سے جلد کی پشت والے حصّے پر کتاب اور مصنّف کا نام چھاپ دیا جاتا ہے۔ اگر بغیر کسی روشنائی کے حروف نقش کیے جاتے ہیں تو اسے کورا ٹھپہ (Blind Blocking) کہتے ہیں۔ سادہ رنگین

کاغذ کے فیتے یا رو پہلے سنہرے سفوف سے حروف ابھارے جاتے ہیں۔ مشین کی جلد سازی میں پُشتی بان پر بہت سا گوند یا لیس پوت کر ایک قسم کا موٹا کپڑا خوب دباؤ کے ساتھ چپکایا جاتا ہے۔ جسے شیرازہ بندی یا (Mull) کہتے ہیں۔ اور آخر میں کتاب اور اس کی جلد کو ایک مشین میں لے جاکر باہم چسپاں کیا جاتا ہے۔ یہاں کتاب کا پہلا اور آخری ورق جلد کے اندرونی حصّے سے چپکا کر مشین میں اسے نہایت سخت دباؤ کے نیچے سے گذارا جاتا ہے کہ وہ بالکل سجل ہو جاتی ہے۔ اگر کتاب پر غباری ورق Dust Cover بھی چڑھانا مقصود ہے تو ہاتھ سے چڑھایا جاتا ہے۔ مشین نے اپنا سارا کام ختم کر دیا۔ کتاب بالکل مکمل ہو گئی۔

تصاویر کی چھپائی میں جدید تکنیکی ترقیاں

کتاب میں تصویر چھاپنے کے کئی طریقے ہیں اور کچھ بہت پیچیدہ ہیں۔ ٹائپ حروف کے ساتھ تصویریں تین طرح چھاپی جاتی ہیں۔ (۱) ہاف ٹون (۲) چوبی ٹھپہ (۳) لائن بلاک۔ موخر الذکر دونوں طریقے کم خرچ و بالانشیں ہیں ۔ ان کے طریق کار کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

لائن بلاک :۔

جستے یا میگنیشیم کی تختی کو کیمیاوی مرکب سے موثر بنا کر اُس پر نگیٹیو فوٹو کھینچا کیا جاتا ہے۔ یعنی عکس منفی اُتارا جاتا ہے۔ پھر اُس نقش کو محفوظ کر کے تختی کو تیزاب میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ اس سے تختی کے غیر محفوظ حصّے کی بالائی سطح کو تیزاب کھا جاتا ہے اور تصویری نقش جو تیزاب کے اثر سے محفوظ رکھا گیا ہے ابھر آتا ہے۔ ٹائپ طباعت کے ساتھ یہ تیار شدہ بلاک مستعمل ہے۔ اس سے سیاہ سفید نقوش کی تصویریں چھپتی ہیں۔ لیکن اس طریقہ سے درمیانی عکس کا ابھار رنگ نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ جب کہ فوٹو گراف اور لیتھو گراف سے ہلکی درمیانی سایہ فگنی Shading بھی دوسرے طریقے سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

ہاف ٹون :۔ اس کے ذریعہ عام طور پر فوٹو گراف چھاپے جاتے ہیں۔ بلاک

بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاف ٹون اسکرین کو کیمرے میں فوٹو گرافک پلیٹ کے سامنے رکھ کر اصل فوٹو کو دوبارہ کھینچا جاتا ہے۔ ہاف ٹون اسکرین شیشہ کی ہوتی ہے۔ اور اس پر کھڑے اور پڑے خطوط متوازی کھینچے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے شیشے پر دندانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ تصویر کو بے شمار باریک نقطوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اخباری تصاویر میں یہ نقطے واضح نظر آتے ہیں کیونکہ اس کی اسکرین معمولی ہوتی ہے۔ اس اسکرین پر ایک انچ میں پینسٹھ لکیریں ہوتی ہیں جب کہ کتاب کی تصویروں کے لیے بہت عمدہ اسکرین استعمال ہوتی ہے۔ اس کے دندانے اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ اعلا خورد بین ہی کی مدد سے تصویری نقطوں کو دیکھنا ممکن ہے۔ اس اسکرین کے ذریعہ تانبے کی پلیٹ پر نگیٹو فوٹو گرافی کر کے ہاف ٹون بلاک کے لیے تیزاب میں ڈال کر اسی طرح سطح تراشی (Etching) کی جاتی ہے جیسے کہ لائن بلاک میں ہوتی ہے۔ ہاف ٹون بلاک سے رنگین تصاویر چھپ سکتی ہیں۔ لیکن جتنے رنگوں کی چھپائی ہوگی اتنی ہی پلیٹیں استعمال کرنا پڑیں گی۔ عموماً نیلی، پیلی، لال اور سیاہ چار رنگوں سے بہت زیادہ رنگ پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ ان چار رنگ کی ہاف ٹون اسکرین کی پلیٹیں بنانے کے لیے کیمرے میں کلر فلٹر بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اور کاغذ پر چار بار چھپائی ہوتی ہے۔ ہاف ٹون بلاک حروف کی چھپائی کے ساتھ استعمال کرنے میں یہ ضروری ہے کہ کاغذ نہایت چکنی اور چمکدار سطح کا ہو۔ جسے عرفِ عام میں آرٹ پیپر کہتے ہیں۔ اس کے لیے تصویریں یا تو متن سے الگ چھاپی جائیں یا پوری کتاب آرٹ پیپر پر چھپے۔

فوٹو کندہ کی ہوئی پلیٹ (PHOTO GRAVURE PLATE)

اس سے معمولی میٹ کاغذ پر چھپائی ہو سکتی ہے مگر بہت مہنگی پڑتی ہے تاوقتیکہ بڑی تعداد میں کتاب کی کاپیاں نہ نکالی جائیں۔ یہ تکنیک ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ جس میں فوٹو گرافر پورے عمل سے ایک بار پھر نقطوں کے ایک تسلسل میں فوٹو کی چاہت کو توڑتا پڑتا ہے۔ کیمرے میں دوسری بار جو اسکرین استعمال کی جاتی ہے۔ وہ بجائے ابھرے نقطوں کے گہرے نقطوں کی ہوتی ہے۔ پرنٹنگ پلیٹ کی سطح پر ان باریک نقطوں کی گہرائی کہیں کم کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ گہرے نقطوں میں زیادہ روشنائی بھرتی ہے اور اتھلے نقطوں میں کم، اس اعتبار سے رنگ کہیں گہرا، کہیں ہلکا پیدا ہو کر بہترین عکاسی

اور سایہ نگنی کا حق ادا کرتا ہے۔ چار رنگ کی اسکرینیں اور کلر فلٹر کیمرہ استعمال کرکے اس سے رنگین تصاویر بھی چھاپی جاسکتی ہیں۔ دراصل کلر فوٹوگریور محض رنگوں میں گہرائی اور چمک پیدا کرنے کی ایک قسم ہے جو کلر ہاف ٹون سے نہیں حاصل کی جاسکتی۔

آفسیٹ کی چھپائی

ایک سطح پر بنی ہوئی تصویر، تحریر یا جمے ہوئے ٹائپ حروف پر روشنائی لگاکر پہلے ایک سلنڈر کی ربڑ پلیٹ پر منتقل کرنا اور پھر اس ربڑ پلیٹ سے دوسرے سلنڈر پر پلٹے ہوئے کاغذ پر چھپائی کرنا اس تکنیکی طریقہ کو آفسیٹ کہتے ہیں، جس کا فائدہ یہ ہے کہ نہایت صاف اباریک نوک پلک کی طباعت اس طریقہ سے ہوتی ہے۔ آفسیٹ میں بالترتیب چار سلنڈر کام کرتے ہیں۔ پہلا پلیٹ سلنڈر جس پر روشنائی اور پانی پھیرنے والے رولر گھومتے اور اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ دوسرا آفسیٹ ربر بلینکٹ سلنڈر، جو پہلے سلنڈر سے ملا ہوا گھومتا ہے، اور پہلے سلنڈر کا معکوس نقش اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ تیسرا کاغذ چڑھا ہوا سلنڈر جو دوسرے سلنڈر سے وابستہ ہوکر گردش کرتا ہے اور ربڑ سے کاغذ پر نقش منتقل کرکے صحیح صورت میں چھپائی کرتا ہے۔ چوتھا ڈلیوری سلنڈر جو چھپے ہوئے کاغذ کے تختوں کو تیسرے سلنڈر سے لے کر ایک جگہ جمع کرتا جاتا ہے۔

چھاپے خانوں کی روشنائی

اس کی تیاری میں دو خاص اجزا مستعمل ہیں (۱) وارنش جو السی کے تیل کو چھرا لاکھ کے ساتھ پکاکر تیار کی جاتی ہے (2) رنگ، اسیاہی کے لیے گلشن برگ اور اسکو فرچراغ کی کالک استعمال کرتے تھے۔ ان دونوں ابتدائی چھاپنے والوں کی بنائی ہوئی روشنائی کچھ کم درجہ کی نہیں تھی۔ باسکر دتے نے وسط اٹھارھویں صدی میں اس سے بہتر روشنائی بنانے کی کوشش کی لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ سولھویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں طباعت کی روشنائی کے بڑے بڑے کاروباری فرانس اور انیٹورپ میں تھے۔ پلینٹین بھی روشنائی کی صنعت میں ایک ممتاز کاروباری ہے۔ انیسویں صدی عیسوی تک بڑے بڑے چھاپے خانے اپنے لیے روشنائی خود تیار کرتے تھے۔

آٹھواں باب

کتب خانے

کتابوں کی قدر و قیمت کا احساس انسان کو بہت زمانہ دراز سے بلکہ کتاب کے وجود میں آتے ہی ہو گیا تھا۔ کچھ تو اس لیے کہ ان میں تحریر کیا ہوا علم کسی غیبی طاقت کا کرشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ اِس لیے بھی کہ بڑی محنت سے پیدا کیے ہوئے ایک ہنر ایک فن کا ثمرہ ہے جو ہر ایک کے بس کا کام نہیں اور سب سے زیادہ یہ احساس کہ کتابوں میں بڑے کام کی باتیں ہیں جو آڑے وقت پر انسان کی مدد کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کی حفاظت کی فکر ابتدا سے شروع سے ہی ہے۔ ناموافق موسمی اثرات اور آگ لگنے کا اندیشہ، جاہل اور متعصب لوگوں کے ہاتھوں ضائع ہونے کا خدشہ، حملہ آوروں کی یورش اور ناگہانی آفات میں کتابوں کے تلف ہو جانے کا خوف انسان کو طرح طرح کی حفاظتی تدبیریں سمجھاتا رہا۔ بسا اوقات اس نے جان و مال سے زیادہ کتابوں کو تباہی سے بچانے کی کوشش کی۔ چنانچہ شاہ طہمرث کو جب نجومیوں نے خبر دی کہ اس کی حکومت کے دو سو اکتیس برس اور تین سو دن بعد طوفانِ نوح آنے والا ہے جس میں مشرق کے آخری سرے تک سب کچھ غرق ہو جائے گا، تو اس نے جان و مال کی حفاظت کے لیے کیا تدبیر کی اِس کی تاریخ میں کچھ پتہ نہیں چلتا البتہ کتابوں کو محفوظ کرنے کی ایسی کامیاب کوشش کی کہ طوفانِ نوح گذرنے کے ہزاروں سال بعد اصفہان کے ایک موضع جے کے نواح میں کوہان دیز ٹیلے سے جو کہ دراصل سارویہ نام کی زمین دوز عمارت تھی۔ بہت بڑی تعداد میں طہمرث کے زمانے کی کتابیں اور نجومیوں کی پیش گوئی وغیرہ کی تفصیل گیارھویں صدی عیسوی میں برآمد کر کے مامون الرشید کے کتب خانے میں لائی گئیں اور مورّخ ابن ندیم نے بچشم خود ان کا مشاہدہ کیا۔

اسی طرح کا ایک بڑا موثر واقعہ گذشتہ جنگ عظیم کے زمانے میں معلوم ہوا۔ فلسطینی گڈریوں کے لڑکے کھیلتے ہوئے ایک دور افتادہ غار تک پہنچ گئے اور شرارتاً اس کے دہانے میں پتھر پھینکے جس سے گونجتی ہوئی آواز پیدا ہوئی۔ لڑکے ڈر کر بھاگ گئے اور اپنے گھر والوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ ان لوگوں نے غار میں گھس کر تجسس کیا تو بھاری بھاری پتھروں کے نیچے پوشیدہ دھات کے شکے میں چرمی تختوں پر لکھی ہوئی کچھ کتابیں ملیں۔ ایک واقف کار نے چند سکوں میں ان کو خرید کر بہت بڑی قیمت پر امریکہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ اُن کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ پہلی صدی عیسوی میں رومن لشکر کے سپاہی کچھ یہودی علما کا پیچھا کر رہے تھے اور وہ ان کتابوں کو سینے سے لگائے چھپتے پھر رہے تھے۔ بالآخر جب اپنی جان سے بالکل مایوس ہو گئے تو قتل ہونے سے پہلے وہ ان کتابوں کو جن میں بائبل کا اصلی غیر تحریف شدہ نسخہ بھی ہے چھپا کر محفوظ کر دینے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی روئداد بھی لکھ کر چھوڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ انھوں نے جانیں دے دیں لیکن کتابیں ان تباہ کار ہاتھوں تک نہیں پہنچنے دیں۔ یہ کتابیں اب نیویارک کے کتب خانے میں ہیں۔

کتب خانوں کی بنیاد میں انسان کا یہ سب سے ابتدائی جذبہ کام کرتا ہے کہ جو کتابیں وجود میں آئی ہیں ان کی حفاظت کی جائے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان کو مطالعہ کے لیے آسانی سے کتابیں دستیاب ہوں اس سلسلے میں کتابیں رکھنے کا ایک مخصوص طریق کار اور ان کی ترتیب و تنظیم ایجاد ہوئی۔ جس کا مطالعہ کرنے کے لیے کتب خانوں کی تاریخ کو تاریخ کتاب کی طرح تین حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عہد قدیم کے کتب خانے۔ عہد وسطیٰ کے کتب خانے اور حالیہ صدیوں کے کتب خانے۔ آخری دور کے کتب خانے بھی دو قسم کے ہیں۔ بیسویں صدی کے ربع اوّل کے بعد ایک بالکل ہی نئے قسم کے کتب خانے وجود میں آئے جن کا پہلے زمانوں میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح کتب خانے چار اقسام کے ہیں۔

عہد قدیم کے کتب خانے بابل اور نینوا

کتاب کی تاریخ میں سب سے پہلا کتب خانہ بابل اور نینوا کا ہے جس کی

بلیاد سمیریوں نے رکھی تھی۔ آثار قدیمہ کے محققین کو اس سرزمین میں دفن شدہ سرکاری انتظامیہ کے دفاتر بھی ملے اور بہت بڑے بڑے کتب خانے بھی۔ ایک کمرے میں سرکاری اور سیاسی امور کی دستاویزیں تھیں، دوسرے کمروں میں علوم و حکمت کی کتابیں یکجا تھیں۔ بڑے بڑے مستطیل کمرے جن میں ہر چہار جانب مٹی کے اوراق کی اٹی ہیں بڑے سلیقے سے لگی پائی گئیں۔ ان کمروں میں چاروں طرف تقریباً تین فٹ چوڑی ایک چبوترا نما روش تھی جو درمیانی فرش سے کچھ اونچی تھی۔ دروازوں سے آمد و رفت کے راستے کو چھوڑ کر پورے چبوترے پر گرداگرد دیوار سے لگی مٹی کی تختیوں پر لکھی کتابیں الگ الگ موضوعات میں تقسیم کی ہوئی سجی تھیں۔ ہر تختی کے اوپری حصے میں ایک سوراخ ہے جس میں اسی پرو کر ایک کتاب سے متعلق سب تختیوں کی شیرازہ بندی کی گئی ہے۔ سب سے اوپر کی تختی پر کتاب کا موضوع اور مالک یا جس کی فرمائش پر کتاب تیار کی گئی اس کا نام لکھا ہے۔ اکثر مالکانِ کتب کی تصویریں بھی اوپری تختی پر بنی ہیں۔ یہ پتہ چلانا ممکن نہیں کہ ان کتابوں کے مصنف کون کون اشخاص ہیں۔ اور نہ کاتبوں کا نام کہیں لکھا پایا گیا۔ ہر جز و بند کتاب سے ایک چھوٹی سی پتلی چوکور تختی بھی بندھی ہوئی ملی یہ بھی مٹی کی ہے اور اس پر ایک مخصوص نشان بنا ہے۔ یہ نشان کتاب کی اوپری تختی پر بھی بنا ہے۔ جس کو سرورق کہنا چاہیے۔ ایک جگہ کچھ مٹی کی تختیاں ایک رسی میں پروئی علاحدہ رکھی ہوئی ملیں جن پر تسلسل کے ساتھ وہ مخصوص نشانات بنے ہوئے تھے جو مٹی کے مختلف لیبل پر تھے۔

ان چیزوں کو دیکھ کر آج کے منظم کتب خانہ کے ماہرین سخت حیرت میں ہیں۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار برس پہلے جن لوگوں نے کتب خانے کی اس طور پر تنظیم کی تھی ان کے سامنے کسی کتب خانے کی مثال نہ تھی جس نے ان کی رہبری کی ہو۔ اس کے باوجود وہ اس قدر مکمل تنظیم کتب خانہ کا طریق کار تھا کہ اس وقت تک اسی پر تمام کتب خانے کا انتظام کار بند ہے۔ چار یا پانچ ہزار سال پہلے جب انسانی تہذیب کی ابتدائی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ اس وقت کتابوں کی ترتیب و تنظیم کے سلسلے میں مربوط فہرست سازی اور کتابوں کی زمرہ بندی (Integral Cataloging) نشان دہی کے کارڈ (Indicator Card) اور حوالہ کتب

کے اشاراتی نشان اور شماریہ Referencing Coadex وغیرہ تک ان لوگوں کا ذہن بالکل صحیح طور پر پہنچ گیا تھا۔ کتب خانوں کی اس پیچیدہ تکنیک اور کتابوں کی نشان دہی کے دشوار مسئلے کے صحیح حل تک ان کے ذہن کی رسائی کس طرح ہوا اس پر مسٹر بار برا ایوان جو موجودہ جدید ترین کتب خانوں کی خود کار مکینکی طریقے کے ماہرین انھوں نے بھی بہت تعجب کیا ہے۔ میسو پوٹامیہ کے کھنڈروں سے برآمد شدہ حقائق کے ذریعہ یہ انکشاف ہوا کہ موجودہ لائبریریوں کی جدید تنظیم کتب ما قبل تاریخ اور قدیم ترین ذہن سے کس قدر مربوط و متوسل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان قدیم ترین کتابوں پر رسی سے بندھے ہوئے مٹی کے لیبل انڈکس کارڈ اور مٹی کی تختیوں کی الگ رکھی ہوئی ڈھیری جس پر علامتی حروف اکٹھا کیے ہوئے تھے۔ اُس کتب خانے کا کیٹلاگ تھا جن کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانے کی کتابوں کے مکینکی زمرہ بندی، سلسلہ نمائی اور نشان دہی کے کمپیوٹر چار پانچ ہزار سال قدیم نظم کتب خانہ کا ایک سلسلۂ خیال اور قدیم انسان کی کوششوں کا ایک کامیاب نتیجہ ہیں۔

قدیم مصری کتب خانے

دوسرا قدیم ترین کتب خانہ مصر کا ہے جہاں تنظیمی امور سے زیادہ حفاظتی بندوبست کی ضرورت تھی کیونکہ وہاں میسو پوٹامیہ کی طرح مٹی کی تختیوں والی کتابیں د تھیں جن کے سڑنے گلنے کا اندیشہ نہ ہو۔ مصر میں پیپرس پر لکھی کتابیں موسمی اثرات اور دیمک وغیرہ کیڑوں سے تباہ و برباد ہو سکتی تھیں۔ یہ فراعنہ کے اوّلین دور سے خاص توجہ تھی وہاں کتابوں کے تحفظ کی جو تدبیریں کی گئیں وہ بہت قابلِ تعریف ہیں۔ پتھر اور اینٹوں کے بڑے بڑے زمین دوز تہ خانے اور ان پر بلند تکونی تعمیرات جن کو اہرام کہتے ہیں۔ ان کے اندر دھاتا پتھر اور مٹی کے پختہ بڑے بڑے خم اور مرتبانوں میں مسالہ اور طرح طرح کی ادویات چھڑک کر پیپرس کے مکفوفے محفوظ کر دیے گئے تھے جو بالکل صحیح سالم حالت میں ملتے ہیں۔ کتب خانوں کا سارا انتظام فراعنہ کے سرکاری کارکنوں کے سپرد تھا اور مطلوبہ کتابیں وہ مکفوفے

کے بہت بڑے ذخیروں میں ہر وقت ڈھونڈ نکالنے کے لیے کوئی طریقہ اختیار کرتے ہوں گے جس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

فراعنہ کے بعد قبطی دور میں ان کتب خانوں میں بڑی وسعت ہو گئی تھی اب بطلیموس دویم کے ذوق و شوق کا مرکز کتابیں تھیں اور یونانی علما اور حکما کا اسکندریہ میں مجمع تھا لہٰذا لاکھوں کی تعداد میں کتابیں دار الکتب اسکندریہ میں اکٹھا ہو گئی تھیں۔ اس شہر کو مہذب دنیا کی ایک اعلا درسگاہ اور علم و ادب کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی جہاں دور دور ممالک کے طلبا تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ یونانی، لاطینی، مصری اور ہندی کتابوں کے بہترین قلمی ایڈیشن تیار کرنے کا کام مسلسل جاری تھا۔ نینوا میں آشر بانی پال کے عظیم کتب خانے سے چل کر سواحل روم کے علاقے میں سکندریہ اس زمانے کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا جس میں چھ لاکھ پیپرس چٹائیوں کی طرح لپٹی ہوئی کتابوں کا ذخیرہ مبالغہ نہیں ہے۔ یہ کتب خانہ 148 ق م تک اسی طرح کتابوں سے مالا مال رہا۔ لیکن اسی سال جولیس سیزر نے مصری جہازی بیڑے کو آگ لگائی اور اس کے شعلوں میں سکندریہ کا یہ عظیم الشان کتب خانہ بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔

پرگیمم کا کتب خانہ

مصر کی سرزمین سے قریب ہی ایشیائے کوچک ہے جہاں پہلی صدی ق م میں اس کے دار السلطنت پرگیمم (Pargaimim) میں لاکھوں کی تعداد میں کتابوں کا اس زمانے میں دوسرا سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔ ایشیائے کوچک کے بادشاہ یومینس کو کتابوں کا ذوق شوق اس قدر دامن گیر تھا کہ جس کی بدولت کتابیں لکھنے کی ایک نئی چیز ایجاد ہوئی، چرمی پارچے نہایت صاف چکنے اعلا پیمانے پر تیار کرنے کی ایک صنعت وجود میں آئی جو صدیوں چلتی رہی۔ فرماں روائے مصر بطلیموس سے شاہ یومنس کی مخاصمت تھی جس کی وجہ سے پیپرس کی ایشیائے کوچک میں درآمد پر بندش تھی۔ اس بندش نے لکھنے کے لیے ایسی عمدہ نفیس چیز پیدا کر دی تھی۔ پرگیمم کے بادشاہ نے کتابوں کے لیے نہ صرف چرمی پارچے تیار کرائے بلکہ

بہترین کاتب بھی جگہ جگہ سے تلاش کر کے بلوائے حتیٰ کہ شاہ بطلیموس کے مہتمم کتب خانہ کو ورغلا کر کتابوں کے نایاب نسخے بھی حاصل کر لیے تھے اس طرح نہ صرف چرمی یا رچوں پر بلکہ پیپرس پر لکھی کتابیں کافی تعداد میں اس نے اکٹھا کی تھیں ۔ یہ لاکھوں کتابوں کا قیمتی سرمایہ مارک انطونی نے 47 ق م میں لوٹ کر اس کی دو لاکھ کتابیں قلوپطرا کو تحفے میں دیں جو دوبارہ اسکندریہ کے کتب خانے میں رونق پیدا کرنے کا سبب ہوئیں اور بقیہ روم پہنچا دی گئیں ۔ مگر پھر ایک بار 40-39 ق م میں جب رومن شہنشاہ تھیوڈوسیس نے اسکندریہ کے شہر علم و ادب کو آگ لگا کر اس کے کتب خانے کو پھونکا تو بر گیم کی رہی سہی کتابیں بھی نیست نابود ہو گئیں ۔ اس کے بعد مصری کتب خانوں کی شاندار روایات یورپ کو منتقل ہو گئیں ۔

قدیم ایرانی کتب خانے

فراعنہ مصر کے دوسرے ہی دور میں وسط ایشیا میں شاندار کتب خانوں کی سرزمین ایران کے بارے میں تاریخی حوالوں اور مستند ثبوت سے قدیم کتابی ذخیروں کا بڑی تفصیل کے ساتھ ابن ندیم نے الفہرست میں تذکرہ کیا ہے ۔ ایران قدیم کے مختلف تاریخی ادوار میں متعدد بڑے بڑے کتب خانے قائم ہوئے ۔ مثلاً سہل ابن نوبختی ایرانی کی تصنیف ''ندمتن فی معرفت الطابع الانسان'' کے حوالے سے الفہرست میں ضحاک کے ایک شہرِ علم و دانش کا تذکرہ ہے جس میں بارہ محل بارہ برج شمسی کی مناسبت سے علمی ذخیروں سے معمور تھے ۔ یہ شہر تعلیم و تعلم اور تحقیق و تدوین کی سرگرمیوں کے لیے بسایا گیا تھا ۔ ضحاک نے اس شہر میں سائنسی کتابوں کا بہت بڑا خزانہ جمع کیا تھا اور عالموں حکیموں وغیرہ کے لیے مکانات بنوائے تھے ۔ اسی طرح ابو معشر اور حمزہ اصفہانی کی تحریروں کے علاوہ اور کئی مستحکم ثبوت کے ساتھ اکامیتین عہد تک بلکہ اس سے بھی آگے ایران میں بڑے بڑے کتب خانوں کے وجود کی نشان دہی کی ہے ۔ مثال کے طور پر فقر آباد نا کے کھنڈر سے کچھ مٹی کی تختیاں برآمد ہوئیں جن پر اکامینین کتب خانوں کے نشانات ہیں ۔ اسی طرح کچھ اور ناقابل تردید ثبوت ''ششش یا سوسا'' میں دارا کی قائم کی ہوئی ایک یونیورسٹی اور اس سے ملحق بہت بڑے کتب خانے کا پتہ دیتے

ہیں۔ مصر کی مذہبیات والٰہیات سے متعلق کتاب اوزاہائیس زیتی کی نقل جو فرعون کامبسس نے دارا کو بھیجی تھی یہاں سے برآمد ہوئی۔

ساسانی کتب خانے

بعد کے زمانے میں ایک بہت بڑے کتب خانے کا تذکرہ ہے جو نوشیرواں عادل (خسرو اوّل) نے گندی شاپور میں قائم کیا۔ یہاں دُور دراز ملکوں کی کتابوں کے پہلوی اور سنسکرت میں ترجمے اکٹھا کیے گئے تھے جیسے پنچ تنترا (کلیلہ دمنہ) اور الف لیلا وغیرہ۔ شاپور اوّل نے ایک اور کتب خانہ بغداد میں قائم کیا تھا جو اردشہر بابکاں کے کتب خانے کے علاوہ تھا۔ اردشہر بابکاں نے بھی ہندوستان اور چین سے قدیم ایرانی کتابوں کے نسخے منگا کر پھر سے ایران میں اکٹھا کیے تھے۔ یہ نسخے دینی پیشوا زردوسترا اور حکیم جاماسپ کے مشورے سے شاہانِ ایران نے سکندری قلعہ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے بیرون ملک بھیج دیے تھے۔ یہ دونوں کتب خانے بعد میں عرب سلاطین کے ہاتھ آئے اور شاہان سلجوق کے زمانے ان کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

ساسانی دور کا تیسرا شاندار کتب خانہ حکیم قباسیاس نے 389 تا 401ء میں قائم کیا تھا جو اردشہر دریم کا طبیب خاص تھا۔ اس کی ایک تصنیف پرسئیا Persia چرمی وصلیوں پر لکھ کر شاہی کتب خانے میں داخل کی گئی تھی۔ یسنا پورداؤد صفحہ 81 تا 110 میں اس کا حوالہ ہے۔ فردوسی نے جن قدیم ایرانی کتابوں سے شاہنامے کو ترتیب دیا وہ (1) رستاختام، اسفندرات (رستم و اسفندیار) (2) بہراسپ جس کا عرب منتہی اللغات میں حوالہ ہے (3) پیکار (جو معرب ہو کر البیکار ہو گیا) مسعودی نے التبقاش سے اخذ کر کے اپنی مورج الذہب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مسعودی نے ایک اور کتاب شکیسران کا تذکرہ کیا ہے جو اصل پہلوی سگیران کا معرب ہے جس کا مطلب ساکا قبیلے کے سرداران سے ہے۔ یہ ساگستان میں متمکن تھے جو رستم کا وطن سیستان ہے۔ ساسانی کتب خانے فلسفہ، روحانی علوم، شاعری موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ پر مشتمل تھے۔

قدیم ہندوستانی اور قدیم چینی کتب خانوں کی تفصیلی معلومات نہیں

فراہم ہو سکیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عہد قدیم میں ان کے بہت بڑے بڑے کتب خانے ہوں گے جن کے حفاظتی انتظامات کچھ اس قسم کے تھے کہ یا تو ان کو بہت بڑی تعداد میں تلف ہونے سے نہ بچا سکے یا اتنا زیادہ محفوظ کر گئے کہ محققین آثارِ قدیمہ ان کے بیشتر حصے کا اب تک سراغ نہ پا سکے۔ تلاش میں کچھ ہندوستانی کتابیں بھوج پتر اور تامبے پتر پر ملی ہیں یا تاڑ کے پتوں پر کچھ کتابوں کا پتہ چلا ہے۔ اسی طرح چین کی کچھ کتابیں ریشم اور کاغذ پر ملیں جو 213 ق م سے زیادہ قدیم نہیں ہیں۔

قدیم یونانی کتب خانے

پانچ سو ق م میں فرعون کا مصر اجڑنے اور یونان کی علمی سرزمین پھولنے پھلنے لگی تھی تین سو اکتیس ق م سے بہت پہلے یونان کی تصنیفی سرگرمیوں کے دو الگ الگ حلقے تھے جن کے مرکز اتھنز اور اسپارٹا کے دو مختلف النوع سیاسی نظام تھے ایک جگہ جمہوریت کی نشوونما ہو رہی تھی دوسری جگہ ملوکیت روز افزوں طاقت پکڑ رہی تھی دونوں بہت بڑے علمی مرکز تھے اور دونوں جگہ اتنی کثیر تعداد میں اور اس قدر بلند پایہ علما اور حکما پیدا ہوئے کہ آج تک ان کے نام سے ہر شعبۂ علم کی ابتدا ہوتی ہے خواہ وہ مابعد الطبیعاتی علوم روحانیت، تصوف اور اخلاقیات سے متعلق ہو یا طبیعات ریاضی، منطق کی بات ہو۔ اتھنز کے علما اور حکما کے سرگروہ سقراط، افلاطون اور جالینوس ہیں اور اسپارٹا کے ارسطو، گیلن اور ہائی پاکریٹ ہیں۔ اسپارٹا کے علما اور مصنفین کی مجلس کا مرکز تین سو اکتیس ق م کے بعد اسکندریہ منتقل ہو گیا لیکن اتھنز اپنی جگہ پر تھا۔ ظاہر ہے کہ سقراط، افلاطون اور جالینوس جیسے جلیل القدر عالم و دانشور اور ان کے تمام گروہ حکما اور مصنفین نے مل کر کس قدر کتابیں لکھی ہوں گی کس قدر کتابیں دنیا بھر کے علما کی مطالعے کے لیے اکٹھا کی ہوں گی جن سے کتنا بڑا کتب خانہ ایک نہیں متعدد وجود میں آئے ہوں گے۔ لیکن ان کتب خانوں کے متعلق کوئی تفصیل درکنار ان کی کسی کتاب کے کسی لفظ کا بھی علم ہم کو نہ ہو سکتا اگر عربوں نے مصر کی سرزمین سے ان کے کچھ نسخے نہ ڈھونڈ نکالے ہوتے۔ اس لیے کہ یونان کی سرزمین پر ایک ہولناک زلزلہ آیا اور اس کے بعد آتش فشاں کے لاوے نے کتب خانوں کی وہ

دنیا اور سب کتابیں نگاہوں سے چھپا دیں۔ لہٰذا ان کتب خانوں کا تصور کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی حقیقی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔

قدیم رومن کتب خانے؛ عہدِ وسطیٰ کا آغاز

پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر میں تصنیفات، کتب نویسی، اور کتاب سازی کے کاروبار نے چونکہ ایک نئے عہد میں قدم رکھا تھا اور اس کاروبار کا مرکز اسکندریہ سے روم منتقل ہو گیا تھا لہٰذا کتب خانوں کی روایات بدلنے لگیں۔ ایک طرف کتابوں کی تعدادی وسعت میں روم کے کتب خانے اسکندریہ پر سبقت لے گئے۔ دوسری طرف کتب خانوں کے مقصد اور غایت میں بھی بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ کتب خانے اب صرف ملوک و سلاطین کی جاگیر نہیں رہ گئے تھے جن پر ان کے منتخب ملازم علما اور حکما کے علاوہ سب پر دروازے بند رہا کرتے ہوں۔ یونان میں علما اور حکما کے انفرادی کتب خانے تھے جن سے ان کے شاگرد مستفید ہوتے تھے اور صرف فلسفہ سائنس اور سیاست یا لغات گرامر اور علم کلام یا الٰہیات، تصوف اور اخلاق پر لکھی کتابیں ان کتب خانوں میں جگہ پا سکتی تھیں اگر شعر و ادب پر کتاب ہوتی تو ادب عالیہ سے کم درجے کی نہیں اگر فنونِ لطیفہ کا گذر تھا تو بہت اونچے درجے کے کلاسیکی جو عام ذہن کی رسائی سے باہر تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام کتب خانوں سے دور دور رہا کرتے تھے۔ لیکن رومن عہد میں کتب خانے میں عوام کے مذاق کی کافی گنجائش تھی اور اس کے دروازے پورے طور پر عوام کے لیے کھول دیے گئے تھے۔ اس طرح کتب خانے کے مقصد میں وسعت پیدا ہو گئی تھی اب وہ مقام صرف ذہنی کاوش ہی کا نہیں تفنّنِ طبع کا بھی تھا۔ ارباب علم سے زیادہ سطحی استعداد کے لوگ کتب خانوں سے دلچسپی رکھنے لگے۔ اور کتابیں بھی بکثرت ان کی سطح کی پیدا ہونے لگیں۔ پہلی صدی عیسوی کے آخری برسوں میں روم میں پہلا عوامی کتب خانہ قائم ہوا جس کا بانی آسینو پولیو ہے۔ یہ اپنی امتیازی خصوصیات میں عہد وسطیٰ کا پہلا نمائندہ کتب خانہ ہے۔ اس کے بعد شاہنشاہ آگسٹس نے اسی طرز کے کئی کتب خانوں کا افتتاح کیا۔ دوسری

صدی عیسوی تک بیس تیس شاندار عوامی کتب خانے صرف عروس البلاد روم میں تھے اور بہت سے سلطنت روما کے دوسرے شہروں اتھنز وغیرہ میں تھے۔

زندہ جان کتابیں

اس سے پہلے کہ عہد وسطیٰ کے دوسرے کتب خانے بیان کیے جائیں ہم یونان اور روما کی کتابوں کی ایک نہایت دلچسپ قسم اور عجیب و غریب لائبریری کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتابیں بالکل انسانوں کی طرح چلتی پھرتی اور کھاتی پیتی بولتی تھیں۔ یونان و روم کے آخری دور میں کچھ امیر و کبیر علما اس قسم کے بہت سے غلام رکھتے تھے جنہیں فرداً فرداً کچھ مشہور زمانہ بڑی بڑی اور ادبی کتابیں زبانی یاد کرا دی جاتی تھیں جب وہ امرا کسی سے علمی گفتگو یا بحث کرتے تھے تو حوالے کے لیے اس سے متعلق کتاب کا نام بآواز بلند لیتے تھے اور ایک کمرے سے جہاں وہ علمی غلام ایسے مواقع پر طلبی کے منتظر رہتے تھے مطلوبہ کتاب کا حافظ برآمد ہوتا تھا جو کتاب کے مخصوص زیر بحث حصے کو نہایت روانی سے پڑھ کر سناتا تھا۔ اس طرح کی بولتی کتابیں یونان و روما کے ایک عہد میں اکثر پائی جاتی تھیں۔ ان زندہ کتابوں اور دیگر کتابوں میں یہ فرق ضرور تھا کہ ایک عمر طبعی کو پہنچ کر وہ فوت ہو جاتی تھیں اور مرنے سے پہلے کسی اور کے سینے میں وہ کتاب محفوظ کرانا ان کے لیے ضروری تھا جب کہ دوسری کتابیں اگر احتیاط سے رکھی جائیں تو کبھی نہیں مریں گی۔

بازنطینی کتب خانے

روم کا ادب اور شاندار کتب خانے، وہاں کی ولولہ خیز تصنیفی مجلس اور کتابوں کی اشاعتی سرگرمیاں رومن شاہنشاہیت کے ساتھ غروب ہو گئیں 330ء میں اس عظیم شاہنشاہیت کا دارالسلطنت بھی روم سے قسطنطنیہ مراجعت کر گیا اس طرح قدیم یونانی ادب اور تہذیب کی اکھڑی سانسوں نے پھر ایک بار نوزائیدہ بازنطینی سلطنت کے دامن میں سنبھالا لے لیا اور آٹھ نو صدیوں تک زندگی کے لیے پناہ گاہ ڈھونڈلی جس طرح قدیم مصری ادب نے یونانی تہذیب و

زمان کے زیر سایہ شاہ بطلیموس کی حکومت اسکندریہ میں پناہ لی تھی۔ شاہنشاہ (کانسٹنٹائن) قسطنطین نے بازنطیم (قسطنطنیہ) کو دارالسلطنت بنا کر مشرقی رومن سلطنت کے لیے وہ جگہ تلاش کی تھی وہ جلد ہی یونانی قوم کا ایک بڑا تہذیبی مرکز بن گئی۔ صرف دو نسلوں پہلے عیسائیوں نے اسکندریہ کا کتب خانہ پھونک دیا تھا۔ قسطنطین نے یونانی علا کی مدد سے از سرِ نو ایک بڑے کتب خانے کی بنیاد رکھی جس میں عیسائی مذہبی کتابوں کے علاوہ دوسرے مذاہب اور تہذیب کی کتابیں تلاش کر کے اکٹھا کیں" جولین۔ دی۔ اپاسٹیٹ" کی نگرانی میں غیر مسیحی ادب کا ایک علاحدہ ذخیرہ قائم کیا گیا۔ 475ء میں قسطنطین کا یہ کتب خانہ بھی جلا دیا گیا اور پھر سے قائم کیا گیا۔ اس کی قسمت کا آخری فیصلہ 1204ء کی صلیبی جنگوں کی تباہی و بربادی کے ہاتھوں ہوا جب عیسائی مجاہدوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا۔ 1453ء میں سلطان صلاح الدین کی قیادت میں ترکوں نے جب دوبارہ قسطنطنیہ کو فتح کیا تو جس قدر کتابیں تباہ ہونے سے بچ رہیں انھیں استنبول کے ترکی کتب خانے میں منتقل کر دیا۔

بازنطیم کے کتب خانے سے ایک اکادمی وابستہ تھی جس نے یونانی ادب کا مطالعہ اور نقلیں تیار کرنے کا کام شروع کیا اور وہ علمی سنجیدگی جو بابل، نینوا، فراعنہ مصر اور قدیم یونان کے کتب خانوں میں نظر آتی تھی اور رومن دور میں رخصت ہو گئی تھی پھر واپس آ گئی۔ اس کتب خانے سے یونانی ادب و فلسفے کے گہرے مطالعہ اور اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور اس تعلیمی سلسلے کی لہریں عہد نو کی سرحدوں سے نصف صدی تک ٹکراتی رہیں۔ ان درسگاہوں اور ان کے الحاق میں جو کتب خانے تھے ان میں سب سے مشہور و معروف خانقاہ تھیوڈور ہے جس نے کتب خانہ اور نقل نویسی سے متعلق کچھ قوانین وضع کیے تھے جن پر اس سلسلے کی تمام خانقاہیں عرصۂ دراز تک کاربند رہیں۔ بحر ایجین کے پہاڑ ایتھنیس میں اسی سلسلے کی تقریباً بیس خانقاہیں تھیں جن کے کتب خانوں کی خدمات کے عروج کا زمانہ دسویں اور پندرھویں صدی کے درمیان ہے۔ شاید اب وہاں بھی تقریباً گیارہ ہزار قلمی نسخے موجود ہیں جن میں کچھ فن موسیقی پر بھی ہیں۔ کوہ سینا کی خانقاہ سینٹ کیتھرائن اپنے بیش بہا قلمی نسخوں کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ قلمی بائبل کا شہرۂ آفاق نسخہ کوڈیکس

سینائے ٹیکس وہیں سے روس پہنچا اور اب برطانوی میوزیم میں ہے۔ بازنطینی خانقاہوں کے کتب خانے درحقیقت نہایت قیمتی محفوظ کتابی کانیں اس وقت ثابت ہوئیں جب پندرھویں صدی کے بعد علم کا چرچا شروع ہوا اور نشاۃ ثانیہ کی بے تاب لہریں نایاب نسخوں کی تلاش میں ہر طرف دوڑنے لگیں۔ ان کلیساؤں کا ناقابل فراموش تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ مملکتوں کے درمیان ہمہ گیر جنگیں، سیاسی مہمات اور زبردست جذباتی اتھل پتھل کے دوران کلاسیکی ادب اور علمی سرمائے کو انھوں نے اپنی پرعافیت چہار دیواری کی پناہ گاہ میں چرائے چھپائے رکھا اور یہاں سے طرح طرح کی کتابیں مختلف علوم و فنون کی دولت برآمد ہو کر عہد جدید کی لائبریریوں کو مالا مال کرتی رہی ہے۔ اس پورے عہد وسطیٰ میں مسلسل وحشیانہ حملے نہ صرف غیر ملکیوں کے بلکہ مسیحی فرقہ وارانہ جماعتوں کے بھی ہوتے رہے۔ اس کے باوجود انھوں نے خانقاہی کتب خانوں میں علم و ادب کے قدیم قیمتی خزانوں کی انتہائی حفاظت کی بازنطینی تحفظ تہذیب کی روایات کا سلسلہ یونانی کیتھولک گرجاؤں اور خانقاہوں نے بھی قائم رکھا، جو کیف نو "گوروف بلقان" اور روس میں تھیں۔ صحت کے ساتھ حرف بہ حرف کلاسیکی کتابوں کی نقل نویسی کا اصول جو ایتھیس نے بنایا تھا اس پر وہ بھی قائم رہے۔ شائقین علم میں جن کے نام آج تک زندہ ہیں ایک شخص فوتیس بھی ہے۔ یہ نویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس نے اپنی فہرست کتب ببلوگرافی "میر نو بیلون کے ذریعہ قدیم علم و ادب کے متعلق ہم کو ایک گہری سوجھ بوجھ دی ہے۔ اس ببلوگرافی میں اس نے اپنی جمع کی ہوئی دو سو اسی کتابوں کا مواد و خلاصہ درج کیا ہے جو اس کے گہرے مطالعے پر دلالت کرتا ہے اور کافی روشنی ڈالتا ہے۔

عربوں کے کتب خانے

عربوں میں کتاب لکھنے اور ان کو یکجا کرنے کا رجحان ساتویں صدی کے اواخر اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہو گیا تھا۔ اولاً دمشق اور کوفہ میں اسلامی دینیات کی کتابیں جمع ہونا شروع ہوئیں اور فتاوی اکٹھا کیے جانے لگے لیکن کتابوں کا صحیح ذوق و شوق اور اس کی پرزور تحریک مصر فتح ہونے کے بعد اس وقت ہوئی جب وہاں

یونانی اور قدیم مصری کتابیں عربوں کے ہاتھ لگیں۔ انھوں نے باحتیاط دمشق بھیجنا شروع کیں اور انھیں ان کے ترجمے کی فکر لاحق ہوئی۔ غیر زبانوں سے ترجمے کا ابتدائی کام آٹھویں صدی کے وسط میں ہونے لگا تھا۔ نویں اور دسویں صدی میں ایک طرف اسلام کی دینیاتی کتابیں اور دوسری طرف پارسی، ہندی، مصری اور یونانی علما کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ دمشق، قاہرہ، کوفہ اور بغداد میں جمع ہوگیا تھا کہ چاروں اقلیم کے حکمرانوں کو اعلا پیمانے پر کتب خانوں کے صیغے اور ان کے انصرام و انتظام کے لیے بہت بڑا عملہ مقرر کرنا پڑا۔ اور بڑے بڑے منصب دیے جانے لگے۔ جس کے لیے اعلا صلاحیت اور قابلیت کے لوگوں کی تلاش ہوئی۔ مہتمم کتب خانہ اور ماتحت عملے کے لیے مسلم و غیر مسلم کی قید ہٹا دینے کی وجہ سے عربوں کو بکثرت نصرانی یہودی علما اور مجوسی و ہندی پنڈتوں کی خدمات حاصل ہوگئیں۔ ان کتب خانوں کا سلسلہ عرب اسلامی مملکتوں میں بخارا سے بغداد، بصرہ اور کوفہ تک ایک طرف اور دمشق، یمن، قاہرہ، اندلس تک دوسرا سلسلہ تھا۔ گیارھویں صدی میں ان میں سے ہر مرکز پر لاکھوں کی تعداد میں کتابیں نہایت انصرام و اہتمام کے ساتھ کتب خانوں میں جمع ہوگئی تھیں۔ کتابوں کا ذوق شوق اور ان کی بڑھتی ہوئی مانگ نے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی ہی میں نہ صرف خطاطی اور کتابت کو ایک اعلا فن اور مقبول عام ذی عزت پیشہ بنا دیا تھا بلکہ کتب خانوں سے طوق اوراق کی جلدکاری اور جلد سازی ایک بہت بڑی صنعت کچھ امتیازی خصوصیات کے ساتھ عربی طرز لی۔ وجود میں اور کاغذ سازی کا شعبہ بھی صیغۂ کتب خانہ سے متعلق تھا۔

مغربی مؤرخین کے ذریعہ ہسپانیہ کی سرزمین پر شہر قرطبہ (کارڈووا) کے عظیم الشان کتب خانہ المجدس، قاہرہ کے فاطمی اور یمن کے کتب خانے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ تاریخی حالات معلوم ہوئے۔ ہسپانیہ میں بڑے بڑے عرب مصنفین کے نام بھی انھوں نے ذکر کیے مثلاً علم ہیئت، جغرافیہ اور کیمسٹری میں یورپی مؤرخین ابن رشید کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہیں جسے وہ "اوروی روز" لکھتے ہیں۔ یا ابوالقاسم ابن الزبیر کا ذکر کرتے ہیں، جسے 'ابوکیسیس' تحریر کرتے ہیں۔ نامور سرجن اور عالم نباتات ابن بیطار کا حوالہ دیتے ہیں اسی طرح بہت سے دوسرے عرب دانشور اور حکما کا تذکرہ ان کی کتابوں کی تواریخ میں جا بجا ملتا ہے۔ ایک فاضل مصنف مڈہل Mindahl

اندلس کے بارے میں لکھتا ہے:" اندلس " کی لائبریری خاص طور پر قابل ذکر ہے جو اسپین کے شہر کارڈووا (قرطبہ) میں تھی۔ سلطان الحکم ثانی نے دسویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے ہر حصے سے کتابیں جمع کر کے اور تمام علوم پر منتخب کتابیں تلاش کر کے یہ کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اس کے محل میں بے شمار مترجم، مرتب، مولف، کاتب اور جلد ساز کتابوں کی تدوین و تخلیق میں مصروف رہتے تھے۔ 1031ء میں اسپین میں اسلامی سلطنت کے خاتمے پر عیسائیوں نے اس عظیم الشان کتب خانے کو جلا کر علم و ادب کی دنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچایا جس نے اپنے عہد عروج میں خصوصیت سے یونانی ادب عالیہ (کلاسیکل لٹریچر) کو عربی میں منتقل کیا تھا۔ ان ادبی ترجموں کے علاوہ کثرت سے دوسرے علوم کے ترجمے بھی۔ ان میں سے زیادہ تر عربی سے لاطینی میں ہو کر ارسطو، بالی، یا کریٹ اور گیلن کے کارنامے عربوں کے توسط سے یورپی علما تک قرون وسطیٰ میں پہنچے۔" آگے لکھتا ہے:" اندلس کی تباہی کے بعد یہ ترجموں کا کام ٹولیڈو میں جاری کرنا بہت آسان ہو گیا۔"

عربوں کے کتب خانوں میں کتابوں کی تنظیم کار کے متعلق انگریز محقق بتاتا ہے کہ کتابوں کو بہت بڑے بڑے اونچی چھتوں کے ہال کمروں میں دیواروں سے لگی ہوئی الماریوں میں ایک مخصوص ترتیب سے لگایا جاتا تھا۔ ان کتابوں کی موضوع کے اعتبار سے جدا جدا فہرستیں تیار کی جاتی تھیں جو ایک موٹے رجسٹر میں درج کی جاتی تھیں۔ ہر ایک کتاب کے نام کے ساتھ سلسلۂ ابجد کا ایک علامتی حرف اور سلسلہ وار نمبر شمار بھی لکھا جاتا تھا۔ یہ علامتی حرف اور نمبر شمار کتاب پر بھی تحریر ہوتا تھا۔ الماریاں بالتخصیص موضوعات اور حروف علامت ایک سلسلہ سے دیوار کے ساتھ تلے اوپر کئی لگی ہوتی تھیں۔ ہر الماری کے سامنے سے ایک چوبی غلام گردش چھجہ نما گذرتی تھی جس سے جا بجا فرش تک سیڑھیاں ہوتی تھیں اس طرح مطلوبہ کتاب کے لیے کسی اور اس کے اس مخصوص خانے تک پہنچنا آسانی سے ممکن تھا اور اس کتاب کے جائے وقوع کو رجسٹر کی مدد سے تلاش کرنا دشوار نہ تھا۔ سونڈہال لکھتا ہے کہ عربوں کے اس طرز کا کتب خانہ پندرھویں صدی کے اواخر اور سولھویں صدی کی ابتدا تک یورپ کے لیے سوا ہسپانیہ کے بالکل نئی چیز تھی۔ عہد وسطیٰ کی اس ہسپانوی عرب لائبریری کے طرز پر سب سے پہلے اسپین میں اواخر پندرھویں صدی میں اسکوریل لائبریری وجود میں آئی۔

پھر اسی نمونے پر یورپ کے دوسرے ممالک کے شہروں ویانا، پیرس، لندن وغیرہ میں کتب خانوں کی عمارتیں اور ان میں کتابوں کو رکھنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

عہدِ وسطیٰ کے یورپی کتب خانے

یورپ میں عہدِ وسطیٰ میں اوّلاً پرائیویٹ کتب خانوں کی ابتدا ہوئی۔ ان کتب خانوں کی بنیاد یہودی علما اور مسیحی راہبوں نے اپنی خانقاہوں میں رکھی۔ مسیحی خانقاہوں کی پہلی کڑی سرزمین مصر اور وادیِ نیل میں ملتی ہے۔ وہیں سے مسیحی خانقاہوں کا سلسلہ شروع ہو کر مغربی ایشیا شام، فلسطین، لبنان وغیرہ اور جنوبی یورپ میں یونان، روم، ہسپانیہ ہوتا ہوا آئرلینڈ اور پھر پورے یورپ میں پھیل گیا۔ یہ خانقاہی نظام جو دوسری صدی عیسوی کے ربع اوّل سے شروع ہوا اور چودھویں پندرھویں صدی میں زوال پذیر ہو کر سولھویں صدی کے آغاز میں ختم ہو گیا، اس کی سب سے بڑی خصوصیت کتب خانوں کی اعلا اور مستحکم تنظیم تھی۔

قرونِ وسطیٰ میں کتابیں جمع کرنے کے شائق

قرونِ وسطیٰ کے ابتدائی دور یعنی پانچویں صدی عیسوی تک کانسٹنٹائن، جولین ڈی اپاسٹیس، پادری اوریجین اور ان کے شاگرد پامفیلس، یا اواخر پانچویں صدی اور ابتدائی چھٹی صدی میں کیسوڈورس اور اس کے بعد اپیڈونیس اپولینارس، فوٹنٹیس، قیر ولیس کا تذکرہ یونانی کلاسیکی ادب کی کتابوں کے ذوق و شوق اور انھیں اکٹھا کرنے کے سلسلے میں تفصیل سے دوسرے حصے میں آچکا ہے۔ اس کے بعد تھیوڈورس، تھیوڈوور، فوٹیس کا ذکر بھی چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے نویں صدی تک کتابیں جمع کرنے کی سرگرمی میں آچکا ہے۔ خصوصاً چھٹی صدی میں بنڈکٹ کی علوم و ادب کو جمع کرنے کی ایک تحریک، پادری کولمبس اور گیلس آئرستانی راہبوں کے حلقۂ اثر میں فرانس، اطالیہ اور سوئٹزرلینڈ نیز انگلستان و جرمنی میں کتابوں کے ذخیرہ کرنے میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، ان کی اس عہد

کی ناقابلِ فراموش تاریخی ہستیاں بوکیشیو، اور انگریز بشپ رچرڈ۔ ڈی۔ بری کی بھی ہیں۔ ان جمع کی ہوئی کتابوں میں بکثرت عیسائیوں کی مذہبی مواد اور بڑی تعداد میں یونانی و لاطینی کلاسیکی کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔

کتابوں کے شاہی ذخیرے

یورپ میں تیرھویں صدی سے پندرھویں صدی تک تمام بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے یا تو خانقاہوں کی لائبریریوں سے متعلق تھے یا بادشاہوں اور نوابوں کی ملکیت تھے۔ اُس زمانے میں ان ذخیروں کو ببلوفائیل کہتے تھے جو بعد میں بھی مجموعۂ کتب کے لیے مستعمل ہوتا رہا۔ اُس زمانے میں مشہور ذخیرۂ کتب 'اُدوتو سوئیم' اور فریڈرک دوئیم' شاہ بوہیمیا و نیپلاس سب کے بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ ان بادشاہوں کو پورے عہدِ وسطیٰ میں کتابوں کی ادپری شان و شوکت' اُن کی آرائش اور جلاکاری کا انتہائی شوق دامن گیر تھا۔ ایسی کتابوں سے سبھی گنڈی کے نوابوں کو عشق تھا بلکہ فرانس کے کئی بادشاہ تو اُن سے بھی کہیں آگے تھے۔ چارلس۔ ڈی بالڈ، لوئیس نہم (سینٹ لوئس) اور فرانس کے شاہی کتب خانے کی بنیاد اس شوق کی ابتدا و انتہا تو اصل میں دانشور چارلس پنجم ہی نے ہے۔ اب اس کتاب خانے کو ببلوتھیک نیشنیل کہا جاتا ہے۔ 1373ء کے کیٹیلاگ کے مطابق اس میں ایک ہزار کتابیں تھیں۔ یہ سب قصر لاورے میں آراستہ تھیں۔ اس سے کم شاندار کتب خانہ اس کے بھائی جان آف بیری کا تھا۔ اب مصوری اور مرقع نگاری کا فن خانقاہوں کی حدود میں قید نہیں تھا۔ بادشاہوں کے ذوق و شوق کی تسکین کے لیے جلاکاروں کا ایک طبقہ وجود میں آچکا تھا۔ مصوری اور مرقع نگاری کے بھی بڑے باکمال فن کار پیدا ہو گیے تھے۔ ان کی ہنرمندی کے کچھ نمونے بمشکل کسی کے ہاتھ لگ پاتے تھے۔ ورنہ بیشتر حصّہ بادشاہوں کے یہاں پہنچ جاتا تھا۔ قلمی نسخوں کی بڑی تعداد تزئین و آرائش کے بعد بادشاہوں کے کتب خانوں کے لیے وقف ہو جاتی تھی۔ یہ سب عموماً دُعا اور عبادت کی کتابیں ہوتی تھیں۔ ان میں سے کچھ مسیح کی زندگی کے ساتھ ساتھ قدرتی مناظر یا جنگ اور شکار کے مناظر، تہواروں کے جشن، شہری اور دیہاتی زندگی کے کچھ ایسے، کچھ حادثا

کی تصویروں پر بھی مشتمل ہوتی تھیں۔ جن کا کتاب کے موضوع سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ مبین پوسل، جیسے فن کاروں کی جودت فن ابھر کر اپنا کسی نہ کسی طرح وجود پیش کرنا چاہتی تھیں جس کا اظہارِ دعا اور عبادت کی کتابوں میں اگرچہ کوئی موقعہ نہ تھا مگر وہ بے چارے کیا کرتے۔ بادشاہوں کے یہاں وظائف اور چند دعاؤں کے سوا اُس وقت کوئی مواد درکار نہ تھا۔ چنانچہ اُن میں موقع بے موقع انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں، پھول پتیاں اور پودوں کی بکھری تصویریں، خوبصورت پینٹنگ کا رنگ دکھاتی ہوئی خداوند کی عبادت میں خلل انداز ہوتی رہتی تھیں۔ فرینچ فیلش، عہد کے بعد عصری کتابوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ پندرھویں صدی کے نصف میں جین فادسکٹ آف ٹورس نے فن میں ایک نئی روح پھونکی۔ اس کے فن کی رہین منت عصری کتابوں میں سے ایک سب سے خوبصورت کتاب مانی جاتی ہے جو اٹنے شو بلیئر، ایک مشہور سربرآوردہ کتب ساز نے اسی زمانے میں تیار کرائی تھی۔

کتب خانوں کے عمارتی ڈھانچے

سولھویں صدی کے اختتام تک ڈیسک پر کتابیں رکھنے کا دستور عہد وسطیٰ کی تقلید میں جاری رہا۔ اس کے بعد بتدریج بڑے بڑے کمرے اور ہال تعمیر ہونے لگے۔ جن میں دیواروں سے لگے تختے یا الماری نما خانے چھت تک کتابوں سے بھے ہوئے نظر آنے لگے۔ اِن تختوں کے آگے پیچھے نما چوبی نما غلام گردش کتابوں تک رسائی کے لیے ضروری تھی۔ یہ کتب خانوں کی قرینہ وسط سولھویں صدی میں اندلس کے عرب کتب خانوں کو دیکھ کر میڈرڈ کی شاندار اسکوریل لائبریری سے سیکھا گیا تھا۔ بلا کسی ردّو بدل کے کتب خانوں کا یہ اسٹائل نہایت تیزی کے ساتھ پورے یورپ میں مقبول ہوگیا۔ اور انیسویں صدی تک ہر لائبریری کا یہی ڈھانچہ قائم رہا اگرچہ اوپری گنبد، محرابیں اور ستون، یا اندرونی چھت یا کمروں کی وضع ان کی آرائش و زیبائش میں معمار و فرآش اپنا اپنا فن بقدر صلاحیت دکھاتے تھے۔ ان عمارتوں کی شان و شوکت میں کتابوں کا وجود کچھ دبا دبا گھٹا گھٹا سا نظر آتا تھا۔

لیکن انیسویں صدی کے جدید حلامتی باروک دور میں یہ نقطۂ نظر پیدا ہوا۔

کہ کتب خانوں کی تعمیر عجائب گھر یا میوزیم کے انداز پر ہونا چاہیے۔ لہٰذا اُس وقت سے کرۂ ارض کا گلوب، نظامِ شمسی کے بڑے بڑے نقشے کتب خانے کے وسطی ایوان میں جگہ پا گئے۔ یہیں تک نہیں بلکہ بقول ایک مصنف انیسویں صدی میں فرانس کے وزیر "پیر لیسگوئر" نے اپنے محل کے کتب خانے میں بیس ہزار کتابیں جمع کی تھیں، لیکن کتابوں سے زیادہ منبت کاری کی "ظروف سازی کا فن" اپنی نمائش کرتا نظر آتا تھا۔ اسی طرح مختلف مصوّروں کا فن، بت گری کے حیرت انگیز نمونے اور طرح طرح کے نوادرات کتب خانوں میں بہ کثرت اکٹھا کیے جانے لگے۔ اٹھارھویں صدی میں ویانا کے درباری کتب خانے کا گنبد نما ہال عظیم الشان تھا۔ سترھویں صدی میں کتابوں کی جلدوں کی آرائش میں بھی بڑا انتظام و اہتمام کیا جاتا تھا۔ جس کا ملد جلدوں کی مرصّع کاری اور دیگر آرائش کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ یہ قیمتی جلدیں بھی کتب خانوں کی شان و شوکت کا ایک جزوِ خاص تھیں۔ اُس سے نصف صدی قبل سادگی پسند جلدوں کا رواج ہو چکا تھا۔ سترھویں صدی کے نصف سے نواب، اُمرا اور بڑے بڑے جامع کتب کو قومی احساسِ عظمت کے تحت قومی کتب خانوں کا خیال پیدا ہوا اور انھیں کی حد تک نہ رہ گیا بلکہ متوسط طبقے کے عوام میں ایک جذبۂ تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ چنانچہ یورپ میں جا بجا قومی کتب خانے اواخر اٹھارھویں صدی اور پوری انیسویں صدی میں قائم ہوتے رہے۔

یورپ میں قومی کتب خانوں کی ابتدا

یہ قومی کتب خانے کثیر تعداد میں مصنفوں سے کتابیں لکھنے کا اور مطابع و اشاعت گھروں سے چھاپنے اور شائع کرنے کا مسلسل تقاضہ کر رہے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں پیرس، پاڈوا، بلونا اور بعد میں آکسفورڈ، کیمبرج، لیڈن وغیرہ یورپ کی یونی ورسٹیوں سے متعلق کئی کتب خانے قائم ہو چکے تھے۔ 1753ء میں انگلستان کے دارالعلوم نے قومی کتب خانہ قائم کرنے کے لیے کثیر تعداد میں کتابیں خریدنے کی منظوری دی اور موجودہ برٹش میوزیم کی بنیاد پڑی۔ 1788ء میں فرانس کے قصرِ شاہی "لاوریہ" کے عظیم الشان شاہی کتب خانے سے انقلابی حکومت نے بلوچیک نیشنل

کی طرح ڈالی۔ قومی کتب خانوں کا خیال اس سے بہت پہلے سترھویں صدی کے نصف میں پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ 1659ء کی جنگ کے زمانے میں 'الکٹر پالاٹین'۔ فریڈرک ولیم نے وائی برگ کے فوجی کیمپ میں ایک دستاویز پر دستخط کیے، جس کی مدد سے محل کے کتب خانے کو عوام کے استعمال کے لیے عام کر دیا۔ سترھویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ڈیوک آگسٹ برانشوئزگ، لیوبرگ جرمنی میں قومی نقطۂ نظر سے یورپ کی سب سے بڑی لائبریری کے قیام کے لیے کتابیں فراہم کرنا شروع کر دی تھیں۔

انگلستان میں کتابیں جمع کرنے کے شائق

اسی زمانے میں کتابیں جمع کرنے کا ذوق و شوق یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی بہت تھا۔ اگرچہ کتابوں کے حسن و آرائش میں اُن کا مذاق اس قدر تعیش نہ حد تک نہ پہنچا ہو۔ جیسے کہ انگلستان میں صرف دو تین بادشاہ بالخصوص ملکہ ایلزبتھ وہاں کے مذاق کتب کی مرصع جلدوں کے شوق میں تجاوز کر گئی تھیں۔ ورنہ عام طور پر انگریزوں کو کتاب کا شوق علم و فن کی قدر و منزلت ہی تک بہت رہا۔ لیکن جارج اوّل کے مصاحبین و درباریوں پر فرانسیسی کتابیں جمع کرنے کے فیشن کا خاص اثر تھا۔ انگلستان کے نوابین اور دوسرے انفرادی شائقینِ کتب سے وہاں کی پبلک لائبریریاں تاریخی طور پر اثر پذیر رہی ہیں۔

برطانیہ کی قومی لائبریری 1753ء میں وجود میں آئی۔ جبکہ برطانوی پارلیمنٹ نے 'ہنس سلون' کے ترکے میں چھوڑی ہوئی کتابیں خریدنے کا فیصلہ کیا۔ 'بروز کاٹن' اور ایڈورڈ ہارلے' کے قلمی نسخوں کی خریداری بھی اس فیصلے میں شامل تھی۔ پارلیمنٹ کے اس فیصلے نے دنیا کے مشہور ترین برٹش میوزیم کی بنیاد رکھی۔ چند سال بعد جارج دوئم نے قصرِ شاہی کا میوزیم اور کتب خانہ برٹش میوزیم کو نذر کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی منظوری دے دی کہ چھاپے خانوں سے وصول کی ہوئی تمام مطبوعات کی کاپیاں بھی اسی میوزیم میں جمع کی جائیں۔ ہارلے کے مجموعۂ کتب میں سات ہزار چھ سو قلمی نسخے، چالیس ہزار خطوط اور دستاویزات، پچاس ہزار مطبوعہ کتابیں چار لاکھ پمفلٹ کتابچوں کے علاوہ تھیں۔ اس میں ولیم کا کسٹن کے

زمانے کی انکیونابُلا بھی کافی تعداد میں شامل تھے۔ جان میور کی کتابیں 1715ء میں جارج اوّل نے خرید کر کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری کو دی تھی۔ جنھوں نے ابتدائی سیاہ گہرے حروف کی انگریزی کتابوں کی طرف قوم کو توجہ دلائی اور اٹھارھویں صدی کے آخر تک انکیونابُلا جمع کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اس میدان میں موجودہ زمانے کا انگلستان صفِ اوّل میں اپنا مقام حاصل کر چکا ہے۔

جرمنی کی کتابیں اکٹھا کرنے والے

اگرچہ شالی نمونہ فرانس کے جامع کتب تھے مگر انگلستان و جرمنی اُن کی لکیر کے فقیر نہ تھے۔ یہ درست ہے کہ والٹیر کا دوست 'فریڈرک اعظم' فرانسیسی ادب و فلسفہ کا پرستار تھا لیکن وہ خود بھی نہ صرف اپنے طرزِ خاص کا ایک پُر جوش مطالعہ نگار بلکہ ایک اعلا مصنف کی شخصیت رکھتا تھا۔ پچیس جلدوں پر مشتمل اس کا شاندار تصنیفی کارنامہ ہے 1789—1787ء میں شائع ہوا۔ یہ اٹھارھویں صدی کی اعلا طباعت کا نمونہ ہے۔ فریڈرک اعظم کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ وہ جیبی چھوٹے سائز کی کتابوں کو پسند کرتا تھا۔ بڑے سائز کی کوارٹو اور فولیو نظرانداز کر دیتا تھا۔ مراکشی طرز کی جلدوں میں وہ پورے طور پر فرانسیسیوں کا ہم مذاق تھا۔ شالی جرمنی پر توقع کے خلاف فرانسیسی ادب کا گہرا اثر تھا اور اس کا وسیلہ کسی حد تک انگریز تھے کیونکہ انگلستان کے قارئین کتب شالی جرمنی سے جن کتابوں کی فرمائش کرتے تھے وہ بیشتر فرانس کے اعلا ادبی ذوق کی حامل تھیں۔ یہ اثرات سیکسینی پر بھی محسوس کیے جاتے ہیں جن کا فرانسیسی طرز سے رشتہ ایلکٹر آگسٹ کے عہد سے کبھی منقطع نہیں ہوا۔ اٹھارھویں صدی میں ڈریسڈن بہت سے ذاتی کتب خانوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اور کتابیں جمع کرنے کا فیشن وہاں بھی عام تھا۔ کاؤنٹ ہنرچ بِاسٹ نے باسٹھ ہزار کتابیں جمع کیں جو بعد میں سیکسینی دربار کی لائبریری میں آ گئیں۔ گاٹنگن یونیورسٹی کی لائبریری سے شروع ہی سے ایک مثالی کتب خانہ ہے جو ہمیشہ شائقین علوم کے لیے کشادہ دامن رہا۔ کرسٹائن گاٹلٹ ہائن' کے زیر ہدایت جدید انداز فکر کا وہ ایک تحقیقاتی دارالمطالعہ یورپ میں سب سے اوّلین سمجھا

جاتا ہے۔ 1769ء میں اس کتب خانے کو "جوہان فریڈریچ وان وافن بیچ کا قیمتی ذخیرہ بھی حاصل ہوا جو اس ذخیرہ میں ایک کثیر اضافے کا باعث ہوا۔ موصوف نے اپنے بھائی چارلس کونارڈ کے ساتھ خریداری کتب کے سلسلے میں دور دراز سفر کیے اور کونارڈ کو تو کتابوں کا عاشق صادق کہنا چاہیے۔ ہالینڈ سے انھوں نے انگریزی، جرمن اور اسکینڈ نیویین تصانیف کا بڑا قیمتی سرمایہ اکٹھا کیا۔ جرمنی میں سب سے زیادہ مطالعے کا ذوق عوام میں پیدا ہوتا گیا۔ گاٹنگن کو ضیائے دانش کا سرچشمہ اس لیے بھی کہنا چاہیے کہ سائنسی تحقیقات کی پہلی اکاڈمی یورپ میں اسپین کے بعد یہیں قائم ہوئی تھی جو دنیا کے تمام ممالک میں موجودہ سائنسی تحقیقات کی تحریک کا پس منظر ہے۔

فرانس کے جامع کتب

فرانس میں کتابیں جمع کرنے کا شوق کچھ لوگوں کو تو قدیم رومن شہنشاہوں ایک جاتا ہے۔ میرزین نے طالبانِ علم کے لیے چھ گھنٹے یومیہ اپنا کتب خانہ کھلا رکھنے کا حکم دیا تھا۔ دوسرا کتب خانہ میرزرین نے 1691ء میں عوام ہی کے لیے کھولا تھا۔ آج کل یہ ایک اہم ترین کتب خانہ ہے۔ سینٹ وکٹر لائبریری آگسٹائن کے طرز کی وسط سترھویں صدی عیسوی میں اس نے پبلک ہی کے لیے قائم کی تھی جو کچھ مقررہ گھنٹوں کے لیے روزانہ کھلتی تھی۔

شاہِ فرانسس اوّل پہلا شخص ہے جس نے اپنے ملک کے چھاپے خانوں سے ہر مطبوعہ کتاب کا ایک نسخہ لازمی طور پر شاہی کتب خانے میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ اس کی کتابوں میں کچھ سیاہ چرمی جلدوں پر گرد لیپر انداز کی آرائش ہمیشہ نظر آتی ہے۔ گرد پوش کے مرکزی حصّے پر فرانسیسی شیلڈ اور بادشاہ کی مُہر شعلوں میں سمندر (آگ کا کیڑا) اس کی کتابوں پر نقش ہوتے تھے۔ اس کا زمانہ وسط سولھویں صدی سے ایک دہائی قبل سے ہے۔ دوسرا نشان کول تیرا خوش نما قطاریں، اُس کے نام کے پہلے حروف (F) کی تکرار کے ساتھ یہ فرانسیسی کتب پر سب سے زیادہ مقبول نشان ہے کیونکہ فرانس کا شاہی نشان بھی کنول ہے۔

فرانس کا مذاقِ کتب: — فرانس کا شوقِ کتب قلمی کتابوں ہی سے زمانے

سے عروج پر رہا۔ اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ سولھویں صدی کی ابتدائی دہائی میں جب مطبوعہ کتابیں تیزی سے ترقی کے راستے پر بڑھ رہی تھیں اس وقت گردیئر کے مذاقِ حسن میں ڈھل کر الڈائن کتابوں نے فرانسیسی شوق کو بڑی تعداد میں پورا کیا۔ اس زمانے میں تھامس ماہیو، دمیٹر لو کینوری، کا دمیل، انسیڈ رو فرینس شائقینِ کتب کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اور وہاں کے امرا کی طرح تھا۔ یہ بھی زیادہ سے زیادہ کتابیں جمع کر کے اپنی شانِ ریاست سے مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ بعض باتوں میں ان سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کی مجوزہ کتابوں نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا جہاں جھاڑ فانوس یا طلائی نقرئی ظروف کی منزل کا تصور ہوتا ہے۔ اس شوق میں شان و شوکت کے مقابلے کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے پاس سب سے زیادہ قیمتی جلدوں کی کتابیں ہوں۔ وہ سب سے بڑا رئیس خیال کیا جاتا تھا۔ یہ رجحان لوئیس چہاردہم پانزدہم اور شانزدہم کے عہد حکومت میں خاص طور سے ترقی کر گیا تھا۔ لیکن جیسا کہ رومن شہنشاہیت کے عہد میں بہت سے کتابوں کے صاحبِ ذوق اور ادبِ عالیہ کے دیدہ ور بھی تھے، فرانس میں بھی اعلا تعلیم یافتہ اور ادب کے سچے پرستار کم نہیں تھے۔ مثلاً نکولاس، فلاڈے۔ ڈی پیرس جس کا خاص مذاق کو ٹہک عہد کے قلمی نسخے تھے۔ یا وہ مطبوعات جن پر سابق فاضل قارئین کے حواشی لکھے ہوئے ہوں۔ سچا ذوق کتب رشیلیو۔ میزرین اور کولبرٹ میں بھی تھا۔ لاورے میں شاہی پریس کا قیام رشیلیو کی علم و ادب میں انتہائی دلچسپی کا ثبوت ہے۔ اس طباعت کے ادارے کا فرانس کی ٹائپوگرافی پر بڑا اثر تھا۔ کولبرٹ نے لوئیس چہارم کے کتب خانے میں چالیس ہزار کتابیں اور دس ہزار قلمی نسخے جمع کیے تھے۔ میزرین کا کتابوں میں ذوق شوق ابتدائے جوانی سے تھا۔ اس کے مہتمم کتب خانہ گبریل ناڈے نے پورے یورپ کے کتب فروشوں کا پتہ لگا کر پینتالیس ہزار کتابیں جمع کی تھیں اور 1627ء میں اس نے ایک کتاب شائع کی جو سب سے پہلی کتب خانے کی تنظیمی امور کی رہبر کتاب مانی۔ یہ مذاق آگے چل کر رد کو کو طرزِ فن کے دور میں خوب سرسبز ہوا۔ اعلا طبقوں میں کتابیں جمع کرنا ایک فیشن تو پہلے بھی تھا لیکن لوئیس پانزدہم اور شانزدہم کے عہد میں کتاب سے شیدائیت کا ثبوت دیا۔ دولت مند فرانسیسیوں نے پچھلی

صدی کے یادگاری فن اور مصوّرانِ فطرت کے تاریخی کارنامے کے لیے اپنی کتب اندوزی اور قدر دانی کا دل کھول کر ثبوت دیا۔ کلاسیکی ادب کا ایک سلسلے وار مجموعہ جو چونسٹھ جلدوں پر مشتمل تھا۔ خاص طور پر ڈھونڈا جانے لگا۔ جس میں ڈاؤ فن کے کچھ قابلِ اعتراض حصّے کو لوئیس چہار دہم نے حذف کر دیا تھا۔ تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑا ذخیرہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں 'ڈیوک لوئیس لاوی۔ لا۔ والیئر' کا ہے جو 1738ء سے جمع ہونا شروع ہوا تھا اور 1784ء میں ڈیوک کے انتقال پر جب فروخت ہونے لگا تو یورپ کے ہر گوشے سے کتابوں کے شیدائی آکر پیرس میں جمع ہو گئے۔ ایک سو اکیاسی دن تک نیلام جاری رہا۔ مجموعی قیمت چار لاکھ چھیاسٹھ ہزار فرانک حاصل ہوئی۔ اس کی کتابوں کا ایک حصّہ علاحدہ 'مارکوئیس آف پالمی' نے خریدا جو بعد میں چارلس دہم کے ہاتھ فروخت ہوا۔ یہ کتابیں آخر میں پیرس کے جمہوری کتب خانہ آرسینیل کا جزو ہو گئیں۔ لاولیئر کی کتابیں فرانس کے شاہی کتب خانہ ڈیوروئے نے بھی خریدی تھیں اور یہ دنیا میں تانبے کی نقشیں پلیٹوں کی کتابیں اور سکّوں کی وجہ سے سب سے قیمتی ذخیرہ مانا گیا ہے کیونکہ پیرس کی یہ لائبریری سب سے بڑی تھی۔ اس لیے پورے یورپ کے عالم و فاضل تحقیقاتی کاموں میں اس سے رجوع کرتے رہے۔

امریکہ کے قومی کتب خانے

انیسویں صدی کے وسط میں امریکہ میں پبلک کتب خانوں کے لیے قدم اٹھایا گیا۔ جب کہ حکومتی یونٹوں کے عوام پر کتب خانوں کے قیام کی غرض سے ایک لازمی ٹیکس لگانے کا استحقاق حاصل ہوا۔ اس کی ابتدا بوسٹن سے ہوئی۔ امریکہ میں آزاد عوامی کتب خانے انگلستان سے زیادہ اہم اور موثر ثابت ہوئے کیونکہ ان میں عوام کا محرک جذبہ اور خواہش شروع ہی سے شامل تھے۔ 'اینڈریو کارنگی' جو کہ اس عوامی تحریک میں شروع سے پیش پیش تھا۔ ان کتب خانوں کا سرپرست بنایا گیا۔ اس نے دو ہزار کتب خانے قائم کرنے کے لیے فنڈ اکٹھا کر لیا۔ کتب خانوں کی ہمت افزائی کے سلسلے میں ایک سوسائٹی

کی تنظیم شروع ہی سے وجود میں آگئی تھی۔ جس کے لیے کتب خانوں کے دوست کی اصطلاح بھی زبان زد تھی۔ یہ ان کے واسطے مالی امداد فراہم کرتی تھی۔ وہاں بڑے بڑے جامع کتب میں سے ایک 'جون پیئر پانٹ مارگن' ہوتے ہیں جن کا تقابل 'ملاز ینس کے میڈیسی' سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کے انتقال پر 1913ء میں ان کے مجموعۂ کتب کی قیمت دس ملین ڈالر کا اندازہ لگایا ہے۔ بیس ہزار تو مطبوعہ کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک ہزار تیں سو قلمی نسخے تھے اور زیادہ تر مجلا خطاطی کے اعلا نمونے تھے۔ مارگن نے قدیم قبطی عہد کے قلمی نسخے کچھ عربوں سے حاصل کیے تھے۔ یہ قیمتی سرمایہ 1910ء میں خانقاہِ 'فیضیوم' کے منہدم آثار سے برآمد ہوا تھا۔ دہ مارگن کی لائبریری اب نیویارک کی ایک شاندار سنگِ مرمر کی عمارت میں امریکہ کا عوامی کتب خانہ ہے۔ اس سے بھی بڑا ذخیرۂ کتب 'ہنری۔ ای۔ ہنٹنگٹن' کا ہے جس کی بہت بڑی عمارت اس کی ریاست مارینو میں متصل لاس انیجلیس ہے اور اب وہ ریاست کیلیفورنیا کی سرکاری ملکیت ہے۔ ہنٹنگٹن کی کتابی معلومات بہت اچھی تھی۔ اس نے اکثر پورے پورے کتب خانے خریدے۔ جن میں سے قابلِ قدر کتابیں انتخاب کر کے جمع کرتا تھا۔ اس کی بے تحاشہ خریداری نے کمیاب کتابوں کی قیمت بہت اونچی چڑھا دی تھی۔ اچھی کتابوں کے سامنے وہ ڈالر کی کوئی حیثیت نہیں گردانتا تھا۔ بیس سال پہلے اس کے مجموعے میں ڈھائی لاکھ کتابیں تھیں جن میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس ذخیرہ میں پانچ ہزار انکیولا بلا بھی ہیں۔ مزید براں ہزاروں نقشے اور مصنفوں کے خطوط کی اصل کاپیاں ہیں۔ اس نے 12 — 1911ء میں مشہور بنیکر 'ہنری ہیتھ' کا کتب خانہ خریدنے کے لیے انگلستان کا سفر کیا تھا۔ ہنٹنگٹن نے مشہور و معروف ببلو فائیل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔ مارگن کی طرح وہ بھی تاریخی نسخوں میں گہری دل چسپی رکھتا تھا۔

امریکہ کے جامع کتب

امریکہ کے جامع کتب میں اور بھی بہت سے نام آتے ہیں۔ مثلاً جوان مرگ ہیری الکنس۔ وڈ بیز' اس کے ذخیرۂ کتب میں اور ادبی مواد کے علاوہ ڈکنس اور سٹوینس پر بہت قیمتی مکمل مواد ہے۔ اس کا کتب خانہ اب ہاورڈ یونی ورسٹی کے

پاس ہے۔ یہ کتب خانہ 1840ء میں نیویارک میں قائم ہوا تھا۔ پروفیسر ڈی۔ ڈبلو رفنگے کے مجموعۂ کتب میں ڈانٹے اور پٹرارچ کے علاوہ آئس لینڈ پر مکمل مواد ہے۔ یہ مجموعہ اب کارنل یونی ورسٹی کے کتب خانے کا ایک حصّہ ہے۔ "ہنری کلے فولگر" کا کتب خانہ جس میں شیکسپیر پر خصوصیت کے ساتھ پورا مواد اکٹھا کیا گیا تھا، یہ امہرسٹ کالج کے پاس ہے۔ قدیم جامع کتب میں "جیمس لی ناکس" کا شاندار کتب خانہ اب نیویارک لائبریری کا ایک حصّہ ہے اور جان کارٹر براؤن بھی قدیم کتب کا جامع ہے جس میں خاص طور پر دہوڈ ے آئیلینڈ پر اہم مواد اکٹھا کیا۔ یہ کتب خانہ براؤن یونی ورسٹی کے اثاثۂ کتب میں شامل ہے۔ "ایڈورڈ۔ ای۔ آئر کے ذخیرۂ کتب میں میکسیکو پر بہت لٹریچر ہے۔ اب یہ نیوبری لائبریری کی ملکیت ہے۔

روسی لائبریریاں

دنیا کے دوسرے عظیم ملکوں میں جیسی بڑی بڑی لائبریریاں ہیں، روس کے بڑے شہروں ماسکو، لینن گراڈ، کیف اور ازبکستان کے قدیم شہر تاشقند وغیرہ میں ویسی ہی شاندار لائبریریاں تو ہونا ہی چاہیے تھیں۔ جن سے ہمہ وقت ملکی اور غیر ملکی طالب علموں، محققوں اور عوامی قارئین کو ہر مطلوبہ موضوع پر نہ صرف کتابیں مہیا ہوتی ہیں بلکہ ٹیلیفون کے ذریعے علمی، ادبی اور فنّی دریافت طلب ضروری حوالے (References) متعلق کتابوں سے تراش کر کے بہم پہنچانے، کتابوں اور مصنفوں کے بارے میں یا موضوعات سے متعلق ضروری اطلاعات فراہم کرنے کے لیے انتہائی مستعد کار انتظامات ہیں۔ لیکن ان سے بالاتر روس کی سفری لائبریریوں کو دنیا میں ایک خصوصیت اور فوقیت حاصل ہے۔ اگرچہ ان مخصوص قسم کی سفری لائبریریوں کو دیکھ کر کچھ ملکوں نے روس کے نقش قدم پر ابتدائی کوششیں کی ہیں۔ لیکن جہاں تک معلومات حاصل ہو چکی ہیں، ابھی اتنے اعلا پیمانے پر سفری لائبریریوں کا انتظام کہیں نہیں ہے۔ روس میں لائبریریاں ریلوے لائنوں پہ دوڑ کر روڈویز پر بھاگ کر، روسی سمندروں اور دریاؤں میں تیر کر یا روسی فضا میں اڑ کر ان تمام مقامات پر روس کے عریض و وسیع ملک کے گوشے گوشے میں نو بہ نو کتابیں پہنچاتی ہیں۔ جہاں روسی عوام کارخانوں، جہازوں، کانوں اور رفاہ عامہ

یا صحراؤں، برفستانوں، دلدلوں اور ریگستانوں میں کام کر رہے ہیں۔ اشتراکی محنت کش اپنے کاموں کے دوران آرام کے وقفے میں جس طرح اشتہائے شکم محسوس کرتے ہیں ویسے ہی ذہن کی لطیف غذائی بھوک بھی بڑی شدت سے انھیں لاحق ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ سفری لائبریریاں اشتراکی معاشرے کا نہایت اہم فریضہ ادا کرتی ہیں۔ روسی عوام جہاں بھی کام کر رہے ہوں ایک طرف انھیں بہترین غذا، جسمانی طاقت اور نشوونما کے لیے پہنچانے کی ذمہ داری حکومت کے سر ہے اور دوسری طرف اعلاترین ادب ان کی دماغی نشوونما اور صحتِ افکار کے لیے فراہم کرنے کی پورے طور پر ذمہ دار اور جواب دہ اشتراکی حکومت ہے۔ اس کے لیے وہاں کوئی پرائیویٹ پرنٹر یا پبلشروں کا ادارہ نہیں ہے۔ یہ کام عوامی مصنفین اور مطالعہ نگاروں کی انجمنیں بہ حسن و خوبی انجام دیتی ہیں جس کے لیے مالی امداد اور ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانا ملکی تحفظ وغیرہ کے مساوی حکومت کے اہم ترین فرائض سمجھے جاتے ہیں۔

عوامی تنظیموں کا سب سے زیادہ قابلِ قدر عوامی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تمام غیر اشتراکی (سرمایہ دار) ملکوں کے مقابلے میں روسی عوام کے مطالعہ کا ذوق کہیں زیادہ بلند کر دیا۔ وہاں گھٹیا ادب، جرائم اور جنسی مواد پر تخلیق کیے ہوئے ادب کا کوئی خواستگار نہیں ہے۔ عوام میں سائنسی اور فنی تصانیف کے ہم پلہ کلاسیکی ادب اور آرٹ کے ذوق و شوق کی وجہ سے دو شاندار نتیجے برآمد ہوئے۔ ایک تو یہ کہ سوویت روس کے معاشرے میں سرمایہ دارانہ ملکوں کے مقابلہ میں اخلاقی پستی اور جرائم کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ روس کے عوام کردار و اخلاق کے لحاظ سے کہیں اعلا سطح پر ہیں۔ ان کی زندگی بڑی حد تک فراریت اور غیر ذمہ دارانہ اقدامات سے دور ہے۔ دوسرا اس سے بھی عظیم الشان حاصل کلاسیکی ادب کے مطالعے کا یہ ہے کہ باوجود یکہ عوام کی زندگی زیادہ تر سائنسی اور معاشی مسائل میں انتہائی مصروف ہے یا جنگی تحفظ کے سامان کی تیاری خلائی مہمات، کل اور مشینیں ایجاد کرنے میں منہمک ہے پھر بھی یہ جبر ثقیل افکار و مشاغل ان لوگوں کو مشینی انسان نہ بنا سکے۔

اشتراکی نظام میں انسان ابھی تک کلاسیکی ادب کے گہرے شوق و شغف کی وجہ سے آدم و حوا کی نسل کے اس آراضی انسان سے وقتاً فوقتاً ملتا رہتا ہے اور اُس

سے متاثر ہوتا رہتا ہے جو سانپ کے بہکانے سے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیتا ہے اور اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کو توڑ کر اپنی معصوم لغزشوں سے ارضی حیات کا تجربہ کر رہا ہے۔ یا شیوا جی کو انقلاب کے کام سے ہٹا کر ان سے زندگی کی ایک نہایت مزیدار رومانی کہانی بیان کرنے لگتا ہے تاکہ پارٹی بے چارے ننھی کو برف کے کھلونے توڑنے پر سراب دینا بھول جائیں۔ اشتراکی عوام باوجود تمام عقل و دانش کے اس بھولے بھالے انسان سے محبت کرنے لگتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے بے غرض محبت کرتا ہے اور بلا کسی فائدہ نقصان کا حساب لگائے دوسروں کے لیے ایثار و قربانی کر ڈالتا ہے۔ یہ کلاسیکی ادب اشتراکی انسان کے ذہن کو اس حسن و رعنائی اور احساس لطافت تک اس شرم و حیا اور پاکیزگی تک پہنچا گیا ہے جو حوا کی سرشت ہے۔ اس شجاعت، فیاضی، عدل، حمیت و غیرت اور شرافتِ نفس تک پہنچا گیا ہے جو آدم کا شیوہ ہے۔ جبکہ وہاں کے انسان کا دل بھی سرمایہ دارانہ نظام میں چلنے والے انسان کی طرح کبھی کبھی حیوانی جذبات، شہواتی لذتیت، وحشیانہ سفاکی، جبلی خوف، حرص اور انتقام کے مواد پر مبنی ادب پڑھنے کی خواہش کرتا ہوگا۔ تاکہ کچھ اپنی حیوانیت کا بھی مزا لے سکے۔ لیکن اعلا کلاسیکی ادب کی گھنی پیداوار نے اشتراکی سرزمین پر کسی غیر انسانی ادب کی نشو و نما کا بہت کم امکان رکھا ہے، جس کے لیے وہاں کے ادب کی تخلیقی تنظیمیں اور تصنیف و مطالعہ کی انجمنیں قابلِ ستائش ہیں۔

حصّہ چہارم

جدید ہندوستان اور صنعتِ کتاب کی عالمی تنظیم
بیسویں صدی

حصہ چہارم

پہلا باب

اُردو زبان

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ اس کے بڑے بڑے علاقے ایک دوسرے سے دُور دراز فاصلوں پر واقع ہیں۔ مختلف آب و ہوا اور مختلف رہن سہن نے جگہ جگہ کثیر تعداد میں یہاں کے رہنے والوں کی مختلف بولیوں کو جنم دیا۔ ان چھوٹی چھوٹی مقامی بولیوں میں سے بعض اپنے اندر لسانی ارتقا کی بڑی صلاحیت رکھتی تھیں چنانچہ کچھ مدت میں ترقی کر کے باقاعدہ تحریری زبانیں بن گئیں۔

پراکرتی

جس طرح چار سو ق م میں سنسکرت سے علاحدہ ایک پالی زبان وجود میں آئی تھی۔ اور اس میں علوم و فنون اور ادب نے جگہ پائی تھی اسی طرح ساتویں صدی عیسوی سے نویں صدی تک متعدد زبانیں ہندوستان میں پیدا ہوئیں جو پہلے معمولی مقامی بولیاں تھیں سکو جد میں اپنے مخصوص طرز کے حروف ہیں ان کی لپی بھی تیار ہو گئی ہے۔ مثلاً بنگالی، مرہٹی، گجراتی، راجستھانی، پنجابی وغیرہ انھیں میں سے ایک برج بھاشا بھی تھی جو اودھ اور پوربی سے مل کر چودھویں پندرھویں صدی عیسوی تک اپنا ایک مقام حاصل کر رہی تھی جو ہندی کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس کا رسم خط دیوناگری تھا جس کے معنی ہیں دیوتاؤں کی تحریر یا شہری مہذب تحریر، اور اسی کے ہمدوش ایک زبان بعد میں اردو کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔

اردو زبان اور اس کا رسم خط

ساتویں صدی میں سمندری راستے سے عربوں نے پہلے گجرات میں کھمبات کی سرزمین پر قدم رکھا پھر سندھ میں سکھر کے مقام پر اس سے چند سال پہلے وہ سیلون اور مالابار کے ساحلوں پر مصالحے اور خوشبویات کی تجارت کے سلسلے میں پہنچ چکے تھے۔ مگر گجرات اور سندھ میں علاوہ دیگر اشیائے تجارت کے الفاظ و معانی کا لین دین بھی شروع کیا، جس کی ابتدا سندھ ہی کی طرف سے تحریک الفت کی شکل میں ہوئی۔ ہزاروں سال کی بچھڑی ہوئی دو قومیں اچانک ایک دوسرے سے اس طرح ملیں کہ اجنبیت جاتی رہی۔ ربط و اتحاد مختصر عرصے میں اس قدر بڑھ گیا کہ عربی زبان کے حروف سندھیوں کے دل پر نقش ہو گئے۔ سندھی طرز تحریر کی جگہ عربی حروف کی بہت سی علامتیں سندھی تحریر میں جا بجا ابھرنے لگیں۔ ذوق یکسانیت کی اس ابتدائے میل ملاپ کی ایسی پر لطف داستان چھیڑ دی کہ ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے عربوں کے قدم جم گئے۔

یہاں عربی رسم خط کی ایک اہم خصوصیت کو واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ اس خط کی کشید میں اس قدر وسعت ہے کہ دنیا کی ہر تحریر اس کے دامن میں اپنا مقام پا سکتی ہے۔ بقول پروفیسر ہارون احمد شیروانی "یہی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لچک ہو اور بست و کشادگی ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر اس زبان کا رسم خط بن جائے جو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ عربی میں اس کی گنجائش تھی لہٰذا کشش میں تھوڑا بہت فرق اور حرفوں کے اضافے سے ایران میں ایرانی، ملایا میں ملائی، مراکو میں مغربی، اور ہندوستان میں اردو بن گئی۔ بنگالی فسخ اور عرب تامل بھی اس سے بن گیا" دراصل عربی رسم خط کی یہ خصوصیت اس وقت ظاہر ہوئی جب اس کا حسن پنہاں نمایاں کیا گیا اور اسے خط نبطی (حیری) سے ترقی دے کر پرکشش صورت میں لایا گیا۔ اس خط کو ظہور اسلام نے نکھارنا شروع کیا تھا۔ تحریری کام کی کثرت نے بے شمار کاتب اور خطاط پیدا کر دیے تھے۔ ہر صاحب فن خطاط کے ہاتھوں سے اس کی تراش و خراش ہوتی گئی اور اس کی دیدہ زیبی اور دلکشی ابھرتی گئی۔ 295ھ تقریباً نویں صدی عیسوی کے

اختتام تک ابو علی محمد بن علی معروف بہ ابن مقلہ نے ان حروف سے کچھ نہایت خوبصورت خط نکالے۔ خط ریحان، بدیع، محقق، رقاع وغیرہ۔ پھر ابن ہلال معروف بہ ابن بواب متوفی 229ھ معتصم باللہ کے دور میں یا اس کا خاص درباری خوشنویس یعقوب بن عبداللہ رومی متوفی 268ھ نے طرح طرح کے فنی اضافے کیے۔ موخرالذکر کے خط کی خوشنمائی کا یہ عالم تھا کہ اس کا ایک ایک کتبہ سونے کے ہم وزن قیمت پر فروخت ہوتا تھا وہی عربی خط ایران ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ ایران میں اس نے اور بھی حسن و نزاکت پائی۔

عربی خط ایران میں

عربی خط کے مختلف حروف کی دروبست اور کشش و دائرہ کو جس شخص نے فنی انداز سے پہلی بار متعین کیا وہ ابن مقلہ ہے۔ ابن مقلہ نے پہلی مرتبہ خط کی چھ اقسام کا تعین کیا ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں ابن بواب کے کارناموں نے اور تیرھویں صدی میں یعقوب المستعصمی کی صلاحیتوں نے ابن مقلہ کی شہرت کو قدرے ماند کر دیا۔ یہی دور تھا جب عربی خط کو ایوبی نسخ کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ یعقوب عباسی دور کا آخری مشہور اور عظیم خطاط تھا۔ اس کے بعد اقلام ستہ یا چھ مشہور طرز خط کے مراکز بغداد سے سمٹ کر ہرات، مشہد اور تبریز میں منتشر ہو گئے۔

ابن ندیم کے مطابق ایرانیوں نے شروع میں قرآن مجید کو کراموز یا پیرموز خط میں لکھا لیکن وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ بدری عطائی نے اپنی کتاب فہرست قرآن ہائے خطی کتاب خانہ سلطنتی، تہران مطبوعہ 1972ء میں پیرا موز طرز پر لکھے گئے قرآن مجید کے ایک صفحہ کا عکس دیا ہے۔ ایران میں کوفی، محقق، ریحان، ثلث اور نسخ خط میں مزید تبدیلیاں کی گئیں۔ نسخ طرز کو دور تیموریہ میں احیا نصیب ہوا لیکن بعد میں پھر انحطاط پذیر ہوا۔ کوفی خط دراصل ثلث ہی کی ایک قسم ہے جسے ایران میں کتاب کے آخری صفحے لکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس میں حروف کو زیادہ تر دائرہ نما بنا دیتے ہیں۔ اور ا د ذ ر ز ژ ل و کو ان کے بعد آنے والے حروف سے پیوست کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح رقاع چھوٹے انداز میں لکھے ہوئے طوق کو کہتے ہیں۔ ترک عثمانی خط

کو خط الاعجاز کے نام سے پہچانتے تھے ۔ اسے بھی عام طور پر قرآن مجید یا مذہبی کتابوں کا افتتاحیہ لکھنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ایران میں ہر بڑے خط کو جلی خط کا نام دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کا زیادہ استعمال خط ثلث لکھنے میں ہوتا ہے۔ خط ثلث میں جلی انداز سلجوقیوں کے عہد سے نمایاں ہونا شروع ہوا۔ لیکن بام عروج پر تیموری دور خصوصاً صفوی عہد میں پہنچا۔ ایرانی دور کے دوسرے خطوط میں غبار، مسلسل، سیاق، تعلیق، شکست زیادہ مشہور ہوئے نستعلیق جو نسخ اور تعلیق کے امتزاج سے وجود میں آیا اس کا موجد اوّل میر علی تبریزی کہا جاتا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کو اس سے اتفاق نہیں کیونکہ نستعلیق کے نمونے تیرھویں صدی عیسوی میں بھی ملتے ہیں۔ ایران میں نستعلیق کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک وہ انداز تھا جس کے موسس مرزا جعفر تبریزی اور اظہر تبریزی تھے اور جو خراسان میں پروان چڑھا۔ دوسرا انداز وہ تھا جو مغربی ایران میں مروّج ہوا۔ یہ دوسرا انداز تو جلد ہی فراموش کر دیا گیا۔ لیکن پہلا انداز تو بعد میں انداز خراسانی کہلایا بہت مقبول ہوا اور اپنے حسن کی معراج کو سترھویں صدی عیسوی میں عماد حسن سیفی کے ہاتھوں پہنچا۔ موجودہ ایران اسی طرز کو پسند کرتا ہے۔

عربی خط ہندوستان میں

ہندوستان میں عربی کا قدیم ترین کتبہ تری وندرم کے علاقے میں ملا ہے۔ یہ خط نسخ میں ہے۔ پاکستان میں سندھ کے بھنبور مقام پر دو کتبے ملے ہیں جو کوفی خط میں ہے اور ان کی تاریخ 902ء اور 907ء ہے بالترتیب اس کے علاوہ اس سلسلے میں تحقیق کی رو سے سلطان محمود غزنوی کے لاہور میں ڈھلوائے ہوئے سکے اور پنجاب یونیورسٹی لاہور میں 1014ء کا لکھا ہوا ایک محفوظ مخطوطہ ہے۔ عربی خط کی ہندوستان میں مزید قدیم تاریخی نشانیوں میں غوریوں کے عہد حکومت کے دوران دہلی میں تعمیر کی ہوئی مسجد یا قوت الاسلام میں کندہ کیے ہوئے کتبے ہیں جو خط طغرا، کوفی، نسخ اور ثلث انداز کے خطوط ہیں۔ غلام خاندان کے دور حکومت میں خط نسخ ہندوستان میں بالعموم ایک مقبول خط تھا۔ اور پھر یہاں اس کے بلند پایہ اور باکمال خطاط پیدا ہونے لگے۔

اردو فارسی خطاط

مغلیہ دربار میں سیکڑوں کاتب اور منشی بلند پایہ خطاط و خوشنویس سرفراز ملازمت تھے۔ ان کو خطابات اور جاگیروں سے نوازا گیا تھا اور زر و جواہرات ان پر لٹائے جاتے تھے۔ دربار اکبری میں فن خطاطی کا سب سے بڑا قدر شناس تو عبدالرحیم خان خاناں معروفِ ہند (رحیمن کوی) تھا کہ خود اس کے فرزند میر زا امرج اور مرزا داراب اعلیٰ خوشنویس تھے۔ خان خاناں کے در دولت خاص سے وابستہ کچھ مشہور خطاط تھے۔ جیسے مُلّا عبدالرحیم عنبریں رقم، نسخ اور تعلیق دونوں خط میں کاملِ فن تھے۔ مرزا شجاع بھی نسخ و تعلیق کی خطاطی میں استاد تھے۔ اُن کا وطن شیراز تھا۔ بیود مرزا ماہر خوشنویس ہونے کے علاوہ فن نقاشی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ایک عالم و فاضل شخصیت مرزا فتح اللہ شیرازی کی ہے جس کا خطاطی میں بھی اعلیٰ مقام تھا۔

دربار اکبری میں اور بھی خطاط بڑی تعداد میں بیان کیے گئے ہیں جن میں اکبری نورتن کے جواہر راجہ ٹوڈر مل کھتری ایک جامع شخصیت ہے۔ بندوبست و مالیات اور تعمیراتِ عامہ طویل شاہراہوں اور چوکیوں کی تعمیر ڈاک کے انتظام میں تو شہرت رکھتا ہی ہے لیکن فن خطاطی میں بھی درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ امیر خطاط زریں خاں کو جو منصب پنج ہزاری پر فائز تھا۔ میر معصوم بھکری قندھاری خواجہ عبدالصمد شیریں رقم۔ میر محمد اصغر ملقب بہ اشرف خاں وہ اکبر کے استاد مُلّا عبدالقادر۔ دور اکبری کا سب سے بڑا خطاط زریں رقم محمد حسین کاشمیری، میر عبداللہ مشکیں رقم، ملا علی احمد مہر تراش۔ خواجہ محمد حسین چشتی، خلیفۂ حضرت سلیم چشتیؒ (جو خط نسخ کے کامل استاد تھے) محمد شریف شیریں رقم وغیرہ بہت طویل فہرست ہے۔

اسی طرح عہد جہانگیری میں بہت بڑے عہد فن خطاط و خوشنویس

۱۔ صحیفہ مسلمانوں کے عہد کے تمدنی جلوے از ظفر ندوی

۲۔ بحوالہ غلام مولوی محمد ہمت قلم دہلوی

تھے۔ جن میں قاضی احمد غفاری۔ مصنف حبیب السیر، مرزا محمد حسین نسخ، تعلیق، ثلث اور خطِ شکست کے ماہر و مسلّم تھے۔ احمد علی ارشد طغریٰ نویسی میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شاہجہانی دور میں آقا عبدالرشید دیلمی، مشہور میر عماد ایرانی کا بھانجہ اور شاہزادہ دارا کا استاد تھا۔ یاقوت رقم عبدالباقی حدّاد۔ مرزا عبداللہ خاں درایت خاں۔ (تعلیق و شکست کا ماہر تھا)۔ سحر طراز جادو رقم میر مراد کاشمیری، میر محمد صالح و میر مومن فرزندانِ مشکیں رقم ایک سے بڑھ کر ایک ہوئے۔

اورنگ زیب کے دربار میں بھی بڑے بڑے خوشنویس و خطاط تھے، خود بھی ایک اعلا قلم کش تھا۔ سید علی خاں جواہر رقم، ہدایت اللہ زریں رقم، میر محمد باقر درباری خوشنویس، میر محمد زاہد علاوہ فنِ خطاطی، مصوّری میں بھی اوجِ کمال پر تھے۔ اس کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول کے زمانے میں مرزا حاتم بیگ و محمد عارف۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد کے ہیں غلام علی خاں، حافظ ابراہیم۔ طغرا نویس میر زین العابدین استاد نستعلیق مولائی صاحب۔ مولوی غلام محمد دہلوی ہفت قلم، ان کے بعد کے دور میں میر مہدی، میر عباد اللہ بیگ و آغا میر، سید محمد امیر رضوی امیر پنجہ کش جو خطاطی کے علاوہ مصوّری و نقاشی، لوح و جدول سازی میں بھی باکمال تھے۔ علاقہ بندی و سنگ تراشی میں فردِ فرید۔ ممتاز مصنف اور صحافی، پنجہ کشی کے فن میں مشہور زمانہ غرض ہمہ صفت موصوف تھے۔ اسی زمانے میں ان کے علاوہ اور بھی نامور خطاط ہوئے ہیں۔ اخوند عبدالرسول قندھاری۔ امام الدین احمد خاں۔ میر امام الدین، نواب تفضل حسین خاں جو نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں دہلی سے لکھنؤ آ گئے تھے۔ میر عطا حسین تحسین۔ خط نسخ و تعلیق و شکست کے ماہر مرزا احمد طباطبائیؒ۔ دورِ آصفی میں ممتاز خطاط حافظ نور اللہ اور قاضی نعمت اللہ کیا کیا خط کھینچ گئے۔

فارسی خطاطی کے فن میں ہنود بھی بڑے باکمال گذرے اور بکثرت۔ راجہ ٹوڈرمل کا تو ذکر ہو ہی چکا ہے۔ رائے منوہر موتی کرن، نوسی کچھواہا پسر راجہ سابھر۔ چندربھان برہمن عہد شاہجہانی کا نامور خطاط۔ منشی سج بھان — رائے پریم ناتھ کھتری۔ راجہ ناگرمل کے پوتے راجہ امید سنگھ اور راجہ شیر سنگھ راجہ جگل کشور کے پوتے کنور پریم کشور فراقی۔ منشی لچھمن سنگھ بھیوری، راجہ

نند رام پنڈت جو دہلی سے لکھنؤ آکر نواب حسین رضا کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے۔ عالم و فاضل، انشا پرداز لالہ لچھمن رام پنڈت بہ خوش وقت رائے کھتری۔ لالہ درگا پرشاد کا شستہ لکھنوی غلام محمد ہفت قلم کے شاگرد شنکر ناتھ کاشمیری پنڈت لالہ سروپ سنگھ دیباد ان کے علاوہ اور بہت ہوئے، ظاہر ہے کہ ان سب کے قلم سے کتنی کتابیں لکھی گئی ہوں گی جو مسلمان سلاطین کے زمانے میں ہندوستانی کتابوں کی تاریخ پر ایک علاحدہ ضخیم جلد کا مطالبہ کرتی ہیں۔

آخری دور میں جب مسلمان امارتیں تاراج ہو چکی تھیں، مشہور خطاط منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی مصنف نظم پروین۔ منشی دیبی پرشاد مصنف پنجہ نگارین منشی عبدالقادر رشیدا لکھنوی شاگرد اعجاز رقم۔ جن کو بہت ضعیفی میں راقم الحروف نے اپنی اوائل عمری میں دیکھا اور نیاز مند رہا۔ رشیدا مرحوم عرصۂ دراز تک منشی نولکشور کے ادارے سے وابستہ رہ کر کتابوں پر جلی عنوانات و سرخیاں لکھتے تھے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کی کچھ کتابوں کی کتابت بھی کی ہے۔ اسی زمانے میں اچھے خوشنویس و کاتب، زائر حرم حمید صدیقی مرحوم دودامنی خط کے ماہر تھے اور رسالہ بربوں میں قاری عبدالعلیم کے قلم سے اس زمانے کے کچھ عظیم اردو مصنفوں کی کتابیں منزل کتابت سے گذریں۔ راقم الحروف کو حال میں ایک خوشنویس منشی تحسین بجنوری سے دہلی میں ملنے کا اتفاق ہوا جن کے یہاں کئی پشت سے خطاطی کا پیشہ چلا آرہا ہے۔ موصوف ایک طرز خاص کے موجد اور آرٹسٹ بھی ہیں۔

ماہرین فن نے خط مصنوع کی چھ قسمیں بیان کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(1) خط گلزار جو پھول پتیوں سے اور بیل بوٹوں سے حروف کی تشکیل کرتا ہے۔

(2) خط غبار بہت باریک نقطوں کے ذریعہ جلی حروف کی تشکیل کرنا۔ (3) خط ماہی۔ جوف حروف میں شکل ماہی پیش کر کے اسی میں حروف کے دامن کو ڈھالنا

(4) خط طغرا کسی عبارت کو حیوانات و نباتات کی شبیہ میں ڈھالنا یا ایک عبارت سے کسی عمارت کی تشکیل کرنا۔ (5) خط توأماں کسی تحریر سے متصل داہنی جانب ہو بہو اس کا معکوس نقش پیش کرنا۔ (6) خط ناخن، انگوٹھے اور انگشت شہادت کے ناخنوں کے درمیان ایک دبیز کاغذ کو دبا کر نہایت خوشخط تحریر کا گہرا نقش بنانا

یہ سب سے مشکل فن ہے۔ راقم کتاب کے حقیقی نانا مولوی سید عبدالبصیر زیدی واسطی المتخلص بہ حضور بلگرامی جن کے اشعار، اشلہ صنائع کے بطور بحر الفصاحت میں مذکور ہیں اس خط کے ماہرین میں سے تھے۔

ہندوستان کے ہر علاقے میں اردو کی غیر معمولی مقبولیت

اواخر آٹھویں صدی میں عربوں نے ہندوستان میں آ کر آباد ہونا شروع کیا۔ ابتدا میں صوفیا اور بڑے بڑے صاحب طریقت نے جو علائق دنیا سے مکمل طور پر اپنا رشتہ توڑ چکے تھے۔ شراب وحدت سے چور مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز سے بیگانہ اور ہمہ اوست پر کامل یقین رکھتے تھے۔ اس سرزمین کو اپنے فیض روحانیت سے رشک عالم بنا دیا۔ ان اوّلین بزرگوں میں حضرت مسعود سعد سلمانؒ حضرت خواجہ معین الدینؒ، حضرت فریدالدین شکر گنجؒ وغیرہ جیسے حضرات کی ایک بڑی تعداد ہے۔ بکثرت ہندوؤں نے ان کے گرد ایک مضبوط حلقۂ عقیدت قائم کر لیا۔ اُن بزرگوں کی ایک زبان تھی جو اپنے حلقوں میں مستعمل تھی۔ وہ نہ عربی تھی نہ فارسی نہ کلیتاً مقامی بول چال بلکہ ان بزرگوں کے مسلک وحدت الوجود کے مطابق مختلف زبانوں کے خوشنما الفاظ کا گلدستہ تھا۔ جس زبان کی پہلی کتاب معراج العاشقین بلکہ جدید تحقیق کے مطابق شاہ جیو ہے جن کی تصنیف کا زمانہ نویں صدی عیسوی کے آس پاس ہے۔ شاعری میں حضرت مسعود سعد سلمان اور ضیا سندھی کے دیوان بھی اسی نو ایجاد زبان میں وجود میں آئے۔ اس وقت تک اس زبان کی ذات و صفات کا کوئی نام نہ تھا۔ مگر بزرگوں کے فیض سے اسے بہت فروغ ہوا۔

اس کے بعد عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کے مسلم قافلے مسلسل آتے رہے اور آباد ہوتے رہے۔ ان میں سوداگر بھی تھے اور لشکری بھی۔ وہ بتدریج ہند آریائی قوم سے خصوصاً اور دیگر اقوام سے عموماً شیر و شکر ہوتے گئے۔ باہم اشارات و کنایات ہوتے ہوئے پھر گھل مل کر گفتگو ہونے لگی۔ دسویں صدی تک جہاں سنسکرت سے پراکرت بنیں ایک مجموعۂ انتخاب اردو وجود میں آئی۔ اس زبان کے مصادر سنسکرت کے تھے اور اسما و مشتقات ہر زبان کے چنیدہ تراشے ہوئے نگینے تھے اور اس کا سلسلۂ نسب

حضرات صوفیا کی زبانِ عشق محبت سے تھا۔ شروع میں اس کا نام ہندی ہوا، اور رسم الخط عربی سے پیدا ہوا تعلیق جو فارسی میں مروج تھا۔ تیرھویں چودھویں اور پندرھویں صدی میں اس نئی ہندی پراکرت سے امیر خسرو، کبیر داس اور سور داس نے ایسے دلکش نغمے پیدا کیے کہ اس نے ہر خاص و عام کے دل کو تسخیر کر لیا۔ سب سے بڑا کام اس زبان نے کیا کہ شمال سے جنوب کی دوری جو طویل تاریخی زمانوں سے چلی آرہی تھی اس کے ذریعے جاتی رہی۔ یہ نئی ہندی شمال و جنوب کی باہم سخت مغائرت رکھنے والی زبانوں کے درمیان ایک رشتۂ الفت ایک واسطۂ یگانگت بن گئی۔ دکن میں اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ اس کا نام دکنی پڑ گیا۔ اس کے ذریعہ شمال و جنوب کی تہذیب و ثقافت کے نگینے پہلی بار ایک لڑی میں پروئے گئے اور اس نے یہ سب سے عظیم تاریخی کردار ادا کیا۔ گجرات میں دکن سے پہلے ہی پہنچ کر زبان پر چڑھ چکی تھی۔ اس کے گیت اور نغمے بھی وہاں پیدا ہوئے اور بول چال بھی وہاں اس کا نام ہندوی پڑ گیا تھا۔ اس سے پہلے لاہور اور پورے پنجاب میں شہاب الدین کے لشکر پر حاوی ہوکر دلّی تک اپنی قلمرو میں شامل کر چکی تو وہاں اس کا نام اردو پڑ گیا۔ ترکی میں اُردو کے معنی لشکر کے ہیں چونکہ وہ سب سے پہلے لشکر میں مستعمل ہوئی اس لیے اردو کہلائی۔ شاعروں کے منہ کو ایسی لگ گئی کہ ہندوستان میں امرت رس بن کر ہر جگہ ٹپکنے لگی اور اسے شاعر ریختہ کہنے لگے۔ آخر میں اس کا نام ہندوستانی پڑ گیا حقیقی معنوں میں یہی اس کا صحیح نام تھا۔ پندرھویں صدی سے سترھویں صدی تک پہنچنے کے بعد کوئی ہندوستانی نہیں تھا جو اس کو سمجھنے سے انکار کرتا۔ اس عرصہ میں شمالی ہندوستان کی اور بھی زبانیں اپنے اپنے علاقہ میں ترقی کرتی گئیں۔ بنگال میں بنگالی، گجرات میں گجراتی، مرہٹ واڑا میں مرہٹی، راجستھان میں بھوج پوری، پنجاب میں پنجابی وغیرہ۔ یہ ان قدیم دکنی زبانوں کے علاوہ تھیں جو پہلے ہی سے دکن میں چھائی ہوئی تھیں۔ تامل، تیلوگو، ملیالم، کنڑی وغیرہ اس طرح ہندوستان کی متعدد زبانوں میں سے سب سے ترقی یافتہ زبان اُردو جس کا رسم الخط فارسی تھا سب سے زیادہ عوام میں رائج ہوئی۔ یہ پورب سے پچھم اور اُتر سے دکھن تک پورے ملک میں چھا گئی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی تک شاعروں کے دیوان تو بہت لکھے گئے لیکن نثر کی

زیادہ تر کتابیں فارسی زبان میں تصنیف ہوئیں۔ اٹھارھویں صدی میں مسلمان حکمرانوں کے دفاتر فارسی میں تھے۔ مسلمانوں کی جگہ انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب حکومت سنبھالی تو مختصر زمانہ تک اپنے دفاتر انھوں نے بھی فارسی ہی میں رکھے۔ چنانچہ فارسی زبان نہ صرف اُردو بلکہ ہندوستان کی سب زبانوں کو دبائے ہوئے تھی۔ انگریزی عمل داری میں اُردو اور دیگر ہندوستانی زبانوں کو ابھرنے کا موقعہ ملا ان کے ترقی یافتہ رسم الخط بن گئے اور انھیں تصنیف و تالیف کی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ اب تک ہندوستان کی تمام کتابیں خصوصاً اُردو اور فارسی کی کاتبوں کے قلم سے لکھی ہوئی تھیں۔

دوسرا باب

چھپائی کا ہندوستان پہنچنا

ہندوستانی مطبع کا تاریخی پس منظر

ہندوستان میں پہلا چھاپہ خانہ 1556ء میں ایک پرتگالی شخص جوبیو بسٹامانٹے پرتگال سے لے کر آیا تھا۔ یہ لکڑی کے فریم کا ٹریڈل ٹائپ چھاپہ خانہ سب سے پہلے گوا میں قائم ہوا۔ اسی سال پہلی کتاب جو ہندوستانی سرزمین پر چھاپی گئی پرتگالی زبان میں تھی۔

پہلی ہندوستانی زبان کی کتاب ملابار حروف کی 1578ء میں چھپی۔ اس کے ملاباری ٹائپ حروف ایک ہسپانوی لوہار جوانس گانسالوس نے تیار کیے۔ شمالی ہندوستان کی زبانوں میں سے کسی زبان کی طباعت کتب کے سلسلہ میں 1743ء تک کسی کامیاب کوشش کا ڈھونڈے نشان نہیں ملتا۔ لیکن ہندوستانی زبان کی مقبولیت عوامی زندگی میں اپنا پتہ مستند ذرائع سے سولھویں صدی عیسوی میں بخوبی دے رہی ہے۔ جان فریر ایک یورپین سیاح کا سیاحت نامہ اس زبان کی ایک تاریخی کڑی پیش کرتا ہے[1]۔ جان فریر نے ایک انگریز ٹام کوریٹ کا تذکرہ اپنے سیاحت نامہ میں اس طرح کیا ہے کہ وہ 1616ء میں ہندوستان میں انگریز فقیر کے لقب سے مشہور تھا اور ہندوستانی زبان میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ مغل اعظم کے دربار میں اس نے شہنشاہ جہانگیر کے روبرو اپنی عوامی زبان میں بے جھجک دادِ خطابت دی۔ اس سے دو اہم باتوں کا پتہ چلتا

---

[1] صدیقی (محمد عتیق) گلکرائسٹ اور اس کا عہد

ہے ایک تو یہ کہ عام نے فارسی درباری زبان پر ہندوستانی زبان سیکھنے یا استعمال کرنے کو ترجیح دی۔ اگرچہ فارسی زبان سیکھنا اس وقت دشوار نہ تھا اور درباری خطابت میں فارسی زیادہ برمحل تھی، لیکن ہندوستانی کے اس جگہ استعمال کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اُسے ہر خاص و عام کا قرب حاصل تھا اور ذریعہ اظہار کا بہتر وسیلہ تھی دوسری بات یہ کہ شہنشاہ اور اس کے درباری اس عوامی زبان سے کافی مانوس تھے اس لیے جہانگیر کو ہندوستان میں خطاب کرنا بیجا اور درباری آداب کے خلاف نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ عہد کے ابتدائی وسطی زمانہ میں ہندوستانی زبان ہر جگہ رائج اور مقبول ہو گئی تھی لیکن جان فریئر کے سیاحت نامے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ تک اس کا کوئی باضابطہ رسم الخط نہ تھا جس سے یہ کہنا مراد ہے کہ ناگری یا رسم الخط صرف مذہبی اور علمی ہندی کتابوں میں مستعمل تھا۔ عوامی زبان کے لیے نہیں اور فارسی رسم الخط میں اس وقت تک ہندی حروف کا عام طور پر اضافہ نہیں ہوا تھا لیکن ہندوستانی زبان کی اتنی اہمیت بڑھ گئی تھی کہ 1677ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے مدراس کے قلعہ سینٹ جارج کو انگریز ملازمین نے ہندوستانی زبان سیکھنے کی رغبت دلانے کے لیے لکھا اور بمقابلہ فارسی ہندوستانی سیکھنے کے لیے دوگنا انعام یعنی بیس پاؤنڈ مقرر کیے اس کی تعلیم کے لیے مناسب آدمیوں کے تقرر کا حکم دیا آگے چل کر ان انعامات میں اضافہ ہو گیا اور قابلیت میں مقابلہ کی صورت پیدا ہو گئی۔

ہندوستانی زبان کی ابتدائی لغات اور گرامر

سترھویں صدی سے اٹھارھویں صدی تک ہندوستانی رسم خط باضابطہ طور پر مکمل ہو چکا تھا مگر شمالی ہندوستان کی کسی زبان کی کوئی کتاب ہندوستان میں 1778ء تک طبع ہونے کی کوئی معلومات نہیں ہیں 1778ء میں بنگالی زبان کی گرامر چھپی جس کے رومن حروف چارلس ولکنس نے ڈھالے تھے اور چھپائی کی البتہ گریسن نے ایک یوروپین راہب فرانسس کس تروین سس کا ذکر کیا ہے کہ اس نے سورت کے قیام کے دوران 1704 میں ہندوستانی زبان کی ایک لغت کو دو حصوں میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل مرتب کیا تھا۔ مگر غالباً وہ شائع نہیں ہو سکی اور شہر روم کے کسی کتب خانہ میں ہو گئی۔ اس پہلی محنت کے بعد ہندوستانی زبان کی پہلی گرامر ایک ہالینڈ کے باشندے

جان جوشا کے ٹیلر نے 1708ء سے 1712ء تک مرتب کی جو لاطینی زبان میں 1743ء میں لیڈن سے شائع ہوئی بعد میں یہ غلط گرامر ثابت ہوئی مگر اس کی یہ اہمیت کم نہیں ہے کہ اس میں دیوناگری رسم خط کے جا بجا نمونے دیے ہوئے ہیں اور کچھ آیات انجیل کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ رومن رسم خط میں ہے۔ گرامر کی طرح یہ ہندوستانی زبان میں کسی یورپین زبان کا ترجمہ بھی پہلی کوشش مانی جاتی ہے اور ابتدائی اٹھارھویں صدی کی ہندوستانی نثر کا ایک نمونہ بھی ہے۔ جوشا کے ٹیلر کے علاوہ ہندوستانی گرامر مرتب کرنے والوں میں بنجامن شولز 1745ء گلسٹن ہڈلے 1770ء کا نام بھی شامل ہے۔ یہ تمام کتابیں یا مضامین یورپ ہی میں شائع ہوئے۔ یہ بھی لاطینی زبان میں ہے اس میں ہندوستانی الفاظ عربی رسم خط میں لکھے گئے اور دیوناگری خط کی وضاحت بھی کی گئی۔ یہ پہلی گرامر سے کچھ بہتر ہے لیکن اب بھی نامکمل ہے 1757ء کی جنگ پلاسی کے بعد گلسٹن ایک سول ملازم نے جو گورنر کا سکریٹری اور فارسی مترجم بھی تھا۔ ہندوستانی زبان کی گرامر پر انگریزی زبان میں ایک مقالہ لکھا جو شائع نہیں ہو سکا۔ یہ پہلی کوششوں سے زیادہ وقیع تھا 1765ء میں ایک انگریز ہڈلے نے ہندوستانی زبان کی قواعد مرتب کی جو 1770ء میں لندن کے ایک ناشر نے شائع کی اور بہت مقبول ہوئی۔ اس نے ایک لغت بھی ترتیب دی 1797ء تک اس کے پانچ اڈیشن نکل چکے تھے۔ چھٹا اڈیشن مرزا محمد فطرت لکھنوی کی تصحیح و اضافہ کے ساتھ 1802ء میں لندن میں شائع ہوا۔ ہڈلے نے اس کے لیے محمد فطرت کی خدمات خاص طور پر حاصل کی تھیں اور انھیں 1798ء میں انگلستان لے گیا تھا، وہاں وہ 1802ء تک رہے۔ ہڈلے کی اس لغت کے اڈیشن پر مرزا محمد فطرت کا نام بھی پڑا ہے۔ اس کے ایک سال بعد 1773ء میں ایک اور لغت لندن میں شائع ہوئی جس کا نام ہندوستانی زبان کی مختصر لغت۔

یہ فرگوسن کی لغت دو حصوں میں شائع ہوئی انگلش اور ہندوستانی — ہندوستانی اور انگلش۔ ہندوستانی گرامر بھی اس کے ساتھ تھی۔ ابھی تک یہ سب کتابیں یورپ یا لندن میں چھپتی رہیں۔ ہندوستان میں ہندوستانی زبان کا کوئی پریس نہیں تھا اور کتابیں زیادہ تر لغت اور قواعد پر تصنیف ہوتی تھیں۔ دراصل یورپین قومیں خصوصاً انگریزوں کو ہندوستانی زبان کی لغت اور قواعد

کی بڑی فکر تھی کیونکہ ان کے منصوبے بڑے لمبے تھے۔ اس لیے انھیں جلد سے جلد ہندوستانی زبان سیکھنے کے لیے بے تابی تھی۔

ہندوستانی زبان میں ابتدائی مطبوعات فورٹ ولیم میں

ہندوستانی زبان میں کتابوں کی ابتدا گلکرسٹ کے عہد سے وابستہ ہے۔ چونکہ لغات انگریزوں کو فوراً درکار تھیں لہٰذا فرگوسن کی لغت کے بعد جلد ہی ایک لغت اور انشائے ہرکرن کا ترجمہ ڈاکٹر فرانسس بالفورڈ نے مرتب کیا۔ اب ولکنس نے نہ صرف بنگالی بلکہ فارسی ٹائپ حروف بھی ڈھال دیے۔ لہٰذا ہندوستانی زبان کی پہلی مطبوعہ کتاب فارسی رسم الخط میں 1781ء میں جو ہندوستان ہی میں چھاپی گئی بالفورڈ کی ترجمہ کی ہوئی انشائے ہرکرن ہے۔ یہ 1804ء میں دوسری بار لندن میں چھاپی گئی۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر گلکرسٹ ہندوستانی زبان وادب کی خدمت میں بڑے جوش وخروش سے سرگرم تھا اس کی تنہا خدمات یورپین لوگوں کے مجموعی کارناموں پر بھاری ہیں۔ اس نے ہندوستانی زبان سیکھنے کے لیے شہروں شہروں میں کس قدر کوچہ گردی کی۔ مصیبتیں جھیلیں اور مالی مشکلات کا مقابلہ کیا اس کی ایک طویل داستان ہے۔ ہماری زبان میں اس انگریز نے جب اعلا استعداد حاصل کرلی تو اس زمانے کی قابل ترین علمی ادبی شخصیتوں کو کلکتے میں اکٹھا کیا اور ایک مدرسہ ایک ادر نیٹل سمنری حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد سے 1799ء میں قائم کیا جو 1800ء میں بند ہوگیا۔ چھ جون 1800ء میں ولزلی نے فورٹ ولیم کالج کا افتتاح کیا اور گل کرسٹ کو ہندوستانی زبان کا مدرس (پروفیسر) مقرر کیا۔ یہ فورٹ ولیم کالج شہادت حضرت ٹیپو علیہ الرحمہ کی پہلی برسی کے دن قائم کیا گیا تھا۔ مگر نصف صدی سے آگے نہ چل سکا۔ خود گل کرسٹ 1804ء میں مستعفی ہو کر انگلستان چلا گیا۔ اسے ہندوستانی زبان وبیان پر اس قدر دسترس حاصل ہوگئی تھی کہ وہ خود بھی کسی حد تک تصنیف وتالیف اور ترجمہ وتبصرہ کا اہل ہوگیا تھا۔ اس کی ترتیب دی ہوئی لغت 90-1786ء چھپ کر شائع ہو چکی تھی۔ بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھی گئی۔ علاوہ فورٹ ولیم کالج کی پروفیسری اور اس کے تحت طباعت واشاعت کی سرگرمیوں کی رہنمائی کے جو فورٹ ولیم سے متعلق

1870-81ء سے جاری تھیں ۔ گل کرسٹ نے خود اپنا ذاتی پریس اور ہندوستانی کتابوں
کا اشاعتی ادارہ 1800ء میں قائم کیا تھا 1800ء سے 1804ء تک کچھ چنیدہ
ادبی شخصیتیں اس ادارے میں تھیں مثلاً میر امن دہلوی، بہادر علی حسینی، مظہر علی ولا، شیر علی
افسوس، نہال چند لاہوری ۔ للولال اور سدل مسر وغیرہ جنھوں نے گل کرسٹ کی
سرپرستی میں 1800ء سے 1804ء تک ترسٹھ کتابیں تصنیف تالیف یا ترجمہ کیں ۔
ان میں کچھ فارسی رسم خط اور کچھ دیوناگری خط میں مذکور برسوں میں شائع ہوئیں ۔

گل کرسٹ نے علاوہ دوسروں سے کتاب لکھوانے کے خود بھی تقریباً گیارہ کتابوں
کی تصنیف کا قیمتی کارنامہ انجام دیا ہے ۔ گل کرسٹ کے اشاعتی ادارے اور فورٹ ولیم
کی طباعتی واشاعتی تنظیم کے نتیجے میں اواخر اٹھارھویں صدی عیسوی سے ایک دیسی ہی
بیداری کی لہر اور تصنیفی تحریک کا آغاز ہندوستان میں ہوا جیسی 1495ء میں یورپ
میں شروع ہوئی تھی ۔ اس لحاظ سے جدید ہندوستان پورے تین سو برس کتابی
پیداوار کی سرگرمیوں میں یورپ سے پچھڑا ہوا تھا ۔ کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی
پہلی قواعدِ زبان 1807ء میں چھپی ہوئی انشا کی دریائے لطافت ہے جب کہ زبان و
قواعد سے متعلق علاوہ مذکورالصدر کتابوں کے پانچ اہم تصانیف اور گل کرسٹ کے
ذریعہ وجود میں آئیں ۔ گل کرسٹ کا اس سے بھی زیادہ شاندار قابل ستائش کارنامہ
یہ ہے کہ اس کی کوششوں سے اردو کا پہلا نستعلیق ٹائپ تیار ہوا اور اس میں اردو کی
کچھ ابتدائی کتابیں چھاپی گئیں ۔

اس زمانہ میں مدراس میں بھی طباعت واشاعت کتب کا کام ہو رہا تھا ۔
وہاں بھی فارسی رسم الخط کے ٹائپ حروف ایک ولندیزی (ڈچ) مشنری نے تیار کرائے
تھے ۔ کلکتہ میں 4 مارچ 1774ء کو کلکتہ گزٹ کا اجرا ہوا جب کہ 1748ء میں
بینجمن شولر نے انجیل کا اردو ترجمہ شائع کر دیا تھا ۔ 1778ء میں پہلی بنگلہ زبان کی کتاب
ایک بنگلہ گرامر شائع ہوئی جس کے رومن حروف چارلس وٹ نے ڈھالے اور طباعت
کی اس کے بعد 1808ء میں دیوناگری رسم خط میں سنسکرت زبان کی ایک کتاب
مادو نشٹ تما سنشٹ شائع ہوئی پھر متعدد کتابیں ناگری زبان میں چھپیں 1816ء میں
کلکتہ میں ایک بک سوسائٹی قائم ہوئی 1818ء میں بپٹسٹ مشنری نے سرپام پور

سے ایک بنگالی ماہنامہ اور ایک ہفتہ وار جاری کیا۔ یہ بنگلہ زبان بلکہ ہندوستانی زبان کا پہلا رسالہ ہے۔ بمبئی میں طباعت کی ابتدا 1780ء میں ہوئی جب کہ انگریزی زبان میں ایک عیسوی جنتری کلنڈر فار اَوَر لارڈ شائع ہوا اور 1797ء میں پہلی بار دیوناگری خط میں طباعت شروع ہوئی 1820ء میں بمبئی نیٹیوا سکول اور اسکول بک کمیٹی قائم ہوئی۔ جس میں 1867ء تک پچیس کتابیں چھاپ کر شائع ہوئیں۔ کتابوں کی اشاعت کا ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر کام عیسائی مبلّغین نے کیا اور ہندوستانی زبان میں طباعت و اشاعت کا فروغ انہیں کے ذریعہ ہوا۔

تیسرا باب
عیسائی تبلیغی جماعتیں

عیسائی تبلیغی جماعتوں کے چھاپے خانے

ہندوستان میں کتابی پیداوار کے حدود اربعہ میں سے ایک تو گلگرسٹ اور فورٹ ولیم تحریک تھی جس کا پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری زبردست تحریک عیسائی تبلیغی جماعتوں کے چھاپے خانے تھے اور تیسری ان مسیحی چھاپے خانوں کی مطبوعات کے ردِّ عمل میں ہندوستانی مذہبی اور تہذیبی روایات کی حمایت میں ایک جوابی تحریک تھی۔ چوتھی ان سب سے الگ ہندوستان کے علما فضلا اور دانشوروں کی منظم کی ہوئی ایک جا بجا دار المصنفین کی تحریک بھی ہے۔ ان چاروں تحریکوں نے مل کر ہندوستان میں کتاب کی تاریخ آج تک مکمل کی۔

ہندوستان میں عیسائی تبلیغ کا آغاز کلکتہ بائبل سوسائٹی سے ہوا۔ یہ سوسائٹی لارڈ ولزلی کی سرپرستی میں فورٹ ولیم میں 1798ء میں قائم کی گئی تھی۔ کلکتہ پادریوں کا مستحکم مورچہ تھا۔ یہاں یکے بعد دیگرے دو پریس قائم ہو گئے اور مشن کی کتابیں چھپنے لگیں۔ فرانسیسی کا کانٹا نکلنے کے بعد مدراس میں انگلش پریس اپنا کام کرنے لگا۔ اور اس کے ذریعے جنوبی ہند کا میدان انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔ بمبئی کی جاگیر ملکۂ انگلستان کے جہیز میں پہلے ہی مل گئی تھی۔ پریس وہاں بھی چل رہا تھا اور نور ایمان کی بے تحاشا بارش ہو رہی تھی۔ 1850ء میں بھاگلپور اور جبلپور میں 1854ء اور متھرا میں 1856ء میں الہ آباد 1859ء میں فیض آباد 1867ء میں لاہور یعنی جگہ جگہ بڑے بڑے پریس قائم ہوئے۔

لکھنؤ میں نواب غازی الدین حیدر کا زمانہ تھا جب پہلا ٹائپ حروف کا مطبع 1814ء میں قائم ہوا مسٹر آرچر نے 1830ء میں کانپور میں ایک چھاپہ خانہ جاری کر دیا 1836ء میں دلّی میں لیتھو چھپائی کا مطبع قائم ہوا جس کے مالک مولانا محمد باقر صاحب نے اردو اخبار بھی نکالنا شروع کیا اس چھاپے خانے کا نام اردو اخبار پریس تھا جو بعد میں دلّی اخبار پریس سے موسوم ہوا۔

عیسائی مشینری کی مطبوعہ کتابیں

عیسائی مشینریوں کے چھاپے خانہ کا پیام اور ان کی کارگذاری اٹھارھویں صدی کے اختتام تک شروع ہوئی اور انیسویں صدی کے نصف اول میں ناقابل قیاس تیز رفتاری سے ہندوستانی ذہن و شعور پر ایک اچانک حملے کی صورت میں ہوئی۔ 1840ء میں سکندرہ متصل آگرہ میں مشینری عرفان اسکول پریس قائم ہوا اور اس سے چند سال قبل و بعد مشنری چھاپے خانوں کے قیام کی ایک طویل فہرست کا پتہ چلتا ہے۔ مطبع امریکن مشن لکھنؤ میتھوڈسٹ میریجن مشن پریس الہ آباد بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ۔ مطبع امریکن مشن پریس لودھیانہ اور آباد مشن پریس۔ این۔ سی عرفان پریس الہ آباد۔ مطبع تھامسن کالج روڈ رڑکی۔ مطبع نور لاہور۔ آفتاب پنجاب پریس امرتسر۔ چرچ مشن پریس مرزاپور۔ غرض بڑی لمبی فہرست ہے۔

کتابوں کی اشاعتی ترقی اور تیزی کا یہ عالم کہ صرف ایک سوسائٹی کی کارگذاری سے 1872ء میں دس ہزار تین سو باسٹھ انجیلیں دعاؤں کی کتابیں اور ہندوستان کے مذاہب اور طرز معاشرت کی قدح و تنقیص پر جارحانہ کتب شائع ہوئی تھیں جب کہ 1873ء میں اس قسم کی کتابوں کی اشاعت بڑھ کر اکیاسی ہزار بیٹھ ہو گئی۔ اگلے کئی برسوں تک اسی رفتار سے مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ 1874ء میں پچیس ہزار دو سو انیس کتابیں ہندوستان میں مفت تقسیم کی گئیں اور اسی میں کتب فروشوں نے گھوم پھر کر چار لاکھ دیسی کی کتابیں فروخت کیں۔

عیسائی مشینری کی مطبوعات کی مذکورہ بالا تفصیل جو بپٹسٹ پریس کلکتہ سے متعلق ہے۔ اخبار نور افشاں 17 جولائی 1875ء میں شائع ہوئی تھی، اس مشن کی مطبوعات

کا ذکر کرتے ہوئے گارساں۔ ڈی۔ تاسی نے حسب ذیل عبارت آخر میں لکھی ہے۔ اس انجمن کی طرف سے ایک بڑی تعداد مطبوعات کی شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے خیال میں مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت میں جس قدر کتابیں اب تک شائع ہوئی ہیں ان کی ایک تہائی صرف اس انجمن نے چھاپی ہیں۔

مشینری مطبوعات کے دُور رس نتائج

عیسائی مشینری کے قائم کیے ہوئے پریس اور ان میں مسیحی مذاہب کی بکثرت چھپنے والی کتابوں نے ہندوستانی زبانوں میں تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کے کام کو دفعتاً کچھ اس انداز میں شروع کر دیا جیسے ڈائنامائیٹ سے ایک چٹان اڑ ادی جاتی ہے اور ہزاروں سال کے ایک نامعلوم چشمے کی تیز تند طوفانی دھارا پھوٹ نکلتی ہے۔ مسیحی تبلیغی سوسائٹیوں نے جب ہندوستانیوں کے مذہبی عقائد اور ان کی قدیم مشرقی تہذیب پر بے محابہ جارحانہ حملے کیے تو زمانہ دراز سے سوئے ہوئے ان کے ذہن و شعور پر کچھ اتنی قسم کی اچانک چوٹ پہنچی کہ ہر ایک ہندوستانی کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ انھیں اس قسم کے روحانی صدمے کا اس سے پہلے کوئی تجربہ نہ تھا۔ ہندوستان ہزاروں برس سے بے شمار عقاید، مذاہب اور تہذیبوں کے مجموعے کا ایک سماج یا معاشرہ تھا۔ کبیر، نانک، چشتی اور ان سے پہلے بہت سی ہستیاں کچھ اور روحانی اور اخلاقی پیغامات کر آئی تھیں لیکن ہندوستانی سماج میں اس سے کوئی اضطراب و بے چینی نہ دل کو ہوئی تھی اور نہ دماغ میں کوئی ہیجان کوئی پرخاش۔ عیسائی مبلغوں کی کتابیں ان کے ذہن اور روح پر پتھر بن کر برسنے لگیں۔ ہندوستان کے علما اور پنڈت حیران ہو گئے اور کچھ زمانے تک ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے بالآخر انھوں نے اپنے عقائد کے تحفظ اور تہذیب کی مدافعت میں پریس کا آزمودہ ہتھیار استعمال کیا۔ ہندوستانیوں نے بھی اپنے مطابع کھولے اور کتابیں لکھنے لگے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ موثر بنانے کا فن بھی جلد حاصل کر لیا۔ اسی طرح ہندوستانی علوم و تہذیب کے نشر و اشاعت میں سرگرمیاں شروع ہوئیں اور ہندوستانی صحافت پیدا ہو کر تیزی سے نشوونما پانے لگی لہٰذا مشن سوسائٹیوں کا یہ فیض ناقابل فراموش ہے

ہندوستانی صحافت اور ان کے مطابع

1849ء میں ممالکِ مغربی شمالی یعنی موجودہ پنجاب، آگرہ، دہلی کے علاقے میں تیئس لیتھو کے مطابع قائم ہو چکے تھے۔ بارہ چھاپہ خانہ صرف لکھنؤ میں قائم تھے جن میں ہندوستانی علوم و ثقافت اور تہذیب و مدنیت کے تحفظ اور بقا کے لیے کتابوں کی طباعت و اشاعت کا سرگرمی سے کام ہونے لگا۔ اور صحافت کے فن میں بھی ہندوستانؒ نے ترقی کے مدارج طے کیے۔ ہندوستانی اخبارات کثرت سے جاری ہو گئے۔ ابتدائی ہندوستانی اخبارات اور مطابع میں سے کچھ بطور مثال حسب ذیل ہے۔

مراۃ الاخبار	فارسی	1822	کلکتہ
خیر خواہ ہند		1837	مرزاپور
سید الاخبار		1837	دہلی
آفتاب عالم تاب		1841	مدراس
سراج الاخبار		1841	دہلی
مظہر حق		1843	دہلی
جام جہاں نما		1842	کلکتہ
صادق الاخبار		1844-45	دہلی
احسن الاخبار		1844	بمبئی
مخزن الادویہ		//	کلکتہ
قران السعدین			مدراس و دہلی
عمدۃ الاخبار			وغیرہ

خیر خواہ ہند 1837ء میں مرزاپور مسیحی مشینری ہیڈ کوارٹر سے جاری ہونا شروع ہوا۔ مولف اختر شہنشاہی نے اس کی ابتدائے اجرا یکم اگست 1846ء درج کی ہے۔ لیکن گارسن دی تاسی نے اپنے خطبہ مورخہ پانچ مئی 1859ء میں اس کا آغاز اشاعت 1837ء لکھا ہے۔ بارہ صفحات کا رسالہ تھا۔ مالک ایف۔ جی پریسٹ ایڈیٹر پادری ماتھر سالانہ چندہ تین روپیہ مطبع مشن اسکول مرزاپور ــــــــ

سیدالاخبار ۔ دہلی 1837ء مالک سید محمود خاں صاحب ۔ چندہ ماہانہ دو روپیہ مطبع سید اخبار سے اجرا ۔ آفتاب عالم تاب مدراس سے جاری ہوا 1841ء کے قبل سے شائع ہو رہا تھا ۔ سراج الاخبار 1841ء دہلی قلعہ معلّے سے اجرا شروع ہوا ۔ بہادر شاہ ظفر کا کورٹ گزٹ تھا فارسی زبان میں بادشاہ کا روزنامہ شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر سید اولاد علی مطبع سلطانی مطبع البدر ذہ سید ابوالقاسم وا قعہ نگار کے زیر اہتمام اولاد علی بیگ جام جہاں نماں 1842ء کو آٹھ صفحات کا اخبار کلکتہ ہوت کا مکا شریف دفتر میں نمبر 28 سے ہفتہ وار اجرا۔

مظہر حق 1843ء مولانا محمد باقر نے دہلی سے جاری کیا۔

صادق الاخبار 45-1844ء اوّلاً فارسی بعد میں اُردو زبان میں نکلتا رہا۔ مقام اجرا دہلی ۔

احسن الاخبار بمبئی 1844ء ۔

مخزن الادویہ 1844ء میں کلکتہ سے حاجی آفاق احمد خاں شیرازی نے جاری کیا ۔

قرآن السعیدین ۔ بارہ صفحات کا اخبار ایڈیٹر پنڈت دھرم نرائن ۔

عمدۃ الاخبار ۔ دو مقامات مدراس و دہلی سے اجرا (بحوالہ کوہ نور لاہور 1851ء)

فوائد الناظرین 1845ء دہلی سے سائنسی او رتاریخی رسالہ اوّلاً ماہانہ بعدہٗ پندرہ روزہ ہو گیا ۔

فوائد الشائقین 1846ء شروع ہوا قانونی ہفتہ وار تھا۔

صدر الاخبار ۔ ابتداً ہفتہ وار تھا بعد میں ہفتہ میں دو بار کا اجرا ہو گیا ۔ ایڈیٹر سی ۔ سی فنک بارہ صفحات آگرہ ۔

مازند اخبار 1846ء میں پانچ زبانوں میں اردو ۔ فارسی ۔ ہندی ۔ بنگالی اور انگریزی پانچ کالمی اخبار کلکتہ سے مولانا نصیر الدین نکالتے تھے ۔

بمبئی کا ہرکارہ تازہ بہار (1854ء) ۔ اس کے علاوہ اخبار دفتر جریدہ بمبئی سے مراۃ الاخبار اور قاصد الاخبار مدراس سے 1854ء ۔ اسعد الاخبار 1877ء آگرہ

سے اجرا ہوتا تھا۔ دوسرا خیر خواہ ہند 1847ء اور محبِ ہند کچھ تقدیم کے ساتھ دونوں اخبار دہلی سے نکلتے تھے۔ جامِ جمشید 1847ء میں میرٹھ سے باغ بہار 1848ء میں بنارس سے مالوہ اخبار 1849ء میں اندور سے اور مفتاح الاخبار میرٹھ سے نکلتے تھے نور الاخبار 1852ء میں سوتی کٹرہ آگرہ سے منشی سدا سکھ نکالتے تھے۔ اس کے پرنٹر اور پبلشر بھی تھے۔ اور اسی نام کا اخبار یعنی نور الاخبار 1885ء میں الہ آباد سے بھی شائع ہونے لگا تھا۔ سیال کوٹ سے ایک اخبار چشمۂ فیض 1852ء میں جاری تھا مذکورہ بالا اخبار و جرائد میں سوا ایک دو کے سب وہ ہیں کہ 1857ء کی پہلی جنگ آزادی سے قبل جاری تھے۔ ان میں کچھ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی استعماریت کے ترجمان اور فرنگی حکومت چلانے کے پیش نظر کام کرتے تھے باقی اخبارات حب دھن اور درد ہندوستان کا ایک مضطرب جذبہ، ہندوستانی قوم کی پہلی شعوری کرن تھے۔ خوش قسمتی سے اس وقت پورے ہندوستان کے باشعور طبقے کی ایک ہی زبان تھی۔ اس لیے ذہنوں کو مربوط کرنے میں تحریک آزادی کو بڑی آسانی ہوئی۔ اپنا کام دیکھتے دیکھتے کر گئی۔ فرنگی ہوس ملک گیری پر بجلی بن کر گری۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی تمنا بڑی مہنگی پڑی۔ خیر حکومت تو فرنگیوں نے جان پر کھیل کر اس کے بعد ایک صدی سے کچھ کم زمانے تک کی لیکن ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ ادھر ہندوستانی قوم پرستوں نے دیکھا کہ تلوار نہیں چل پائی تو جذبۂ آزادی کو قلم سونپ دیا۔ اور قلم کی رفتار میں وہ برش وہ بانکپن پیدا ہوا کہ انگلستان اور یورپ کی زبان سے داد و تحسین کے بول پھوٹ پڑے۔ قلم پر بندش انیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر لگ چکی تھی اور تحریر احتساب کے خلاف جو قانونی جنگ یورپ میں اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں بڑی شدت پکڑ چکی تھی اس کا آغاز ہندوستان میں بھی انیسویں صدی کے ربع اول میں راجہ رام موہن رائے کی سرگردگی میں پوری ہمت و استقلال سے کیا گیا۔ بنگالیوں نے اپنے قلم کی رفتار سے خوفناک دھماکے پیدا کیے جس سے برطانوی دار العلوم کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔ برطانوی استعماریت کی بنیادیں ہل گئیں۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے انقلابی ادب کی افزائش ہو رہی تھی شاعری میں بھی اور نثر میں بھی۔ بنگالی ادب کو لیڈر کی حیثیت حاصل تھی، اردو اور تیلگو اس سے پیچھے نہیں تھے بلکہ ترقی پسند ادب میں تیلگو کی

حیثیت بنگالی کے برابر ہے یا اسے اوّلیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں اردو زبان پورے ہندوستان کی مشترکہ عوامی زبان تھی جو فارسی اور ناگری رسم الخط میں لکھی اور چھاپی جاتی تھی۔ برج بھاشا یا ٹھیٹھ ہندی صرف ہندو مذہبی تصانیف تک محدود تھی۔

ہندوستان میں جدید علم و دانش کا احیا

بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کی تمام تحریری زبانوں میں ایک طرف انقلابی ادب ہاتھ پاؤں نکال رہا تھا۔ دوسری طرف ایک علمی تحقیقاتی ادب جنم لے رہا تھا۔ اور تیسری طرف شعری و افسانوی ادب بناؤ سنگار کر رہا تھا۔ نوک پلک سے سج کر محفل میں آ رہا تھا۔ غرض ہر زبان اپنی تحریر کی سج دھج میں پورے طور سے کوشش کر رہی تھی۔ بکثرت کتابیں تخلیق ہو رہی تھیں۔ اردو۔ ہندی، بنگالی اور تلگو میں تو ایام طفلی ہی میں ادبی شباب کی شان پیدا ہو چکی تھی۔ بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں دنیا کی اعلا زبانوں خصوصاً یورپ کی تعریفی نگاہیں اس کی شان، ادا اور حسن پر پڑنے لگیں تھیں۔ یورپ میں ہندوستانی ادب کے ترجمے اسی زمانے میں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی بقیہ زبانیں انھیں تین چار زبانوں سے متاثر تھیں۔ اور انگریزی میں بھی ہندوستان کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ 1857ء سے قبل شائع ہونے والی اردو زبان کی کچھ کتابیں جو ٹھوس اعلا علمی مواد پر تصنیف ہوئیں خوش قسمتی سے ان کی ایک فہرست مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے انڈیا آفس لائبریری لندن سے 1920ء میں حاصل کر کے شائع کر دی ہے۔

خلاصۂ علم الارض مع انگریزی مطبوعہ کلکتہ 1824ء۔
علم ہیئت مترجمہ لفٹیننٹ میلس مطبوعہ لکھنؤ 1832ء۔
مفتاح الافلاک۔ عبدالسلام۔ کلکتہ 1836ء
مراۃ الاقلیم 〃 〃
نظام آسمانی 〃 〃
مختصر الاحوال نظام آسمانی۔ آگرہ 1840ء۔
مقاصد العلوم ترجمہ انگریزی سے سید محمد کلکتہ 1841

علم حکمت (سیکس) 1843ء

ترجمہ ارشمیدس مولوی سید محمد 1844ء

تحصیل فی جر الثقیل۔ سید احمد خاں آگرہ 1844ء

ترجمہ معاشیات (مل) ترجمہ وزیر علی دہلوی 1844ء

کھیت کرم مصنف کالی رائے تین حصے 50-49-1846ء

اصول العلم و انتظام المدن ترجمہ انگریزی سے دھرم نرائن دہلی 1846ء

بحر الحکمت۔ اسٹیم انجن کا بیان ریورنڈ بارکن لکھنؤ 1847ء

توصیف زراعت کلب حسین آگرہ 1848ء

قانون الطباع (چھاپہ خانہ) اسٹیل سنگھ دہلی 1848ء

جغرافیہ ہند۔ ترجمہ شیو سروپ نرائن۔ دہلی 1848ء

اصول العلم طبعی ترجمہ انگریزی سے اجودھیا پرساد شیو پرساد دہلی 1848ء

مراۃ العلوم ہری ردمن لال بنارس 1849ء

فتح گڑھ نامہ احوال ضلع فتح گڑھ کالی رائے دہلی 1849ء

رسالہ مقناطیسی ترجمہ انگریزی سید کمال الدین دہلی 1850ء

اصول و قواعد۔ مائیات ترجمہ اجودھیا پرساد دہلی 1850ء

علم جغرافیہ ترجمہ غلام محمد ملی کلکتہ 1851ء

پند نامہ کاشتکاری موتی لال آگرہ 1852ء

خلاصہ نظام آسمانی پنڈت داسی رہرا آگرہ 1853ء

جغرافیہ کا پہلا رسالہ ترجمہ انگریزی سے میر غلام علی مدراس 1853ء

ریشم کا کیڑا۔ موتی لال لاہور 1853ء

جغرافیہ عالم دہلی 1854ء

چائے کا باغ لگانے کی کتاب مطبوعہ لاہور 1854ء

نور النواظر۔ احمد علی کانپور 1854ء

خلاصۃ الجغرافیہ۔ آگرہ 1854ء

بجلی کی ڈاک آگرہ 1854ء

ہوا کا بیان بنارس 1854ء

خلاصۃ الصنائع ترجمہ انگریزی سے بھولا ناتھ آگرہ 1854ء

اصول جر الثقیل۔ محمد احسن بنارس 1854ء

1857ء سے قبل کے کچھ اور مصنفین اور ان کی اہم مطبوعہ تصانیف کی اطلاع مختلف ذرائع سے حاصل ہوئی جو حسب ذیل ہیں۔

مولوی کریم الدین دہلوی ترجمہ تاریخ العذرا 1830ء فورٹ ولیم کالج

مولوی حافظ احمد۔	سراج الایمان	1803ء	فورٹ ولیم کالج
حافظ محمد علی۔	راہِ نجات	1806ء	فورٹ ولیم کالج
مولوی محمد حیلت۔	سراج الحیات	1812ء	فورٹ ولیم کالج
مولوی عبد القادر۔	گلشن دین	1813ء	فورٹ ولیم کالج
مولوی خالق اکبر آبادی۔	مخزن الفوائد	1820ء	فورٹ ولیم کالج
مولوی ولی محمد۔	میخانۂ وحدت	1826ء	فورٹ ولیم کالج
مولوی قادر بخش پانی پتی۔	مختصر الفوائد	1826ء	فورٹ ولیم کالج

سرسید اسکول

1857ء سے کچھ برس پہلے اردو تصانیف کا ایک آفتاب طلوع ہوا جو سرسید احمد خاں کے نام سے مشرق کی تاریخ علم و دانش میں ایک ناقابل فراموش ہستی ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ وہ نہ صرف اکیلا علوم معقولات پر اس قدر گراں مایہ ہے کہ جس پر سب کی علمی تصانیف تولی اور پرکھی جاتی تھیں بلکہ اس کا نام دراصل مصنفین، مولفین اور محققین و مترجمین کی ایک بہت بڑی انجمن کا نام ہے۔ یورپ کی ارتقائی لہروں نے جو کتابی دنیا میں دو تین ایسی عظیم ہستیاں پیدا کی ہیں ان کا ہم پایہ یہ ہندوستان کا سرسید احمد خاں ہے۔ نصف صدی سے اوپر زمانے تک جتنے صاحب مقام اردو مصنفین پیدا ہوئے اور جس قدر بلند مرتبہ تصانیف اس طویل زمانے میں وجود میں آئیں سب کی سب خواہ دوستی کا ہو یا دشمنی کا سرسید سے رشتہ ضرور رکھتی ہیں۔ اس کی ذہنی ہستی سے، اس کی نظریاتی شخصیت سے سب کا خوشگوار یا ناخوشگوار ایک تعلق ایک واسطہ یقینی ملتا ہے۔ حد یہ کہ سرسید

کی تصنیفی تحریک کے وسیلے سے ایک باشعور اور متوازن دماغ کی کتابی پیداوار کا سلسلہ نہ صرف اردو بلکہ ہندوستان کی تمام ترقی یافتہ زبانوں سے جاری ہو۔ سرسید کتابی نشو و نما کی وہ بہار ہے جس کی جلو میں اس قدر گلہائے تصنیفات رسیدہ ہوئے کہ ان کا شمار کرنا دشوار ہے۔

اردو کتابوں کے کچھ بڑے بڑے اشاعتی ادارے

اردو مطبوعات کا سب سے قدیم تاریخی ادارہ تو فورٹ ولیم کالج اور گل کرسٹ کی سب سے پہلی اردو سوسائٹی ہے جس کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اردو اشاعت گھروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ انیسویں صدی کے اختتام تک جو دوسرے اشاعتی ادارے قائم ہوئے۔ وہ بیشتر ہنگامی اور محدود مقاصد کے تحت قائم ہوئے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے علاوہ اردو تصنیف و تالیف کی دو زبردست تعمیری تحریکیں اردو دریافت ہوتی ہیں۔

(۱) دہلی کالج جو 1829ء میں قائم ہوا اس سے ڈاکٹر نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی ذکاء اللہ جیسے عظیم مصنفین برآمد ہوئے اور اپنے اپنے طرز کے ادب و انشا کا سکہ چلایا۔

دوسری محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ہے جو 1886ء میں ہوئی۔ اس کے ذریعہ علی گڑھ کی اردو تصنیف و تالیف اور ترجموں کا گراں مایہ کام شروع ہوا۔ اس ادارے سے سرسید کے رفقاء کار حالی، شبلی، شرر اور دوسرے اس عہد کے عظیم مصنفین کی مطبوعات شائع ہوئیں۔ اسی زمانے میں نولکشور کا مطبع اور اشاعت گاہ لکھنؤ میں قائم ہوئے اور اتنے بڑے پیمانے پر بیش بہا کتابوں کی اشاعت طویل زمانے تک ہوتی رہی کہ ان کا شمار کرنا دشوار ہے۔

اس کے بعد بیسویں صدی کے آغاز سے جو بڑے بڑے ادارے اردو کی خالص علمی اور ادبی تعمیر کے لیے قائم ہوئے ان میں سر برآوردہ حسب ذیل ہیں:۔

انجمن ترقی اردو:۔ 1903ء میں حیدرآباد دکن میں قائم ہوئی۔ 1913ء میں مولوی عبدالحق اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے اور ان کی ناقابل فراموش کوششوں سے وہ پورے ہندوستان کا سب سے موقر اردو اشاعتی ادارہ بن گیا۔ 1947ء میں مولوی عبدالحق کے پاکستان چلے جانے کے بعد یہ ادارہ اورنگ آباد سے علی گڑھ منتقل

ہوگیا جہاں قاضی عبدالغفار اور ان کے بعد آل احمد سرور کی سرکردگی میں اپنی خدمات انجام دیتا رہا آج کل دہلی منتقل ہوکر ڈاکٹر خلیق انجم کی نظامت میں بروئے کار ہے۔ کثیر تعداد میں قابل قدر علمی ادبی تصانیف، عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبان سے قیمتی مواد کے ترجمے اس ادارے سے شائع ہوچکے ہیں۔ ہماری زبان اور ایک سماہی جریدہ، اردو ادب اس سے جاری ہوتا ہے۔

دار المصنفین اعظم گڈھ:۔ اردو کتابوں کی اشاعت میں دوسرا امتاز ادارہ ہے جس کے قیام کا منصوبہ اصل میں مولانا شبلی نعمانی نے بنایا تھا لیکن سخت علالت کے بعد مولانا کا انتقال ہوگیا اور مولانا سید سلیمان ندوی نے 1915ء میں اسے قائم کیا۔ مولوی عبدالماجد دریابادی، شاہ معین الدین ندوی، صباح الدین عبدالرحمٰن وغیرہ اس کے نگراں کار رہے۔ سنجیدہ علمی ادبی اور تاریخ کی بلند پایہ تحقیقاتی کتابوں کی توسیع اشاعت میں یہ ادارہ ایک ممتاز مقام پر رہا ہے۔ ایک علمی ادبی رسالہ 'معارف' اس سے اجرا ہوتا ہے۔

دار الترجمہ عثمانیہ حیدرآباد:۔ 1917ء میں حکومت نظامیہ حیدرآباد دکن کی سرپرستی میں عثمانیہ یونیورسٹی کے تحت اس کا قیام عمل میں آیا۔ تمام علوم و فنون کو انگریزی زبان سے اردو میں منتقل کرنا اس کا اوّلین مقصد رہا ہے۔ اس سلسلے میں طبعیات ریاضی فلسفہ میڈیکل اور انجینیرنگ کی کتابیں کثیر تعداد میں ترجمہ ہوکر اسی ادارے سے شائع ہوچکی ہیں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کو 1920ء میں مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری نے اوّلاً علی گڑھ میں اس مقصد سے قائم کیا تھا کہ اردو میں آزاد ذہن کے ہندوستانی مسلمان اس ادارے سے پیدا ہوں، جامعہ میں اعلا علوم کے لیے ذریعہ تعلیم اردو تھا بعد میں دہلی منتقل ہوگیا۔ اس سے وابستہ ایک کتابی اشاعت کا ادارہ 'مکتبہ جامعہ' کے نام سے قائم کیا گیا تاکہ وہ پرائمری درجوں سے ڈگری کالج کے درجوں تک تعلیمی نصاب کی کتابیں جامعہ ملیہ کو فراہم کرے۔ اس مقصد کے تحت گذشتہ پچاس برس سے نہ صرف درسیات کی نصابی کتابیں بلکہ دیگر اعلا مطالعہ کی مختلف علوم و ادبیات پر کتابوں کا بہت بڑا سرمایہ اب تک اس ادارے سے شائع ہوکر بازار میں آچکا ہے۔

ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد:۔ 1927ء میں منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر

زمانہ کانپور نے قائم کی۔ اس کے اوّلین صدر سر تیج بہادر سپرو اور سکریٹری اصغر گونڈوی اور ڈاکٹر تارا چند ہوئے۔ اردو اور ہندی کا مشترکہ ادب ہندوستانی زبان کے ہر دو رسم خط میں شائع کرنا اس ادارے کا بنیادی مقصد رہا ہے خصوصاً زبان و رسم الخط کی اصلاح جس کے تحت شمالی ہندوستان کی ممتاز علمی ادبی شخصیتیں اور لسانی ماہرین اس کے رکن رہے اور عرصۂ دراز تک گراں قدر اشاعتی خدمات انجام دیں ہندوستانی کے نام سے ایک میگزین بھی نکلتا رہا۔

ادارہ ادبیات اردو : ۔ ڈاکٹر محی الدین زور قادری کی مساعی جمیلہ سے 1931ء میں حیدرآباد آندھرا میں قائم ہوا ۔ یہ ادارہ اپنی باوزن علمی اور ثقافتی تخلیقات کا ہندوستان میں اردو کا ایک عظیم الشان سرگرم مرکز بن گیا بہت سے شعبہ جات کے ذریعہ کچھ اہم خدمات انجام دے رہا ہے مثلاً تنقید و تحقیق ۔ تالیف و ترجمہ ، تاریخ تمدن دکن ، نشر و اشاعت انسائیکلوپیڈیا کی تیاری وغیرہ ۔ اب تک چھوٹی بڑی دو سو پچاسی کتابیں اس ادارے سے شائع ہو چکی ہیں ۔ کتب خانے میں پچیس ہزار مطبوعہ کتب اور پانچ ہزار قلمی نسخوں کا نہایت قیمتی مواد ہے 1937ء سے ایک ماہنامہ سب رس کا اجرا ہوتا ہے ۔

جامعہ اُردو علی گڑھ : ۔ 1939ء میں بزم اقبال آگرہ کے تحت اس کا قیام عمل میں آیا ۔ 1947ء سے علی گڑھ میں اردو تعلیم کا کام نہایت استحکام اور سرگرمی سے انجام ہو رہا ہے ۔ اس نے اردو امتحانات کے اب تک 175 مرکز قائم کیے ہیں اور بیشتر اردو کے تعلیمی ادارے ہیں جن کے درسی نصاب کی حسب ضرورت کتابیں بھی برابر شائع ہو رہی ہیں یہ ایک بڑے پیمانے پر اردو کی بنیادی خدمت کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا نامور اشاعتی اداروں کے علاوہ کچھ اہم ادارے اور بھی ہیں جو اردو کتابوں کی اشاعت میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مثلاً علمی ادبی اور مذہبی کتابیں شائع کرنے والا ادارہ ندوۃ المصنّفین جو کتابیں شائع کرنے کے علاوہ ایک رسالہ برہان بھی سیّد سعید احمد اکبرآبادی کی نگرانی میں اجرا کرتا ہے یا انجمن اسلام بمبئی جس کے تحت تحقیقات و تصنیفات کا کام ہوتا ہے اور اعلا معیاری کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کا اجرا سید نجیب اشرف ندوی کی ادارت میں ہوتا ہے ۔ لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلما ایک اعلا پائے کی دینی اور علمی ادبی درسگاہ ہے جس میں یونیورسٹی

کی منزل پر عربی، فارسی اردو کی تعلیم کے ساتھ قیمتی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت بھی ہوتی ہے۔ ان کے ماسوا بکثرت بڑے بڑے اردو کے اشاعتی ادارے اور بھی ہیں جو تجارتی نقطۂ نظر سے خاص و عام کی دل چسپی کے لیے نہایت دیدہ زیب و دلکش طباعت کی کتابیں مختلف موضوعات پر مسلسل شائع کر رہے ہیں۔

اردو کی طباعت و اشاعت کے مسائل

طباعت اور اشاعت کے مسائل یوں تو تقریباً سبھی زبانوں میں ہوتے ہیں لیکن اردو میں ان کی نوعیت مقابلتاً کہیں زیادہ سنجیدہ ہے۔ سب سے اہم مسئلہ اردو میں کتابت کا ہے۔ اردو میں ٹائپ مروّج نہ ہونے کی وجہ سے چھپائی کے کام میں بڑی سست رفتاری ہے۔ ایک دوسرا اہم مسئلہ محدود تعدادِ اشاعت ہے۔ اردو عموماً کسی کتاب کا ایک ایڈیشن چند سو کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور فروخت کے ناقص طریقے کی وجہ سے وہ بھی نہیں نکل پاتا۔ جس کے نتیجے میں اردو کا پبلشر اور مصنّف دونوں گھاٹے میں رہتے ہیں۔ اردو کی راہ میں ان مشکلات پر غور کرنے کے لیے نیشنل بک ٹرسٹ نے 1977ء میں ایک سیمنار سری نگر میں منعقد کیا تھا۔ سیمنار میں ملک کے مختلف گوشوں سے مصنّفین، مترجمین، مرتبین، ناشرین، کتب فروش اور لائبریرین شریک ہوئے تھے۔ سیمنار میں چند مقالے پیش ہوئے اور بحث و مباحثہ کے بعد کچھ سفارشات مرتب ہوئیں۔ ان سفارشات میں درج ذیل خصوصی توجہ کی محتاج ہیں۔

1 — اردو کتابی صنعت کی فروغ کے لیے اردو ناشرین اور کتب فروشوں کی ایک کل ہند انجمن کا قیام۔

2 — کتابوں کی طباعت پر لاگت کم کرنے کے لیے دوسری زبان کے ناشرین کے تعاون سے کتابیں شائع کی جائیں۔ اور اردو کلب قائم کیے جائیں۔

3 — اخبارات اور رسائل میں اردو کتابوں پر تبصرہ کے لیے زیادہ جگہ فراہم کی جائے۔

4 — مرکزی یا ریاستی حکومتوں سے امداد پانے والے ادارے اور لائبریریاں موصولہ امداد کا ایک متعین حصہ اردو کتابوں کی خرید پر صرف کریں۔

5 — مناسب وقفے کے ساتھ اردو کی کتابوں کی کل ہند نمائش کا بندوبست ہو۔

6۔ کتابی صنعت میں کام کرنے والوں کے پیشہ ورانہ معیار کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کتابیں چھاپنے، ان کی تقسیم کاری اور اس طرح کے دوسرے موضوعات کے مختلف پہلوؤں پر وقتاً فوقتاً سیمینار اور تربیتی کورس منعقد ہوں۔

ترقیِ اردو بورڈ

اردو میں اعلا اور علمی سطح کی کتابوں کی تیاری کے لیے حکومت نے 1969 میں ترقی اردو بورڈ کی تشکیل کی تھی۔ ابتدا میں بورڈ نے وزارتِ تعلیم کے سنٹرل ہندی ڈائرکٹریٹ کے ایک حصّہ کے طور پر کام شروع کیا لیکن بورڈ کی بڑھتی ہوئی مصروفیات اور دائرۂ کار میں روز افزوں وسعت کے پیشِ نظر 1972 میں ایک بیورو فار پروموشن آف اردو کا قیام عمل میں آیا جو بورڈ کے سکریٹریٹ کا کام بھی کرتا ہے۔ شروع میں بورڈ کے چیئرمین وزیرِ تعلیم جناب وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ تھے اور وائس چیئرمین جناب پروفیسر محمد مجیب، وائس چانسلر جامعہ ملیہ تھے۔ 1974 میں بورڈ کے چیئرمین پروفیسر عبدالعلیم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہوئے اور ان کے انتقال پر 1976 میں جناب حیات اللہ انصاری بورڈ کے نئے چیئرمین مقرر ہوئے۔ حال میں بورڈ کی تشکیل میں مزید تبدیلی کی گئی۔ اب بورڈ کے چیئرمین کے فرائض وزیرِ تعلیم انجام دیتے ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور اس کے وائس چیئرمین مقرر کیے گئے ہیں۔ بیورو کی سربراہی کے لیے ایک ڈائرکٹر کی جگہ قائم کی گئی جس پر جناب شمس الرحمٰن فاروقی کام کر رہے ہیں۔ بورڈ نے اردو زبان کی ترویج کے لیے بہت سے منصوبے بنائے ہیں جن میں درج ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

اصطلاحات سازی:۔ اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اردو میں کالج اور یونیورسٹی سطح کی کتابیں دستیاب ہوں۔ طبع زاد کتابوں کی تیاری میں دیر ہونے کے پیشِ نظر یہ ضروری محسوس ہوا کہ مختلف معیاری کتابوں کے ترجمے کرائے جائیں۔ لیکن ترجمے کے کام کے ساتھ اس کی بھی ضرورت تھی کہ مختلف علوم کی اصطلاحات متعین کی جائیں۔ چنانچہ بورڈ نے اٹھارہ مضامین سے متعلق اصطلاح ساز کمیٹیاں مقرر کی ہیں جن میں فن کے ممتاز ماہرین شامل ہیں۔

اردو لغات:۔ اردو میں انگریزی، اردو لغت اور اردو، اردو لغت

کی بے حد کمی ہے۔ مولوی عبدالحق کی لغت کے بعد اب تک کوئی معیاری لغت نہیں تیار ہو سکی ہے۔ اس کے پیش نظر بورڈ نے ایک انگریزی اردو اور اردو، اردو لغت کی تیاری کے لیے ماہرین کی کمیٹی بنائی ہے۔ انگریزی اور اردو لغت کی تین جلدیں تیار ہو چکی ہیں۔ اسی طرح اردو اردو لغت کے لیے بھی ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی ہے۔ لغت کا نصف سے زیادہ کام ہو چکا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا :۔ اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا کی کمی ایک مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ چنانچہ آزادی سے پہلے انگریزی کے مختلف انسائیکلو پیڈیا کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوششیں ہوئیں جو نامکمل رہیں۔ بورڈ نے بارہ جلدوں پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کی اسکیم بنائی ہے۔ اس کی چار جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔

خوشنویسی کی تربیت :۔ ہندوستانی زبانوں میں اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی طباعت ابھی تک کتابت کا رہین منت ہے۔ اردو میں ٹائپ کو رواج دینے کی مختلف کوششیں اب تک کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ اس مخصوص ضرورت کے پیش نظر بورڈ نے ملک کے مختلف حصوں میں خوشنویسی کی تربیت کے مراکز قائم کیے ہیں۔ جہاں کتابت کی تربیت ہوتی ہے۔ اعلا خطاطی کے لیے دہلی میں ایک مرکز ہے جہاں خط بہار، خط ثلث، خط کوفی، خط غبار وغیرہ لکھنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ببلوگرافی :۔ بورڈ نے اردو میں چھپائی کے آغاز سے اب تک چھپی ہوئی اردو کی کتابوں پر مشتمل ایک جامع ببلوگرافی مرتب کرنے کا منصوبہ بھی بنایا ہے۔

ریاستی اردو اکاڈمیاں

اردو زبان و ادب کی اشاعت اور ترویج کے لیے پچھلے چند سالوں میں مختلف ریاستوں میں اردو اکاڈمیاں قائم ہوئی ہیں۔ اتر پردیش، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، بہار، راجستھان میں قائم اردو اکاڈمیاں مختلف سطح پر اردو کی اشاعت کا کام کر رہی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں کارگذاری اردو ادیبوں کی مالی معاونت، ریاست میں قائم اردو کتب خانوں کو نقدی امداد، اور اردو کی اچھی اور معیاری کتابوں کو انعام دینا ہے۔ کچھ ریاستوں سے رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ ان کے عملی اقدامات

کے نتیجہ میں اردو پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع ہوگا۔ اور اس سے اردو کی کتابوں کی نکاسی کے لیے میدان ہموار ہوگا۔ ساتھ ہی اچھی اور معیاری کتابیں جنھیں تجی ادارے کم منافع کے خیال سے نہیں چھاپتے ہیں اکاڈمی کے تعاون سے ان کی طباعت واشاعت ہو سکے گی۔

چوتھا باب

ہندوستان کے جدید ناشرین کتب اور ان کی حالیہ اشاعتی سرگرمیاں

ہندوستان کو 15 اگست 1947ء کو برطانوی نوآبادیاتی حکومت سے آزادی ملی اور 26 جنوری 1952ء تک اس نے اپنا دستورِ حکومت تیار کرکے نافذ کیا جس میں تمام تہذیبی اور علمی صنعتی اور تجارتی ترقیوں کے پیش نظر کتب سازی کی صنعت اور کتابوں کی تجارت کا بھی ایک منصوبہ تیار کیا گیا جس پر بتدریج عمل کرتے ہوئے گذشتہ سات آٹھ سال میں ہندوستان نے عالمی تجارت میں اپنا ایک مقام پیدا کرلیا ہے۔

ہندوستان میں کتاب سازی اور طباعت واشاعت کی نئی رفتار

1969-70ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں کتابوں کی تعداد اشاعت نیشنل لائبریری کلکتہ کے ذریعہ معلومات سے حسب ذیل ہے۔

آسامی	192	سنسکرت	60
بنگالی	1048	اردو	260
انگریزی	4668	کنڑ	554
گجراتی	740	ملیالم	515
ہندی	2641	تامل	953
مراٹھی	1134	تیلگو	739
اڑیا	209	دیگر	19
پنجابی	419		
جملہ			14151

ہندوستان کے جدید ناشرین کتب اور ان کی حالیہ اشاعتی سرگرمیاں

یونیسکو کے اعداد وشمار کے مطابق ہندوستان دنیا کے کتابیں چھاپنے والے ملکوں میں تیسرے مقام پر ہے۔ ہندوستان میں شائع ہونے والی کتابوں میں سب سے بڑی تعداد انگریزی زبان میں چھپنے والی کتابوں کی ہے۔ پچھلے چند برسوں سے یہ صورت حال بدل رہی ہے اور کتابوں میں انگریزی کا مقام گھٹ رہا ہے۔ لیکن ابھی صورت حال کچھ اس طرح کی ہے۔ 73-1972ء میں چھپنے والی 17020 کتابوں میں 7314 کتابیں انگریزی کی ہیں جب کہ ہندی کی صرف 2825 کتابیں ہیں اور ہندی مراٹھی، بنگلہ کو چھوڑ کر باقی زبانوں کی کتابوں کی تعداد بمشکل چند سو تک پہنچ پاتی ہے۔ اردو زبان کی تعداد بہت کم یعنی 323 ہے اس میں شک نہیں کہ اردو کی کتابوں کے متعلق اعداد و شمار کو مزید توجہ کرنا ہوگا۔ خصوصاً اس پر غور کرتے وقت کتاب کو سنٹرل ریفرنس لائبریری اور چند دوسری لائبریریوں میں قانونی ضروریات کی پابندی کے تحت بھیجنے کے قانون پر بھی غور کرنا ہوگا۔

ہندوستان میں چھپنے والی کتابوں کی پہلی چھپائی کے وقت تعداد بھی بین الاقوامی معیار سے بہت کم ہے۔ چنانچہ جہاں باہر کے ملکوں میں اوسط تیرہ ہزار نسخوں کی طباعت کا ہے۔ ہندوستان میں یہ طباعت ایک ہزار نسخوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مضامین کے لحاظ سے ملک میں چھپنے والی کتب میں بیشتر سماجی علوم اور ادب کے موضوعات پر ہوتی ہیں — سائنسی علوم پر بمشکل دس فی صد کتابیں چھپ پاتی ہیں۔ جب کہ امریکہ میں ان کا حصہ پچیس فی صد اور روس میں 54 فی صد ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستانی چھوٹے بڑے کل ملاکر 12200 اشاعتی ادارے ہیں۔ جن میں دو سو بڑی کمپنیاں ہیں۔

انگریزی حکومت ہندوستان میں وسعت پذیر ہونے اور انگریزی زبان نظام تعلیم میں رائج ہونے کے ملکوں میں کتابوں کی مانگ بے حد تیزی سے بڑھی — بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں برطانیہ کی چند فرموں نے ملک میں موجود کتابوں کی مانگ کا اندازہ لگاکر یہاں اپنی طباعت کی سرگرمیوں کو شروع کیا۔ ان میں میکملن لانگ مینس اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اولین مطابع ہیں جو ملک میں انگریزی

نظام کے تحت پیدا شدہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے 1903 اور 1912ء کے درمیان میں قائم ہوئے۔ شروع میں انھوں نے اپنے دائرۂ کار کو انگلستان سے چھپی ہوئی کتابوں کی درآمد کے کاموں تک محدود رکھا۔ اندرون ملک قومی تحریک سے متاثر ہوکر بھی چند مطابع قائم ہوئے جن میں مدراس کی فرم نیشن اینڈ کمپنی، ہند کتاب، پدما پبلشرز وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں لیکن وسائل کی کمیابی، تجربے کی کمی اور خود کو تجارتی اصولوں کو منظم نہ کر کے مقصد کے تحت کتابیں چھاپنے تک خود کو محدود کر لینے کی وجہ سے جلد ہی انھیں کام بند کر دینا پڑا۔ آزادی کے بعد جب تعلیم کے داخلے میں وسعت ہوئی، نئی یونیورسٹیاں کھلیں اور کتابوں کی مانگ میں بے پناہ اضافہ ہوا تو ملک میں نجی اداروں میں مطابع کھولے گئے۔ ان میں بڑے پیمانے پر کام شروع کرنے والی فرموں میں سرفہرست نام ایشیا پبلشنگ ہاؤس کا ہے۔ چند ہی سالوں میں الائیڈ پبلشرز، اپاپولر پرکاش، ورلڈ پریس جیسی فرمیں وجود میں آگئیں۔ وکاس پبلشنگ ہاؤس منظر شہود پر آیا اور دیکھتے دیکھتے ملک کے چند ممتاز اشاعتی اداروں میں اپنا مقام سرفہرست بنالیا۔

آزادی کے بعد سے کتابوں کی اشاعت کے میدان میں سب سے نمایاں رول خود سرکاری اداروں نے ادا کیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں چھپنے والی کل کتابوں میں سے بیس فی صد کتابیں سرکاری مطابع کی ہوتی ہیں۔ ملک میں چار سو ادارے ہیں جو سرکاری سطح پر کتابیں چھاپ رہے ہیں۔ اس طرح ہندوستان میں اشاعت کتب کی صنعت میں حکومت بلا واسطہ اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا اثر بالواسطہ بھی ہے۔ چنانچہ کاغذ کی ملوں پر کنٹرول کتابوں کی درآمد برآمد کی پالیسی کے تعین کے واسطے ٹیکسٹ بک یا نصابی کتابوں کی اشاعت کر کے حکومت ملک کی اشاعتی صنعت پر گہرا اثر مرتب کر رہی ہے۔ وزارت اطلاعات ونشریات کے محکمۂ اشاعت یا پبلیکیشن ڈویژن سے بڑی تعداد میں ہر سال کتابیں چھپتی ہیں۔ اشاعت کے میدان میں دوسرا نیم سرکاری اشاعتی ادارہ نیشنل بک ٹرسٹ ہے۔ نیشنل بک ٹرسٹ 1957ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کا سالانہ بجٹ تقریباً پچاس لاکھ روپیہ ہے۔ ٹرسٹ سال میں تقریباً دو سو کتابیں چھاپتا ہے۔ اس نے بچوں کے لیے کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ اسی طرح سیاسی سماجی ثقافتی اور سائنسی میدان میں قومی لیڈروں کی سوانح عمری کا ایک سلسلۂ کتب ہے۔

یونیورسٹی سطح کی کتابوں کی تیاری کے لیے ٹرسٹ مالی امداد بھی دیتا ہے۔ انڈین کونسل آف سوشل سائنس ریسرچ ایک دوسرا ادارہ ہے جو اعلا معیار خصوصاً یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لیے منظور شدہ مسودات کی اشاعت کے لیے نجی اداروں کو مالی امداد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ساہتیہ اکاڈمی، سنٹرل ہندی ڈائرکٹریٹ، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، انڈین کونسل آف ایگریکلچرل ریسرچ، کونسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ جیسے مرکزی ادارے ہیں جو حکومت کے اشاعتی پروگرام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ سردست اردو کا سب سے بڑا ادارہ ترقی اردو بورڈ ہے جو مرکزی حکومت نے اردو کی ترقی کے لیے قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ ہر سال ساٹھ کے لگ بھگ کتابیں شائع کرتا ہے۔ ترقی اردو بورڈ نے ادبی اور علمی کتابوں کے علاوہ تکنیکی موضوعات پر بھی کتابیں شائع کی ہیں۔ بورڈ نے فن طباعت پر بھی ایک مبسوط کتاب شائع کی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق ہندوستان ہر سال سات کروڑ کی مالیت کی کتابیں درآمد کرتا ہے۔ یہ ایک بڑی رقم ہے اور اس میں بچت کے امکانات ہیں۔ خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہی کتابیں اگر ہندوستان میں طبع ہوں تو ان کی چھپائی اور جلد بندی پر خرچ ہونے والی رقم میں خاصی کفالت ہو سکتی ہے۔ ہندوستان میں ان کتابوں کے چھاپنے کی راہ میں مشکلات پر قابو پانے کا ایک راستہ یہ ہے کہ ان ممالک سے جہاں سے ملک میں کتابوں کی ایک بڑی مقدار درآمد ہوتی ہے کسی قسم کا بندوبست کیا جائے۔ اس خیال کے تحت حکومت نے روس، امریکہ، برطانیہ کی حکومتوں کے مشورہ سے کچھ ایسے منصوبے بنائے ہیں جن کے تحت ان ممالک کی سائنسی اور تکنیکی موضوعات کی کتابیں ہندوستانی ناشرین کے اشتراک سے ہندوستان میں طبع کرائی جائیں۔ اس اسکیم کے تحت ایک جوائنٹ انڈو سوویت ٹکسٹ بک پروگرام ہے جس کے تحت روس کی چھپی ہوئی تکنیکی کتب کو ہندوستانی ناشرین طبع کر سکتے ہیں۔ برطانوی کتابوں کے لیے ELBS اسکیم ہے۔ جسے برطانوی گورنمنٹ نے شروع کیا ہے اور جس کے تحت برطانیہ میں چھپنے والی کتابوں کے سستے ایڈیشن ہندوستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں مہیا کیے جاتے ہیں۔ امریکن کتابوں کے لیے پی ایل 480 ٹکسٹ بک پروگرام کے تحت امریکن کتابوں کے ہندوستانی ایڈیشن ہندوستان میں ہی چھاپے جاتے ہیں۔

اس پروگرام کے تحت چھپنے والی کتابوں کا انتخاب مرکزی وزارت کی ایک مشاورتی کمیٹی میں ہوتا ہے۔ اب تک تقریباً ایک ہزار کتابیں اس اسکیم کے تحت چھپ چکی ہیں۔ برطانوی اسکیم کے برعکس جہاں کتابوں کا انتخاب اور اشاعت خود برطانیہ میں ہوتی ہے۔ اس اسکیم میں کتابوں کا انتخاب اور اشاعت دونوں کام ہندوستان میں ہوتے ہیں۔

امریکہ اور برطانیہ میں یونیورسٹی پریس کا ناشرین کی صف میں ایک خاص مقام ہے ہندوستان میں بھی یونیورسٹی پریس کی روایت ملتی ہے۔ کلکتہ یونیورسٹی پریس ملک کا سب سے قدیم پریس ہے جو 1909ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بمبئی، مدراس دہلی اور علی گڑھ کی روایت بھی کافی قدیم ہے۔ خصوصاً علی گڑھ یونیورسٹی پریس ہے جہاں انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی کتابیں چھپتی ہیں۔

پانچواں باب

بیسویں صدی میں تمام علوم کی عالمی پیمانے پر غیر معمولی ترقی

پانچ سو برس پہلے علم ایک شجر تھا اور اس میں کچھ شاخیں تھیں جن میں جدا جدا قسم کے پھول رنگ ذائقوں کے پھل ہوتے تھے۔ مالیوں نے ہر شاخ کی قلم کاری کر کے اس عرصے میں اس قدر ترقی دی کہ ہر ٹہنی پر ایک ڈال سے نوع بہ نوع بے شمار اشجار پیدا ہو کر جدا جدا شعبہ ہائے علم و حکمت کے بہت بڑے باغات تیار ہو گئے اور علم نے اس قدر وسعت اختیار کر لی کہ پانچ سو برس پہلے ایک ذہن جس شجر کی ایک ایک ڈال کو چھو لیتا تھا اور ہر ہر شاخ کے پھل کا ذائقہ معلوم کر لیتا تھا۔ اب کسی فرد بشر کے لیے سلسلہ در سلسلہ اس شجر کی پیوندکاری سے پھوٹے پھلے تمام باغات میں سفر کرنا اور ہر باغ کے درختوں کا شمار کرنا ہی ناممکن ہے۔ ان کی سب شاخوں پر پہنچ کر پھل چکھنا تو درکنار۔ واضح ہو کہ اس مدت میں ہر شعبۂ علم نے جس قدر ترقی کی۔ جس کثیر تعداد میں اس کے ثمر پیدا ہوئے یعنی ان پر کتابیں لکھ کر شائع ہوئیں، اسی قدر شائقین علم بھی پیدا ہو گئے۔ بلکہ نسبتاً اس سے بھی بہت زیادہ کیونکہ آج کی دنیا کو اس بات کی بہت شکایت ہے کہ کتابیں پڑھنے والے بہت زیادہ ہیں اور کتابوں کی سخت قلت ہے۔

پورے کرۂ ارض پر کتابی پیداوار کی جو تازہ ترین اطلاعات فراہم ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہر منٹ پر بلکہ اس سے بھی کم وقفے میں ایک نئی کتاب جنم لیتی ہے۔ ایک نیا ٹائٹل چھپ جاتا ہے۔ چنانچہ 1976ء کی آئی۔ بی۔ آئی کی سالانہ رپورٹ میں عالمی کتابی پیداوار کے دوران سال جو اعداد و شمار ہوئے ہیں، ان کے مطابق 1976ء میں پانچ لاکھ اکسٹھ ہزار نئے ٹائٹل وجود میں آئے جو تقریباً آٹھ ہزار ملین یا آٹھ ارب جلدوں پر مشتمل تھے۔ بیس سال قبل 1956ء میں پیداوار

کتب کے عالمی اعداد و شمار سے مقابلہ کرتے ہوئے دریافت ہوتا ہے کہ نئے ٹائیٹل کی افزائش میں دوگنا اور کتابوں کی تعداد کی پیداوار میں تین گنا اضافہ ہوگیا ہے۔

ایک چیلنج

اس کے باوجود دنیا کے مختلف حصّوں سے پچھلے دس برس سے کتابوں کا قحط اور کتاب کی بھوک کی صدائیں سننے میں آرہی ہیں ——— اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عرصے میں نہ صرف کتابیں پڑھنے والوں کی تعداد دُگنی ہوگئی ہے ——— بلکہ فی کس کتابوں کا مطالبہ اسی نسبت سے بڑھا ہے اور مضامین میں تنوع کا شخصی مذاق کثرت مطالعہ کا رجحان نئے علوم کی دریافتیں اور ان کے بارے میں جانکاری کی عمومی خواہش ان سب میں تیز رفتار ترقی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ کتابوں کے قحط کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ کتابوں کی مجموعی پیداوار کا فائدہ دنیا کے ہر حصّے کے شائقین کتب اور طالبین کو یکساں طور پر نہیں پہنچتا۔ کل پیداوار کا تین چوتھائی حصّہ یورپ، شمالی امریکہ اور روس کے استعمال میں آجاتا ہے یعنی تیس ممالک جن کی مجموعی آبادی دنیا کی آبادی کی صرف تیس فی صدی ہے پوری کتابی پیداوار کا اسّی فی صدی حصہ ہضم کر جاتے ہیں۔ اس پر بھی ان کی اشتہائے کتب بھڑکتی رہتی ہے اور فرداً فرداً انواع و اقسام کی کتابوں کے مطالبے اپنی لائبریریوں اور کلبوں سے کرتے رہتے ہیں۔

ایک زمانے میں محنت و ریاضت سے جب ایک مصنّف کتاب لکھ کر تیار کرتا تھا تو اس کی چھپائی اور نشر و اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ صرف چند ہستیوں تک اس کی معلومات مقید رہتی تھیں۔ باقی لوگ ان سے لاعلم اور محروم رہتے تھے۔ پھر چھاپنے والے پیدا ہوئے کتابیں چھپنے میں سہولتیں پیدا ہوئیں اور غیر مطبوعہ تصانیف ڈھونڈ کر چھاپی گئیں تو پبلشر کتابیں پڑھنے والوں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ پڑھنے والے کم تھے یا ان میں کتاب خریدنے کی طاقت نہ تھی۔ پبلشروں نے کتابیں پڑھنے والوں کے کلب اور لائبریریاں قائم کرائیں اور ان کو کتاب پڑھنے کا شوق بھی طرح طرح کی تدبیروں سے پیدا کرایا اب صورت حال یہ ہے کہ کتابوں کی چھپائی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے مگر کتابوں کی طباعت پڑھنے کی رفتار سے اب بہت پیچھے ہے۔ جن لوگوں کو ترغیب دے کر کتاب

پڑھنے والوں کے کلب اور لائبریریوں کا ممبر بنایا گیا تھا اور ان کے شوق کی کتابیں فراہم کرنے کی ذمہ داری لی گئی تھی وہ کتابوں کے لیے زیادہ قیمت دینے کو تیار ہیں لیکن کتابیں ان کی خواہش کے مطابق نہیں مہیا ہو رہی ہیں۔ یہ کتابیں چھاپنے اور نشر و اشاعت کرنے والو کے پیشے کے لیے ایک سخت چیلنج ہے۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے

اس چیلنج کو پورا کرنے کی دو کٹھن منزلیں ہیں۔ ایک تو اتنی کثیر تعداد میں کتابو کی پیداوار کے اسباب فراہم کرنا۔ سب سے پہلے کاغذ کی پوری مقدار مہیا کرنے کی تدبیر۔ پھر ہر قسم کے مواد و موضوع پر حسب منشا لاکھوں کتابیں ہر سال لکھنے کے لیے مصنف تلاش کرنا اور ان سے کتابیں تصنیف کرانا یہ دشوار کام ہے۔ اس دشواری کو دور کرنے کے لیے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ ترجمہ کرنا از سر نو تصنیف کرنے سے زیادہ آسان اور زود تر ذریعہ ایک موضوع پر کتاب پیدا کرنے کا ہے۔ اور ہر شے کے متعلق علم کی تکمیل کا ایک معقول وسیلہ بھی ہے۔ مختلف قوموں، ملکوں کے عالم مل کر جس قدر علم و دانش کو احاطہ کر سکتے ہیں اس قدر کسی ایک قوم اور زبان میں محیط نہیں ہو سکتا۔ لہذا موجودہ زمانے میں خصوصاً حالیہ دس برسوں میں ایک زبان کی کتابوں کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا کام جتنے بڑے پیمانے پر ہوا ہے۔ کتاب کی پوری تاریخ میں اتنی زیادہ کتابوں کے ترجمے کا کام کبھی نہیں ہوا تھا۔ حالاں کہ دنیا کی تمام مہذب اور ترقی پذیر قومیں عہد قدیم سے ایک زبان سے دوسری زبان میں علوم و حکمت اور ادب و انشا کو ڈھالنے اور منتقل کرنے میں سرگرمی سے مصروف رہی ہیں۔ موجودہ زمانے میں نہ صرف ترجمے کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہوا بلکہ دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان میں کتاب کی تصنیف کا کام بھی کم نہیں ہوا۔ اس وقت دنیا میں ہر سال اوسطاً پانچ لاکھ نئی کتابیں مجموعی طور پر تصنیف ہو رہی ہیں جن کا آٹھ فی صد ترجمہ کیا جاتا ہے۔ یونسکو کے اعداد شمار کے مطابق 1968ء میں عالمی اشاعت کتب میں چھتیس ہزار آٹھ سو آٹھ کتابیں ترجمہ کی ہوئی تھیں۔ مختلف ممالک میں ترجمے کے کام کی سرگرمیاں حسب ذیل ہیں۔

سوویت روس	3607	جاپان	2145
جرمن ڈیموکریٹک ریپبلک	3027	فرانس	2035
اسپین	2538	نیدرلینڈ	1942
ریاستہائے متحدہ امریکہ	2182	اطالیہ	1688

روزافزوں ترقی کرتی ہوئی تعداد مطبوعات کے لیے جگہ کا مسئلہ

الغرض کتابیں طباعت و اشاعت کرنے والوں نے ملکوں ملکوں میں اور ہر ہر زبان میں جیسے کیسے تمام قسم کے مواد و موضوع پر کتابیں وجود میں لاکر کتابوں کے بھوکے انسانوں کو اطلاع دے دی کہ گھبرائیے نہیں سب کے لیے کتابیں ہیں ——————

یونسکو نے اس طرح چیلنج کا ایک حصے کو پورا کر لیا کہ کتابیں موجود ہیں۔ مگر قاری کو جس کتاب کی ضرورت ہے وہ اسے ملے کسی طرح۔ ساڑھے پانچ لاکھ سے زائد نئی کتابیں تو ایک ہی سال میں پیدا ہوئیں۔ پرانے ایڈیشن بھی نکلے ہوں گے اور کتب خانوں میں زمانۂ دراز سے کتابیں اکٹھا ہوتی رہی ہیں۔ بڑی بڑی لائبریریوں میں کتابوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہوگی۔ اس ذخیرے میں جو لاکھوں کتابوں کا اضافہ ہو رہا ہے انھیں رکھا کہاں جائے اور اس قدر کثیر تعداد میں متنوع موضوعات پر ایک مربوط کیٹلاگ کیونکر تیار کیا جائے جو ذخیرے میں موجود کسی بھی کتاب کی فوراً نشان دہی کر سکے۔ اس کے مواد کی اطلاع بہم پہنچا سکے۔ یہ دوسری نہایت کٹھن منزل کتابی دنیا کا نظم ونسق سنبھالنے والوں کے سامنے ہے۔ انھیں آج نہ صرف تمام مطبوعہ کتابیں، بلکہ تمام اخبارات جرائد و رسائل قلمی کتابیں۔ کتبے۔ لوحیں۔ مکتوبات و ملفوظات کا سارا اثاثہ جا بجا محفوظ کرنا ہے اور مطالعہ کرنے والوں کو ذخیرے میں سے نکال کر فوراً عند الطلب فراہم کرنا ہے۔

یہ ایک سخت چیلنج ہے۔ سائنس اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ اس نے ارباب کتب خانہ کو بالآخر اسی سے مدد مانگنا پڑی۔ اور اس سے جو کچھ بھی بن پڑی اس نے مدد کی۔ نادر و نایاب کتابوں کا جو نسخہ بھی دنیا کی کسی لائبریری یا میوزیم میں موجود ہے وہ نسخہ ہو بہو اصلی شکل میں ہمارے ہر شہر ہر قصبے کی لائبریری میں سائنس کی طاقت اور ٹکنولاجی اسے لے جا سکتی ہے۔ تمام کتبے، پتھر کی بڑی بڑی سلوں پر کھدی ہوئی تحریریں

لکڑی اور مٹی کے اوراق کی کتابیں۔ تمام برآمد شدہ پیپرس اسکرول، بھوج پتر — تامر پتر، جھلے، موم اور ہاتھی دانت کی تمام لوحیں۔ جس قدر آج تک چھپ کر اخبارات اور رسالے کہیں بھی موجود ہیں، تمام قلمی اور انکیونابلا کتابیں کسی ملک کے میوزیم یا لائبریری میں ہوں قومی ملکیت ہوں یا نجی سب ہر جگہ کے انسان کو مطالعہ کے لیے مہیا کی جا سکتی ہیں۔ جس کی ملکیت ہیں اسے کوئی اعتراض اس لیے نہ ہونا چاہیے کہ وہ سب اس کے پاس بدستور محفوظ رہیں گی اور فائدہ یہ ہوگا کہ جو چیزیں اس کے پاس نہیں ہیں وہ بھی اسے حاصل ہو جائیں گی۔ اور یہ تمام ذخیرہ سائنسی طاقت بہت سستے داموں پر ہم کو دلا سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام کتابوں اور کتبوں کا ذخیرہ جو آج بے شمار کتب خانوں کی بہت بڑی بڑی عمارتوں میں ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں بکھرا ہوا ہے، سائنسی طاقت ان سب کو سمیٹ کر ایک مختصر جگہ پر محفوظ کر دیتی ہے۔ اور آج کتابوں کے لیے جگہ کا جو سب سے بڑا مسئلہ ہے اسے بڑی آسانی سے حل کر دیتی ہے۔

علم تنظیم کتب یا لائبریرین شپ

جب ہم کسی خاص موضوع پر ایک نئی تصنیف کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کمربستہ ہوتے ہیں اس وقت جن معلومات کے ذریعہ ذہنی سفر کرتے ہوئے موضوع کی منزلِ مقصود تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں وہ معلومات جزئی طور پر بہت سی کتابوں میں دور تک بکھری ہوئی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ایک نسخہ علم و دانش کے مختلف اجزا کسی طول طویل گھنے جنگل کی نباتات میں تلاش کر کے نسخے کو مکمل طور پر ترتیب دینا ہے اگر ایک جزو بھی نہ مل سکا تو نسخہ نامکمل اور ناقص رہے گا۔ ہر عہد اور مقام کے مصنفوں اور محققوں کو اس تلاش جستجو سے واسطہ پڑا ہے اور ایک علمی تحقیق کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے شہروں شہروں ملکوں ملکوں سفر کرنا پڑا ہے۔ ہر جگہ کے کتب خانوں میں کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑی ہے۔ محققوں کی اس سعیِ طلب کے پیش نظر آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے علما اور حکما نے کتابیں ایک مخصوص نظم ترتیب سے کسی مقام پر جمع کرنے کا ایک فن ایجاد کیا تھا جسے آج کی اصطلاح میں لائبریرین شپ

یا علم تنظیم الکتب کہتے ہیں جو عہد بہ عہد ترقی کرتا ہوا اب ایک سائنس اور نہایت پیچیدہ ٹیکنالوجی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

اس سائنس نے مندرجہ ذیل نقطۂ نظر سے کتابوں کی تنظیم کے اصول و قوانین مرتب کیے :-

1 - کتابوں کو ذخیرہ کرنے (Storing) کا ایک مخصوص طریقہ جس سے (ا) کتابوں کا تحفظ ہو۔ کتابوں کو نقصان پہنچانے والے تمام ذرائع کی پیش بندی ان کا پیشگی تدارک (ب) کتابیں اس انداز سے ذخیرہ کی جائیں کہ ہر ایک کتاب اس کے طالب کی دسترس میں بآسانی ہو۔ (ج) کتاب کو اس کی جگہ سے اٹھانے اور پھر واپس رکھنے میں دقت اور طوالت نہ ہو۔ (د) کتابوں کی آراستگی پڑھنے والوں کے ذہن پر خوشگوار اثر ڈالتی ہو۔

2 - کتابوں کی زمرہ بندی اور موضوع اور ان کی ترتیب اور سلسلہ بندی اس طریقے سے کی جائے کہ کتاب کو اپنے مقام پر آسانی سے تلاش کر لیا جائے۔

3 - کتابوں کا پتہ بتانے اور ان کی نشان دہی کے کچھ تکنیکی طریقے اختیار کیے گئے۔ جیسے انگرل ہینڈل کارڈ طریقہ۔

4 - کتاب کے مواد سے تعارف کرانے کے لیے کیٹلاگ کی ترتیب و تشکیل میں خاص دماغی کاوش کی گئی۔

چھٹا باب
مائکروفارم کتابیں

کتاب سے مہذب انسان کا قدیم رشتہ آج بھی اسی قدر قریبی اور مستحکم ہے جتنا ہزاروں سال پہلے تھا۔ فرق صرف یہ واقع ہوا ہے کہ پہلے ذہن وفکر کا رشتہ کتاب کے ساتھ انسانی جذبۂ خلوص واحترام نے پائدار واستوار کیا تھا اور آج سائنس نے اسے مستحکم اور برقرار کیا ہے۔ پہلے تہذیب کے لطیف و نازک احساسات کی آغوش میں کتاب پرورش پارہی تھی۔ اب تجارت کے چابکدست مطلب پرست ہاتھوں کتاب پروان چڑھ رہی ہے۔ کچھ بھی ہو کتاب سے انسان کے ذہن وفکر کو نشوونما کے لیے غذا پہلے بھی ملتی تھی اور آج بھی ملتی ہے۔ پہلے محنت وحوصلہ مندی وہ غذا پیدا کرتی تھی اخلوص وہمدردی اسے پکاتی تھی۔ آج تجارت اسے پیدا کرتی ہے، سائنس اسے پکاتی ہے۔ جدید سائنس کے میکانکی نظام نے مکمل طور پر انسان کی زندگی کو اس کے ہاتھوں سے اپنی مضبوط گرفت میں سنبھال لیا ہے۔

کتابوں کے سائز کو مختصر کرنا

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے، آج سب سے بڑا دشوار مسئلہ کتابوں کو اسٹور کرنے کا ہے۔ اس کے لیے سائز کو مختصر کرنے کا عمل اختیار کیا گیا۔ کسی ضخیم کتاب کے بہت بڑے حجم کو ایک بہت ہی مختصر شکل میں ڈھال دینا کہ اس کا پورا متن حرف بہ حرف محفوظ رہے یعنی کتاب کے ہر صفحے کا ننھا سا باریک مرقع تیار کر لینا۔ آج تک جس قدر عالمی کتابوں کا ذخیرہ اکٹھا ہو چکا ہے اور جس رفتار سے اس میں ہر روز اضافہ ہوتا جارہا ہے، اس کے پیش نظر اس تکنیک کی سخت ضرورت

لاحق ہے۔ مائکروفارم حسب ذیل طرح کے ہوتے ہیں:۔

(1) شفاف (Transparent) - نیم شفاف فلم Transparent Opaque) یہ فلم رول 16 — 35 یا 70 ملی میٹر چوڑائی اور کئی فٹ لمبائی کا ہوتا ہے)

(2) غیر شفاف فلم) یہ بھی مندرجہ بالا سائز میں ہوتا ہے۔

(3) پیپر (4) کارڈ اسٹاک (5) میگنیٹک وائڈ وٹیپ۔

مذکورہ بالا طریقوں کے علاوہ کتاب کو مختصر شکل میں ڈھالنے کے دو ذریعہ اور ہیں۔

(1) پانچ سے آٹھ انچ تک لمبائی کا فلم کا ٹکڑا جس کو یونٹ کارڈ کہتے ہیں۔ اس پر کسی کتاب کے صرف چند تصویری عکس ریکارڈ ہو سکتے ہیں۔

(2) جیکب مائکروفش یہ یونٹ مائکروفش کے سائز کی ہوتی ہے۔

یہ اصول کہ مختصر ترین سائز میں کسی کتاب کی دستاویزی تصویریں بنا کر رکھ لی جائیں، سب سے پہلے 1839ء میں فوٹو کی ایجاد ہونے کے بعد مانچسٹر کے ایک انگریز مسٹر بنجمن ڈانسر کے ایک کارنامے سے وجود میں آیا۔ جب اس نے خوردبین اور کیمرے کی متحدہ کارکردگی کی تکنیک سے کچھ دستاویزات کے خوردبینی فوٹو لیے۔ جن کو بڑھا کر پورے اصل سائز میں انسانی نگاہ سے مطالعہ کرنے کے لیے دوبارہ پیدا کی گئی۔

کتابوں کی مشینی ترتیب زمرہ بندی

دوسرا اصول ایک فائل کے پورے ریکارڈ کے لیے مشینی عمل اختیار کرنے کا مسٹر ہرمین ہال رتھ اور کچھ دیگر اشخاص نے 1890ء کے آس پاس پنچڈ سکشن کارڈ کی تکنیک سے وضع کیا۔ حالیہ برسوں میں یہ دونوں تکنیک خوردبینی فوٹو گرافی کی تکنیک سے جوڑ دی گئی ہیں۔ اور ایک مائکروفلم اپرچر کارڈ دونوں کام انجام دیتا ہے۔ کتب خانے سے متعلق سارے کام کی بنیاد مذکورہ بالا دو نوعیت کے انتظامی امور پر قائم ہے۔ (1) کتابیں رکھنے کا انتظام (2) ذخیرہ کی ہوئی کتابوں

میں سے مطلوبہ کتاب کا پتہ چلا کر بہم پہنچانے کا کام۔ ان دونوں انتظامات کا سلسلہ زمانۂ دراز کے انسان کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے۔ دراصل انتہائی قدیم تہذیبی دور میں

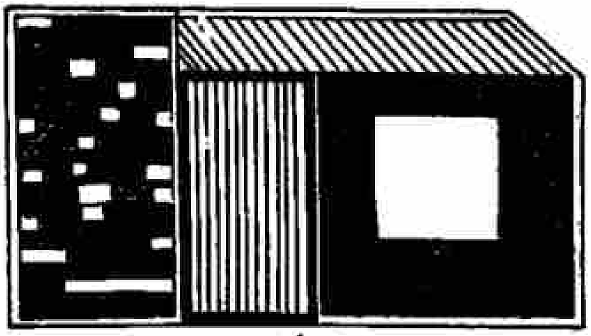

فلوریکس

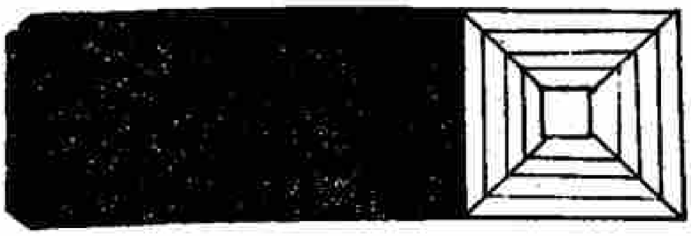

مقناطیسی نشان دہی

جب کتابوں کے ڈھیر لگنا شروع ہوئے تھے اسی وقت سے مطلوبہ کتاب کو ڈھونڈ کر جلد پا لینے کی خواہش نے دماغی صلاحیت کے مطابق کتاب کی نشان دہی کر کے پتہ بتانے کا جو فن ایجاد کیا تھا وہی آج تک ترقی کرتا جا رہا ہے اور اب آٹھ اور بسالانہ کتابوں کی پیداوار کے ڈھیر میں سے اپنی مطلوبہ کتاب حاصل کرنے میں

اس فن سے زبردست تکنیکی اور میکانکی ترقی کرلی ہے۔

کتابوں کا مشورہ دینے اور ان کے مواد کی نمائش کرنے والی مشین

نیڈل سیکشن کارڈ، ایک کے اندر دھات کی پتلی چمکدار سلاخ میں پروئے ہوئے حرکت پذیر کارڈ کی گڈی۔ ہر کارڈ پر پڑا کوڈ لفظ اور سلسلہ نمبر، وہ اشارتی حرف (کوڈ لفظ) اور سلسلہ نمبر ایک کتاب کی پشتی بان پر پڑا ہوا ہر اس شخص کے بخوبی علم و واقفیت میں ہے جو عام طور پر لائبریریوں میں کتابیں پڑھنے جاتا ہے۔ لیکن شکل نمبر 4 اور شکل نمبر 5 سے یہاں بہت کم لوگ ابھی واقف ہیں کیونکہ ان کا رواج ہمارے ملک کے کتب خانوں میں ابھی

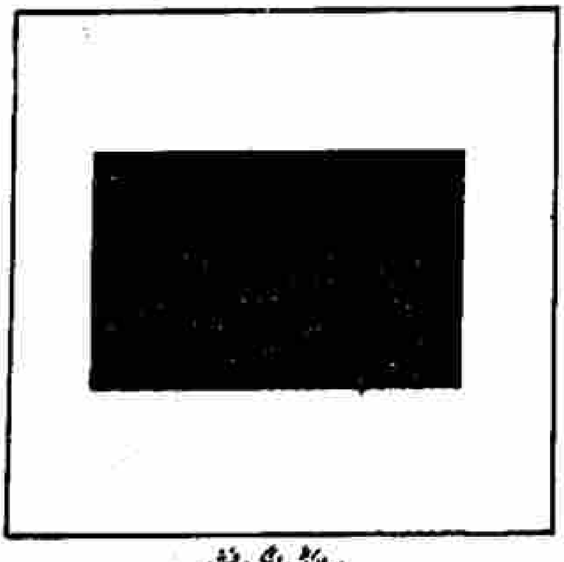

سلائیڈ مائکروفش

عام طور پر نہیں ہوا ہے۔ کتابوں کی نشان دہی کا وہی قدیم طریقہ جو پچھلے صفحہ پر بیان کیا گیا ہے اور مذکورہ بالا مروج طریقہ اب جدید ترین میکانکی طریق کار کی تین صورتوں میں رونما ہوا ہے۔ (1) فلمورکس (2) منی کارڈ (3) ریپڈ سلکٹر۔ فلمورکس دو مخلوط کام انجام دیتا ہے۔ کتاب کی نشان دہی بھی کرتا ہے اور اس کی شکل نگاہ کے سامنے لاکر شناخت بھی کراتا ہے۔ جب کہ ریپڈ سلکٹر مقناطیسی کوڈنگ کے ذریعہ تیزی سے کتاب منتخب

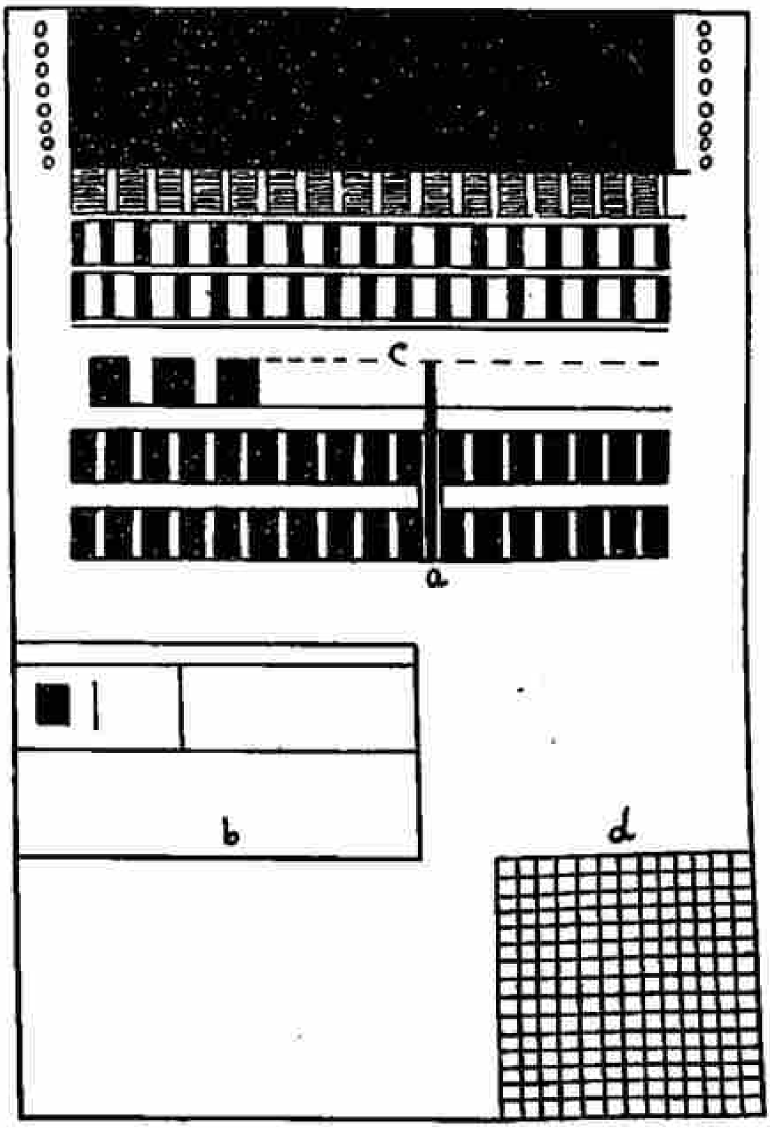

(a) Unit Micro Fiche Recordas: (b)International Documentation. (c) The Mas Register (d) Micncond

ع ماوزة Library and Automation

کرنے اور اس کی نشان دہی کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مبنی کارڈ کا طریق کار بھی مجموعی مقاصد برآری کی مشین سے منسلک ہے۔ نمبر چار سلائیڈ مائکروفش مطلوبہ کتاب کے متعلق مجوزہ سوالات کے جواب دیتا ہے اور ہم کو کتاب کے انتخاب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ساری تکنیک ایک خودکار ترقی نظام سے وابستہ ہے جسے کمپیوٹر کہتے ہیں۔

کمپیوٹر اور اس کی تمام تر کارکردگی

بٹن دباتے ہی ہر مشین اپنا کام انجام دینے لگتی ہے۔ نقشہ نمبر 7 سے شکل نمبر 8 کی مجموعی مقاصد برآری میں کارکردگی کی تفصیلی طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ نمبر 7 کے نقشے پر جا بجا بٹن بنے ہیں جن کو دبانے سے لائبریری کے سب بنیادی مقاصد پورے کرنے کا کام انجام پاتا ہے۔ مثلاً کل کتنی کتابیں اس لائبریری میں ہیں۔ کن موضوعات پر کتابیں ہیں، کن مصنفین کی کتابیں ہیں۔ کب تصنیف ہوئیں اور لائبریری کے کس حصے میں رکھی ہیں ان کے صحیح مقام و محل کی نشان دہی تو کرتی ہی ہے۔ سب سے عجیب اس کا یہ کارنامہ ہے کہ دستاویزی کتب کے تمام بین الاقوامی ذخیروں کا پتہ بتاتی ہے۔ ہر کتاب کے کچھ خاص خاص حصوں کو اسکرین پر متواتر تصویری گردش میں لاکر ان کتابوں کے متلاشی سے تعارف کراتی ہے۔ جگہ جگہ سے مواد کے متن کو اندراج کرکے دکھاتی ہے۔ قاری کے ذہن سے مخفی ایک کتاب کے متعلق جو اسے حقیقتاً مطلوب ہے۔ علم و واقفیت بہم پہنچاتی ہے۔ ایک موضوع پر بہت سی کتابوں میں سے جو کتاب صحیح طور پر اسے درکار ہے۔ اس کے متعلق مختلف تجویزیں پیش کرتی ہے۔ اور اس کو انتخاب کرنے کا موقعہ فراہم کرتی ہے۔ یہ مشین کتابوں کے بہت بڑے ذخیرے کو سمیٹ کر چھوٹی چھوٹی تصویروں میں جو باریک لفظوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ صفحہ وار مکمل طور پر ایک مختصر سی جگہ میں جمع کیے ہوئے ہے۔ شکل نمبر 9 میں ایک یونٹ مائکروفش ہے جس کے دو مقصد ہیں ایک تو کثیر سے کثیر تعداد میں کتابوں کو اپنے اندر محفوظ کرلینا۔ دوسرے اس میں محفوظ کسی بھی کتاب کی تلاش میں مدد کرنا۔ اس میں کس قدر کتابیں محفوظ ہیں ان کے اعداد و شمار بتانا۔

کتابوں کے مختصر شکل میں ڈھالے ہوئے گرافک ذخیرے اور ریکارڈ کا عملی

Commutor Function کمپوٹر اور اس کی کارکردگی

NAME نام
DEVELOPER /MANUFACTURER مشین ساز/مرتب
قابلیت کارکردگی
STATUS: □ OPERATIONAL کارکن
TYPE نوعیت
SIZE سائز
PURPOSE غایت
TIME FUNCTION بمنزلہ وقت کارگزاری :
INTEGRATION FUNCTION رابطہ کارگزاری :
INPUT SIZE گنجائش :-
STORAGE MEDIA ذخیرے کی نوعیت

STORAGE CODING ذخیرے کی نشاندہی :-
STORAGE UNITCAPACITY ذخیرے کی گنجائش تعداد میں :-

SELECTION مواد کا انتخاب

AVERAGE ACCESS TIME اوسط مرفوع وقت :-
OUT PUT نوعیت کارگزاری :-
PRINT OUT TIME وقت طول
SYSTEM FLEXIBILITY رفتار کے گھٹاؤ بڑھاؤ کا انتظام

□ COMMERCIAL .... تجارتی
□ NON-COMMERCIAL .. غیر تجارتی
□ SEARCH تلاش
□ SMALL چھوٹا
□ GENERAL عمومی
□ IMMEDIATE RESPONSE فوری اطلاع یابی
□ OFF LINE سلسلہ منقطع
□ TRANSPARENCY شفاف مجموعہ /TRANSLUCRENCY نیم شفاف
□ Micro Fiche مائیکرو فلم
□ ROLL ملفوف
□ STRIP پٹی
□ SCROLL استوانہ
□ MICRO FISHE مائیکروفش
□ UNITS مکمل تکنیک
□ CHIP ٹکڑے
□ JACKET جیکٹ
□ SLIDE عکس نقش کارڈ
□ APERTURE کارڈ
□ AUTOMATIC خودکار
□ MAGZINE مجموعہ
□ DISPLAY نمائش

□ YES ہاں □ NO نہیں
□ UPDATE/CHANGE

□ DEVELOPMENTAL نمائش کنندہ □ PROPOSAL تجویز کنندہ

□ ADDRESS نشاندہی

□ MEDIUM اوسط □ LARGE بڑا

□ SPECIAL خصوصی

□ DELAYED RESPONCE تاخیر سے جواب

□ SHUNT معطل □ ON LINE سلسلہ جاری

□ OPA UE غیر شفاف □ ELECTRONIC برقی

□ STORAGE DENSITY ذخیرہ وزن میں

□ SEMI AUTOMETIC نیم خودکار □ MANUAL انسانی طاقت سے چلنے والا

□ MAGZIN3 مجموعہ

□ COPY نقل نویسی

□ YES ہاں □ NO نہیں

□ ADD / PURGE

(Sample Data FOR GRAPHIC STORAGE SYSTEM DESCRIPTION)

گرافک ذخیرہ کتب کے مکانکی نظام کا تشریحی نمونہ

LIBRARY & AUTOMATION سے ماخوذ

استعمال 1934ء میں امریکہ کے محکمۂ زراعت کی لائبریری میں پہلی بار ہوا۔ اس لائبریری کا نام نیشنل ایگری کلچرل لائبریری ہے۔ اس سلسلے میں اسی سال اس کتب خانے میں ببلو فلم سروس کی افتتاحی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اسی کے بعد سے دنیا کے مختلف حصّوں میں اس بات پر بہت زیادہ دماغی کاوش کی جانے لگی کہ اس آلے کو وسعت دے کر مائکرو فارم ذخیرۂ کتب اور متواتر تصویری گردش دے کر مطلوبہ کتاب کی شناخت کرانے والی مشین کو باہم جوڑنے کا طریقہ دریافت

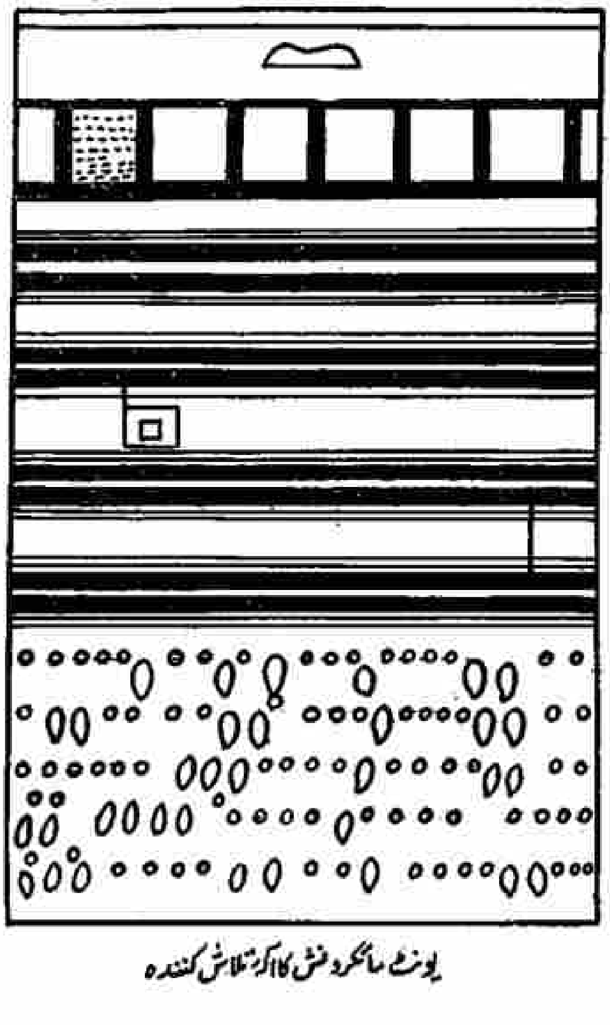

یونٹ مائکرو فش کا اگزتلاش کنندہ

کیاجائے جس میں مربوط زمرہ بندی کا آدبھی استعمال کرکے نشان دہی کا مقصد حاصل کیاجائے چنانچہ 1931ء میں گولڈ برگ جرمنی میں اس طرف کے کچھ نمونے پیٹنٹ بھی کرائے گئے تھے۔ 1939ء میں برائش لاڈفرج اور اسٹوارٹ کے ذریعہ کچھ کام شروع کیا گیا اور اسی لائن پر 1940ء تک چلتا رہا جس سے اس مخلوط تکنیک کے وجود میں آجانے کے قریبی امکانات پیدا ہوگئے۔ 1930ء ہی سے امریکہ میں کچھ انجینیر جیسے کہ انتھرٹن سیڈل، ڈاٹسن ڈیوس اور ورپن وارش نے اس مخلوط تکنیک پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ خاص طور سے وہ ایسے مشینی نظام پر دماغ لڑا رہے تھے جو کتب خانوں کے امور میں مجموعی کارکردگی انجام دے سکے۔ 1940ء میں بسر پروڈوٹائپ مائکروفلم ریپڈ سلکٹر یعنی مائکروفلم میں مطلوبہ دستاویز کی طرف تیزی سے نشان دہی کرنے کا آلہ ایجاد کرلیا۔ اور اسی لائن پر کام کرنے والوں نے بالآخر موجودہ مجموعی مشینی نظام دریافت کیا جو آج دنیا کے چند بڑے کتب خانوں میں مستعمل ہے۔

کتاب کا مستقبل اس پر فلم اسکوپ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا اثر

یہ کتاب جو ہمارے علم میں اپنی مختلف شکلیں بدلتی ہوئی تقریباً سات ہزار سال کی عمر گذار کر اس مقام تک پہنچی ہے۔ کیا آگے بھی زندہ رہے گی؟ اس سوال کا جواب انسان کے طلب علم اور زندگی کے تقاضے پر منحصر ہے۔ انسان میں ابھی علم کی طلب باقی ہے اور زندگی کا تقاضا بھی موجود ہے۔ اس لیے کتاب کا وجود ختم ہوجانے کا سوال ابھی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کتاب اپنی موجودہ شکل میں کب تک باقی رہے گی۔ چونکہ کم پڑھے اور ناخواندہ لوگوں کے لیے پڑھنا سیکھنے اور ابتدائی مطالعہ کرنے کے لیے انسان اس سے کم خرچ اور سہل الحصول کوئی دوسرا طریقہ اب تک دریافت نہیں کرسکا ہے جیسی کہ کتاب کی موجودہ شکل ہے۔ اور زمین پر آج خواندہ ناخواندہ انسان کا تناسب تقریباً تین اور دو کی نسبت سے ہے اس لیے کم از کم سو سال تک کتاب کی موجودہ شکل بدلنے کا امکان نہیں ہے کیونکہ ناخواندہ لوگوں کو پڑھنا سیکھنے کے بعد کافی مدت اس ذہنی سطح پر پہنچنے کے لیے درکار ہے جب باریک اشارات اور تیزی کے ساتھ نگاہ کے سامنے سے گذرتی ہوئی پرچھائیاں یا مخصوص صوتی

لہروں کی رفتار سے انسان کا ذہن پیچیدہ علمی مسائل کو اپنی گرفت میں لے سکے گا اور باریک نکات تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ یہ ایک طویل بحث طلب موضوع ہے۔

ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمی نمائش ابھی تمام انسانوں کے لیے کتابی ضرورت پوری کرنے پر قادر نہیں ہیں، اور نہ اب تک کوئی ایسا اسکول قائم ہو سکا ہے جہاں مکمل تعلیم ان ذرائع سے دی جا سکتی ہو۔ جب تک عام طور پر انسانی ذہن و ادراک ایک منزل آگے تک ترقی نہ کرے کہ جہاں انسان کا دماغ موجودہ رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے سوچنے اور خیالات کو ذہن نشین کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کرے یا ایسے حالات نہ پیدا ہو جائیں جن کے تحت کتاب کی شکل میں تغیر لازمی ہو جاتا رہا ہے۔ تب تک کتاب کی شکل بدلنے کا سوال نہیں ہے۔ کتاب کی تاریخ کے مطالعہ سے ہم کو اندازہ ہے کہ کتاب نے اپنی شکل بدلتے بدلتے بھی صدیوں کا زمانہ لیا ہے۔ ان سب باتوں سے بالاتر حقیقت یہ ہے کہ تاجروں نے موجودہ شکل کی کتابیں تیار کرنے میں گذشتہ پچاس برس میں اتنا کثیر سرمایہ بڑی بڑی کاغذ کی ملوں اور برقی چھاپے خانوں وغیرہ میں لگا دیا ہے کہ جس کی بازیافت کے بغیر کتاب کو موجودہ شکل میں قائم رکھنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔ اس کے ہاتھ میں پبلسٹی کی بے پناہ طاقت ہے اور آج انسان کی ہر ایک تجویز یا کسی معاملے میں رائے دینے کی صلاحیت پبلسٹی کے پنجے میں گرفتار ہے۔ لہٰذا کتاب کی موجودہ شکل میں کوئی تغیر واقع ہونا کتب نویسوں اور کتب بینوں سے زیادہ کتب فروشوں کی مرضی پر منحصر ہے اور ان کی مرضی بیش از بیش منافع کی نگاہ رکھتی ہے۔

کتاب کی کچھ اور موجودہ شکلیں

اس عہد میں کتاب اپنی ایک عام مروّجہ شکل کے علاوہ چار دیگر صورتوں میں بھی کبھی کبھی ہم کو نظر آتی ہے۔ اگرچہ ان شکلوں میں محدود طور پر مستعمل ہے۔ یہ شکلیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کسی موضوع کے تمام مواد کو صرف تصاویر کی شکل میں پیش کرنا

اس قسم کی کتابوں میں کوئی متن کی عبارت نہیں ہوتی بلکہ پورا موضوع

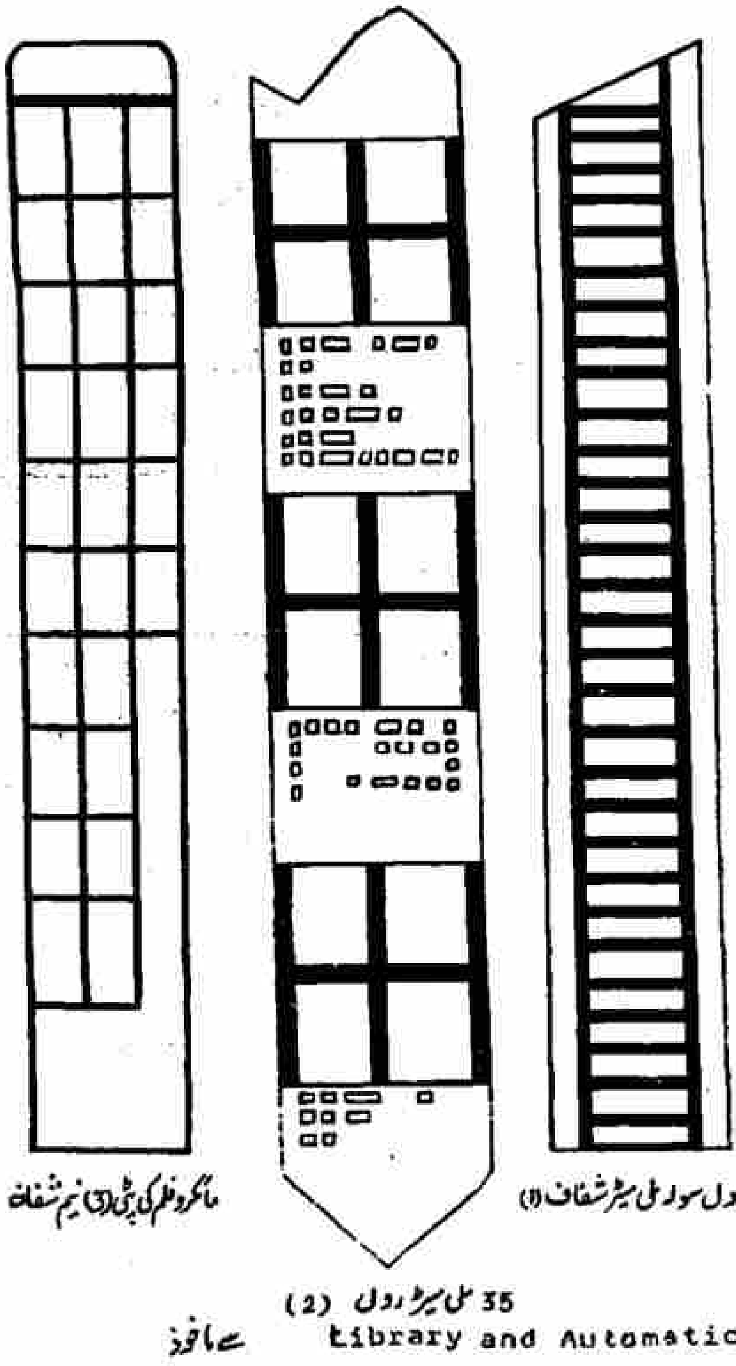

35 ملی میٹر رول (2)

Library and Automation سے ماخوذ

تصاویر بنا کر خواہ کتاب کی صورت میں قاری کو دیا جائے یا فلم کی صورت میں دکھایا جائے۔ گونگے بہروں کے لیے یہ طریقہ خاص طور پر مستعمل ہے اور بچوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن ان کے لیے بمبر دو کی تکنیک بھی تصاویری کتابوں یا فلموں سے جوڑ دی جاتی ہے۔

2- بولتی کتابیں Speaking Books ان کتابوں میں سارا مواد و موضوع ریکارڈ کیا ہوتا ہے جو کانوں کے ذریعہ ذہن تک ترسیل ہوتا ہے۔ یہ کتابیں بیشتر بینائی سے معذور لوگوں کے استعمال میں آتی ہیں۔ ان کے لیے بمبر تین کی تکنیک بھی استعمال کی جاتی ہے۔

3- لمس کے ذریعہ پڑھی جانے والی کتابیں۔ ان میں حروف ابھرے ہوئے ہوتے ہیں اور انھیں انگلیوں سے چھو کر نابینا پڑھتے ہیں۔

4- Epigraphy مواد و موضوع کو سمیٹ کر ایک چھوٹے سے مرقع یا ایک مختصر فقرے میں ادا کر دینا۔ یہ طریقہ اکثر کسی عمارت، کتاب یا کسی فنی پارے کی وضاحت میں مستعمل ہوتا ہے جس سے اس شے کی معنویت اور مقصدیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

کتاب کے متعلق کچھ نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز معلومات

آخر میں اس کتاب کے قارئین کی ضیافت طبع کے لیے کتاب کے متعلق بعض ایسی معلومات تلاش کر کے پیش کر رہے ہیں جو کتاب کی عجیب و غریب ہستی میں کچھ اور عجبیت اور ندرت پیدا کرتی ہیں۔

1- قدامت کے لحاظ سے دنیا کا سب سے کہنہ مشق حرف 'o' اور جو تقریباً آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے ایک مرتبہ بن گیا تھا ویسا ہی آج تک چلا آ رہا ہے۔ اس کے بقیہ ستائیس ہمراہیوں کی صورتیں وقت کے اس طویل سفر اور لکھنے والوں کی رفتارِ قلم نے ایسی بدل دیں کہ انھیں پہچاننا دشوار ہے۔

2- جسامت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے بڑے وہ آٹھ حروف ہیں جو لفظ Readymix کی تشکیل میں بمقام نیو لاہر متصل مشرقی بالاڈو نیا برِاعظم آسٹریلیا

میں ایک دوسرے کے واحد حریف ہیں۔ ان حروف کے قد و قامت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ چھ سو فٹ یا ایک سو تراسی میٹر میں دودش بدوش تحریر ہیں۔ جب ہر تختہ کاغذ اور لوح ان کے ڈیل ڈول سے تنگ آ گئے تو یہ خدا کی بنائی وسیع زمین پر بے تکلف نقش ہو گئے۔

3۔ ان لمبے چوڑے حروف کے ظہور میں آنے سے بہت پہلے 380 تا 448 ق۔م میں یونان کے ایک مزاحیہ ڈرامہ نگار 'اسٹوفے نیز' کی زبان سے دوران مکالمہ ایک لفظ وجود میں آیا تھا جو یونانی صوتی علامتوں کے 170 حروف میں تحریر ہوا تھا۔ انگریزی میں منتقل ہو کر 182 رومن حروف کو اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ اسے پڑھ کر زبان کا لطف اٹھائیے۔

Lopadolamachoseraehogaleokrarioleipsanodrinhypater-
leumalosilphioparaomeblokrtakechymeuskichlefrikooyp-
nophalloperesteraleklryonepleKeshallisKigKlopeleoIag-
oicsiraibaphetragonopterygon-

4۔ دنیا کی سب سے بڑے سائز کی کتاب 'دی لٹل ریڈ الف' (the little red Elf) ہے جس کا مصنف مسٹر ولیم پی ڈوڈ ہے اس کی خاکہ کشی، طباعت و کتاب سازی وغیرہ کا سارا کام خود 'مسٹر پی ڈوڈ' نے انجام دیا ہے۔ یہ ڈی لٹل ریڈ الف صرف سات فٹ دو انچ اونچی ہے اور کھولنے پر دس فٹ تین انچ کے پھیلاؤ میں ہے۔ اس میں چونسٹھ حمد خدا کی نظمیں ہیں۔ یہ کتاب 'آردنٹینی ریڈ الف کیو' (Andentary red Elf Cave) اسٹراتھ کلائڈ ڈنوڈ میں ایک صندوق میں محفوظ ہے۔

5 ــ آئرش پریس کی کارگذاری دیکھ کر بے چاری دی لٹل ریڈ الف جھینپ گئی۔ اس مطبع نے ایک ہزار دو سو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب چھاپی جس کا وزن سوا تین ٹن یعنی ستاسی من تیس سیر ہے۔ 1967ء سے 1971ء چار سال کی مدت میں چھپی تھی جو تیس ہزار ہندوستانی بکریوں کی کھالیں اس کی جلد سازی میں اور پندرہ ہزار پونڈ کا سونا اس کی جلاکاری میں خرچ ہوا پھر بھی

صرف 500 کا مختصر ایڈیشن شائع ہو سکا۔ یہ برطانوی پارلیمنٹ کے صرف ایک صدی (1800ء تا 1900ء) کے کاغذات ہیں۔ اگر آپ تیز رفتاری سے دس گھنٹے یومیہ پڑھیے تو چھ سال میں اس کتاب کا اس قدر حصّہ پڑھ لیں گے جتنا کہ اب تک چھپ چکا ہے ابھی تو 1901ء سے 1977ء تک کی کارروائی چھپنا باقی ہے۔

6 — اتنی لمبی چوڑی اور موٹی کتابوں کا جواب تو گٹن برگ میوزیم مینز میں رکھی ہوئی وہ کتاب دے سکتی ہے جو صرف 3.5 ملی میٹر یا اعشاریہ 3 انچ لمبی اور اتنی ہی چوڑی مربع شکل کی ایک مطبوعہ سات زبانوں میں خدا کی حمد ادا کرتی ہے۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ اس کے حروف جو خوردبین کی مدد سے دیکھے جاتے ہیں، دھات کے ڈھلے ہوئے ٹائپ حروف ہیں۔ یہ دنیا کی سب سے چھوٹی سائز کی مطبوعہ کتاب ہے۔

7 — سب سے بڑا مطبوعہ تختہ کاغذ وہ ہے جس پر امریکہ کا اعلان آزادی 1706ء میں سیموئیل ٹی فری مین اینڈ کمپنی نے فلاڈلفیا میں شائع کیا تھا۔ یہ صرف سو تختے اب تک ڈھونڈے مل سکے۔

8۔ سب سے طویل ناول Les Hommes Ole Bonnavolonte المعروف بہ فرانس کے جیولس رومانس یہ لوئس ہری جین کا لکھا ہوا ناول 27 جلدوں میں 46-1932ء شائع ہوا تھا۔ جس کا انگریزی ترجمہ 'Men of Good will' 1933ء سے 1946ء تک مسلسل چھپتا رہا مگر ایک جاپانی حالیہ ناول رہا کو گا۔ دالیا سو یقیناً اس پر سبقت لے جائے گا جو 1951ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ مسٹر سوباچی یاماؤ کا یہ ناول تکمیل تک پہنچنے پر چالیس جلدوں میں ہوگا۔

9 — سب سے زیادہ قیمت کی کتاب 1455ء میں گٹن برگ مطبع جینز میں چھپی ہوئی تین والوم میں بائبل ہے۔ اسے مسٹر ادوٹو والبر سے تین لاکھ تیس ہزار ڈالر میں امریکہ کی کانگریس لائبریری نے 1930ء میں خریدا تھا۔ یہ چرمی صفحات پر ہے۔ اس کا ایک کاغذی ایڈیشن نیویارک کے ایک تاجر کتب مسٹر ہینس پیٹر کراز نے 1970ء میں دو لاکھ پچاس ہزار ڈالر میں نجی طور پر خریدا تھا۔

10 — سب سے پہلی انسائیکلوپیڈیا حکیم افلاطون کے بھتیجے پسیوسیپس

(388 - BC 408) سائن اتھنس نے 370 ق م میں مرتب کی تھی۔ اس کے بعد
اسکاٹینڈ کے ایک راہب رچرڈ نے 1149ء Exceptiones کو ترتیب دیا پھر Vitam Abbey
کے ذریعہ پیرس میں 1140ء میں لکھی گئی۔ آج سب سے بڑی انسائیکلوپیڈیا، برٹینکا خیال کی
جاتی ہے جو پہلی بار 1768ء — 1771ء دسمبر کے مہینے میں بمقام اڈنبرگ اسکاٹینڈ طبع
ہو کر منظرِ عام پر آئی تھی۔ امریکہ کے سربرآوردہ تاجران کتب کی ایک جماعت اس کا حق
طباعت حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ کرنے لگی۔ 1798ء میں بار دیگر اس کی طباعت کا حق
حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی اور 1899ء میں اس کے مالکانہ حقوق میں حصہ دار ہو گئی 1943ء
میں یہ حق شکاگو یونیورسٹی النیاس (Illinios) ریاستہائے متحدہ امریکہ منتقل کر دی گئی موجودہ
پندرھویں ایڈیشن کے تیس والوم میں تینتیس ہزار ایک سو اکتالیس صفحات تقریباً
چار کروڑ تیس لاکھ الفاظ جو چار ہزار دو سو ستر عالموں نے مل کر لکھے ہیں۔ اب بیک وقت
شکاگو اور لندن میں انسائیکلوپیڈیا مرتب ہوتی ہے۔ اس سے بھی بہت بڑی انسائیکلوپیڈیا
'ینگ لو تاتیں 22937 ابواب پر مشتمل دو ہزار چینی عالموں کی لکھی ہوئی سب سے
زیادہ معیاری انسائیکلوپیڈیا تھی جس کی اب صرف تین سو ستر باب محفوظ رہ سکے ہیں یہ بھی
سب سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔

11۔ سب سے بڑی ڈکشنری جو حال ہی میں شائع ہوئی، بارہ جلدوں میں آکسفورڈ انگلش
ڈکشنری ہے جو پندرہ ہزار چار سو ستاسی صفحات میں 1884ء سے مرتب ہونا شروع ہوئی
1928ء تک جس حد تک پہنچی اس میں نو سو تریسٹھ صفحات کا ضمیمہ 1933ء شامل کیا گیا۔
اس کے آگے مزید تین جلدوں کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے مرتب آر۔ ڈبلیو۔ برچ فیلڈ
(R. W. Burchfield) ہیں ان میں سے دو جلدیں 1975ء تا 1977ء شائع ہو چکی ہیں۔ مجموعی
الفاظ کی تعداد چار لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو پچیس ہے۔ اٹھارہ لاکھ ستائیس ہزار تین سو
چھ تصویروں کے ذریعے واضح کیے گئے حوالے ہیں اور بائیس کروڑ ستتر لاکھ اناسی ہزار
پانچ سو نواسی حروف اور اشکال ہیں۔

12۔ سب سے زیادہ قیمت ایک مخطوطے کی ایک لاکھ پونڈ ہے جو برطانوی میوزیم نے
1933ء میں حکومت امریکہ کو ادا کی۔ یہ مخطوطہ بائبل کا صرف ایک جزو ہے جو مصر میں زریں
کوہ سینا واقع ایک خانقاہ سینٹ کیتھرین میں ایک راہب کے سکونتی خلفے کے ایک

طاق میں ملی تھی 1844ء میں دوسرا حصّہ راہب موصوف نے اس بائبل کے 129 اوراق میں سے 43 اوراق کو علاحدہ کر دیا تھا جو ایک شخص نے بیگاٹ فریڈرک وان ٹیشنڈورف نے ایک ردّی کی ٹوکری میں پایا۔ اس کا زمانۂ حیات 1815ء تا 1874ء ہے اس نے اسے محفوظ کر لیا تھا۔ یہ دراصل بائبل سینائے کوڈکس کا دوسرا حصّہ ہے کسی زمانے میں اس کے صفحات کا سائز 28×16 انچ تھا مگر اب گھس کر 14×15 انچ رہ گیا ہے۔ یہ چرمی وصلیوں پر تیرھویں صدی کے جلا کاری کیے ہوئے اوراق، نیو یارک کے ایک کاروباری سٹر ایچ پی کراس نے ایک لاکھ دس ہزار فرانک میں بجرائے ٹیکس 24 جون 1968ء کو رجیس۔ لٹ لازمین کی دکان سے پیرس میں خریدا تھا۔

13۔ سب سے قدیم بائبل کوڈکس واٹی کینس Codex Vaticanus ہے جو یونان میں 350ء میں لکھی گئی۔ یہ اور روم وٹیکن 1485ء تا 1569ء برٹش لائبریری میوزیم میں رکھی ہوئی ہے۔ سب سے پہلے انگریزی بائبل کوئل کوروڈیل، اکزیٹر کے بشپ نے 1535ء میں مدون کیا تھا۔ یہ مازبرگ ہس جرمنی میں شائع ہوئی (New Testament) انجیل انگریزی میں سب سے پہلے کولون میں طبع ہوئی۔

14۔ سب سے زیادہ تعداد میں تصانیف لکھنے والے مصنف کا قلمی نام کیتھلین لنڈسے اور اصلی نام مسز میری فالکر ہے۔ جس کا زمانۂ حیات 1930ء تا 1973ء ہے۔ یہ سومرسٹ کیپ پراوِنس جنوبی افریقہ کی باشندہ اور نوسو چار ناولوں کی مصنف ہے۔ انھوں نے چھ قلمی ناموں سے کتابیں لکھیں۔ سب سے بڑی تعداد میں وہ مختصر افسانے لکھنے والے میکائیل ہاروے ہیں۔ پیدائش 1924ء کو لندن میں ہوئی۔ انھوں نے تین ہزار پانچ سو افسانے لکھے۔ ادل اسٹینلے گارڈنر جن کی ناولیں پری میسن کی سراغرسانی کارناموں سے بے حد مشہور ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ تیز رفتار لکھنے کا ریکارڈ قائم کر گئے ابھی حال میں ان کا انتقال ہوا۔ اوسطاً دس ہزار الفاظ یومیہ فرفر بولتے جاتے تھے جو قلم بند ہو کر ناولوں میں ڈھل جاتے تھے۔ دنیا میں اپنی تحریر کا سب سے زیادہ معاوضہ پانے والے مصنف ارنسٹ ہمنگوے زمانۂ حیات 1899ء تا 1961ء جنھوں نے اپنے دو ہزار الفاظ کے ایک آرٹیکل کی قیمت تیس ہزار ڈالر وصول کیے۔ لیکن مسز ڈی بورا شائنڈر ساکن مینی پولس امریکہ نے صرف پچیس الفاظ کا ایک جملہ لکھ کر فی لفظ تقریباً بارہ ہزار ڈالر کا اوّل انعام حاصل

کیا۔ انھوں نے 'پلے منتھ' کار کے توصیفی مقابلے میں چودہ لاکھ لکھنے والوں کے ساتھ شرکت کی تھی اور پانچ سو ڈالر تاحین حیات کا اوّل انعام جیتا۔

15۔ دنیا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب 'مارشل جوزف ساریانووچ زدگاوش دِلّی' عرف استالین ہے جو ایک دن میں (13 مارچ 1963ء) کو 67 کروڑ بیس لاکھ اٹھادن ہزار کتابیں ایک سو تین عالمی زبانوں میں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ زبانوں میں چھپنے والی کتاب بائبل ہے جو ایک ہزار تین سو تنانوے زبانوں میں ترجمہ ہو کر کچھ بقیمت اور بیشتر مفت پوری دنیا میں اب تک ایک ارب دس کروڑ کی تعداد میں تقسیم ہو چکی ہے۔ جب کہ لینن اور اس کے نظریات دو سو بائیس زبانوں میں ترجمہ ہو کر اب تک تیس کروڑ سے اوپر فروخت ہو چکی ہے۔ سرخ کور کی ماؤ۔ زی۔ تنگ کی تعلیمات' جون 1966ء میں اسی کروڑ کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ یہ ایک مہینے میں کتابی فروخت کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے۔ بلاقیمت تقسیم کی جانے والی کتابوں میں ایک سو نوے صفحات کی ایک کتاب 'ایک سچائی جو حیات جاوید کی منزل تک رہنمائی کرتی ہے۔ 1968ء میں جہوونس کی لکھی ہوئی واچ ٹاور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی بک لینن نیویارک کی (The Truth Eternity To That Leads) 8 مئی 1968ء کو شائع کی ہوئی اپریل 1975ء تک اکیانوے زبانوں میں 74 ملین تقسیم کی گئیں۔

16۔ دنیا کا سب سے زیادہ کتابیں چھاپنے والا مطبع آر۔ آر۔ ڈونیلی اینڈ کمپنی (المنیاس) شکاگو ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے جو 1864ء میں قائم ہوا تھا آج اس کے سات طباعتی مرکز ہیں۔ ایک سو اسی برقی پریس مشینیں۔ ایک سو پچیس آٹو کمپوزنگ مشینیں اور پچاس سے زیادہ بائنڈنگ لائن۔ شب و روز کام کرتی ہیں تقریباً اٹھارہ ہزار ٹن روشنائی اور چار لاکھ پچاس ہزار ٹن کاغذ سالانہ صرف میں آتا ہے۔ بیس کروڑ ڈالر سالانہ کا طباعت کا کام ہوتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ کتابیں شائع کرنے والا ملک ملک سوویت روس ہے۔

ضمیمہ

دنیا کے تمام حروف اور رسوم خط کے باہمی رشتے اور ان کے سلسلے کا ایک خاکہ

مشرقی تحریر

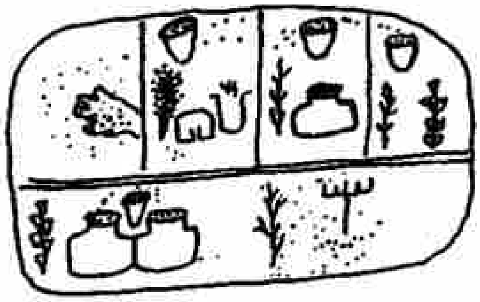

ا — زمانہ 3500 ق م۔

محققین آثار قدیمہ کے مطابق اب تک دریافت شدہ تحریر کا سب سے قدیم نمونہ! — سمیریہ کا مکمل تصویری خط کا کتبہ جو پتھر کی لوح پر کسی سخت پتھر یا دھات کے نوک دار قلم سے کھدا ہوا۔ ایک فارم کی پیداوار اور اس کو اسٹور کرنے کی رپورٹ ہے۔

"کش" مقام پر دریائے فرات کے کنارے کھدائی میں برآمد ہوا اس کا تعلق دنیا کی سب سے پرانی سمیریوں کی تہذیب سے ہے جو چار ہزار اور پانچ ہزار سال ق م میں میسوپوٹامیا میں تھی۔

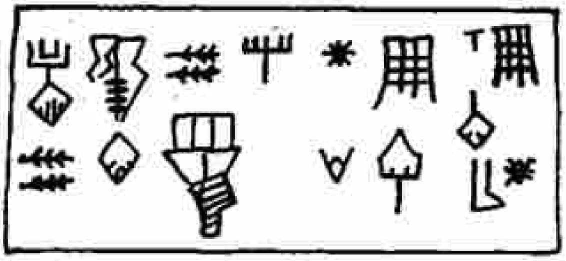

2- زمانہ 3000 ق م۔

یہ نیم تصویری یا تصوری خط کا کتبہ بھی سمیری تہذیب سے تعلق رکھتا ہے جو چکنی مٹی کی پختہ ہموار تختی پر زقل سے لکھا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے:

"میں اینا تم بادشاہ یا بادکو پکڑنے کا جال، جو آما کے لوگوں پر گھمنڈ سے بھر گیا تھا۔ میں نے نکال پھینکا۔"

اوپر سے نیچے آٹھ کھڑی سطروں میں داہنی طرف سے پڑھی جانے والی تحریر "لیگاش" مقام سے موسیو ڈی۔ سارزک نے 1878ء میں برآمد کیا۔

3- زمانہ 3200 ق م۔

سمیریوں کی وضع کی ہوئی لفظی علامتوں تصوری یا نیم تصویری خط جس کے معنی: (1) خدا یا بہشت (2) آدمی (3) عورت (4) پہاڑ (5) بیل

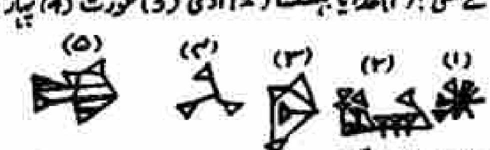

4- زمانہ 3000 ق م۔

مذکورہ بالا معنی کو ادا کرنے والی نمبر 3 پر دی ہوئی نیم تصویری علامتوں کی جگہ سمیریوں نے کیونی فارم علامتیں ایجاد کر لیں جو بالترتیب مذکورہ معانی ادا کرتی ہیں۔ یہ کیونی فارم خط بھی مٹی کی تختیوں پر لکھا جاتا تھا۔

5 - زمانہ 2900 تا 2600 ق م -

سمیری کیونی فارم علامتوں کے ساتھ ساتھ نیم تصویری علامتیں استعمال کرتے تھے بطور مثال :-

(1) گھوڑا (2) بادشاہ (3) ملکہ (4) کنیز (5) محل کی علامت -

6 - زمانہ 2500 تا 2000 ق م -

عکادیوں کی ایک شاخ بابل تہذیب کا قدیم کیونی فارم خط مٹی کی توسی تختیوں پر اسٹائلس سے لکھا ہوا نمبر 3 کی لفظی علامات بالترتیب تحریر ہیں -

7 - زمانہ 1950 ق م -

عکادیوں کی دوسری تہذیبی شاخ عاشوریوں کا کیونی فارم خط مٹی کے بڑی بڑی تختیوں پر نمبر 3 کی لفظی علامات تحریر ہیں -

8 - زمانہ 3400 تا 2400 ق م - مصری خط -

مکمل تصویری و نیم تصویری ہیرو غلیفی پیپرس پر کلک کے قلم اور روشنائی سے تحریر کیا ہوا علامات -

(1) چاند (2) ستارہ (3) سورج (4) آنکھ (5) روشنی (6) پیر (7) قلعہ -

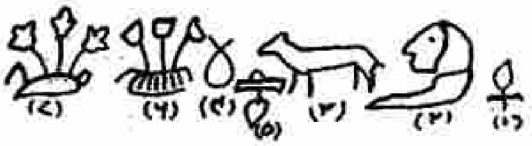

9 ـ زمانہ 2400 تا 1350 ق م۔

تصویری علامات پیپرس پر قلم دروشنائی سے تحریر تصویروں کے

مجازی معنی :۔

(1) زندگی (2) شروع (3) چالاکی (4) کپڑے (5) شام (6)

شمالی مصر (7) جنوبی مصر۔

10 ـ زمانہ 1350 تا 700 ق م مصری خط پیپرس پر قلم روشنائی

سے تحریر صوتی علامت :۔(1) ہیروغلیفی ا۔ک۔ر۔ف۔م۔ن۔بد

یکساں کئی :۔(2) ہیروطیقی ٥ ،، ،، ،، ،، ،، ،،

بلا حرف علت :۔(3) دیموطیقی ٥ ،، ،، ،، ،، ،،

(1) (2) (3) (4) (5) (6)

11 ـ زمانہ 2800 ق م چینی لکیری خط (پاکوا)

مختلف پائدار و ناپائدار چیزوں پر نوکدار آلے سے لکھا ہوا

لفظی علامات :۔ (1) آسمان (2) دلدل (3) پانی (4) طوفان

(5) ہوا ۔ (6) ٹھنڈ

چینی خط ۔

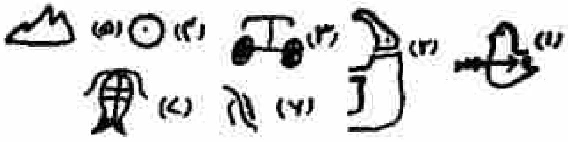

12۔ زمانہ 1333 تا 1266 ق م مکمل تصویری خط ہڈی اور کچھوے کے کھپروں پر نقش کیا ہوا لفظی علامات :۔ (1) شکار کھیلنا (2) کام کرنا (3) رتھ (4) سورج (5) پہاڑ (6) دریا (7) مچھلی۔

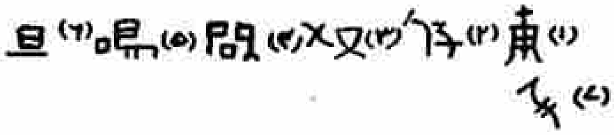

چینی خط۔

13۔ زمانہ 2000 تا 213 ق م۔ تصوری خط لکڑی کی تختیوں پر۔

لفظی علامات :۔ (1) مشرق (2) حفاظت (3) دوستی (4) پوچھنا (5) گانا (6) سویرا (7) باپ۔

14۔ زمانہ 213 تا 100 ق م تصوری خط ریشم کے پارچوں پر برش سے۔

چینی تصوری لفظی علامات :۔(1) آگ ( ) ہوا (2) پانی (3) پہاڑ۔

15۔ زمانہ 100 ء اور اس کے بعد۔

لفظی علامات :۔ (1) سورج (2) چاند (3) درخت (4) بچہ (6) سر و دماغ۔

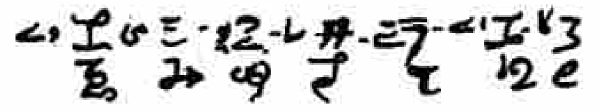

جدید تصوری خط کاغذ پر بالوں کے برش اور رنگوں سے

16 — جاپانی خط زمانہ 308 ء تصوری صوتی رکن ہجی علامتیں کاغذ پر روشنائی سے۔

(1) کاٹا کانا؛ کا۔ ے۔ تے۔ سا۔ یو۔ ی۔ وے۔

(2) ہیراگانا۔ " " " " " " "

۱۷ — قدیم سندھی خط زمانہ 3000 ق۔م۔ چھوٹی پتھر کی تختیوں پر کھدا ہوا۔

تصوری علامتیں نمبر ۱ جو پڑھی نہیں جا سکیں

نیم تصوری لفظی علامتیں نمبر 2۔ جن میں کچھ پڑھی گئیں

تصوری صوتی علامتیں نمبر 3۔ جو پڑھی جا سکیں۔

نمبر 2: بالترتیب دوستی۔ سردار۔ رات پہروں کے حساب تیرانداز۔

نمبر 3: بالترتیب۔ ا۔ ک۔ کھ۔ گ۔ گھ۔ ٹ۔ ب۔ پھ۔ س۔

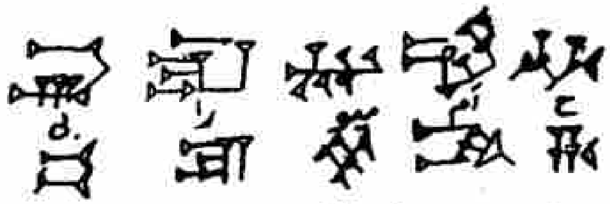

18 – کیونی فارم حروف کا ارتقاء زمانہ 2000 ق م –
بابلی خط رکن آہی صوتی علامات مٹی کی پختہ تختیوں پر اسٹائلس سے
تحریر۔ زمانہ 1200 ق م –
آشوری ترقی یافتہ خط رکن آہی مٹی کی قوسی تختیوں پر –

(۱) (۲) (۳) (۴) (۵)

19 – زمانہ 3200 ق م – ایلم کا قدیم نیم تصویری لفظی علامات کا خط۔
پتھر پر لکھے نوکتبے برآمد ہوئے –
(1) تیرانداز ۔ (2) سردار (3) روشنی (4) رات (5) چوری۔

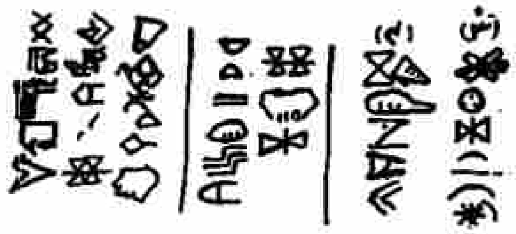

20 – زمانہ 2256 ق م – ایلم کا صوتی رکن آہی کے علامات – بائیں طرف
سے کھڑی سطروں میں مٹی کی تختیوں پر تحریر –
(1) اپنے خدا انشیوشنک کے نام جو انسان کا خالق ہے –
(2) میں شلک انشیوشنک
(3) اس مینار کو منسوب کرتا ہوں –

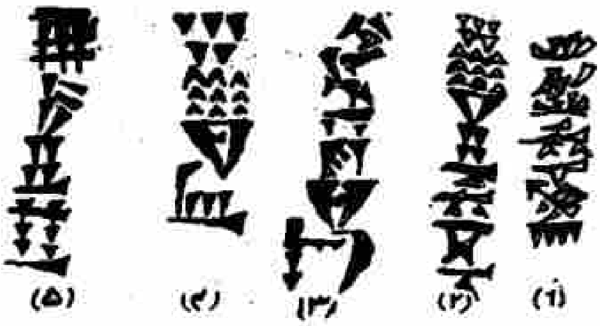

21 ــ زمانہ 1958 تا 1916 ق م کا ایلم کے دارالسلطنت شوسا میں کیونی فارم کا کتبہ ایک سات فٹ اونچی چٹان پر کھدا ہوا پایا گیا جس کا مضمون ہے:۔
"اگر ایک آدمی کسی کی آنکھ پھوڑے گا، تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی" یہ تحریر دائیں طرف سے کھڑی سطروں میں لکھی ہے۔

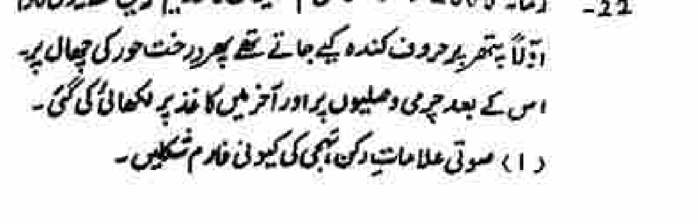

22- زمانہ 2000 تا 516 ق م۔ ایران کا قدیم ترین خط کیونی فارم
اولاً پتھر پر حروف کندہ کیے جاتے تھے پھر درخت حور کی چھال پر۔
اس کے بعد چرمی دھلیوں پر اور آخر میں کاغذ پر لکھائی کی گئی۔
(۱) صوتی علامات، رکن تہجی کی کیونی فارم شکلیں۔

23- زمانہ 3000 تا 2000 ق م حتی ماقبل تاریخ تصویری خط پتھر پر کھدا ہوا پڑھا نہیں جاسکا۔ یہ تہذیب پورے ایشیائے کوچک میں شام کے علاقے تک تھی اور اس کے قدیم تصویری خط کے کئی نمونے مختلف مدارج کے ہیں۔

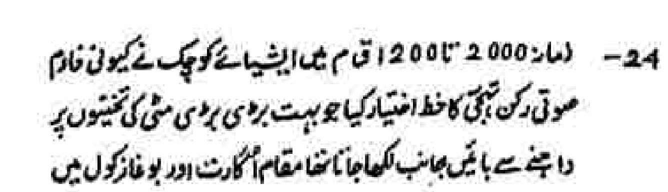

24- زمانہ 2000 تا 1200 ق م میں ایشیائے کوچک نے کیونی فارم صوتی رکن تہجی کا خط اختیار کیا جو بہت بڑی بڑی مٹی کی تختیوں پر داہنے سے بائیں جانب لکھا جاتا تھا مقام اگارت اور بوغازکول میں برآمد ہوا۔

مشرق کے دیگر تصویری خطوط جو مصر، سمیریہ اور وادیِ سندھ اور چین سے نسبت رکھتے ہیں

25 – زمانہ 300 ق م تا 480 ق م میروٹے خطیرف سوڈان کا شمالی صوبہ تصویری علاماتِ صوتی رکن ہجی تحریر داہنی طرف سے۔

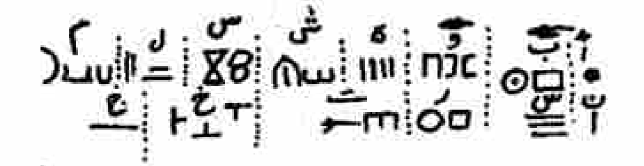

26 – زمانہ 300 ق م۔ نومادی خط لیبیا اور الجیریا کے درمیان واقع نومادیہ پایہ تخت سرتا میں تھا۔ داہنے سے بائیں جانب مصر کی طرح بغیر حروف علت کا رسم خط۔

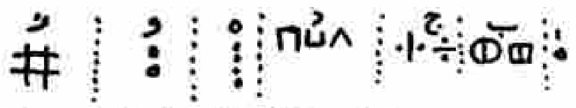

27 زمانہ 300 ق م کا بربر خط شمالی مغربی افریقہ کی ایک قدیم قوم کا خط داہنے سے بائیں جانب لکھا جاتا تھا۔

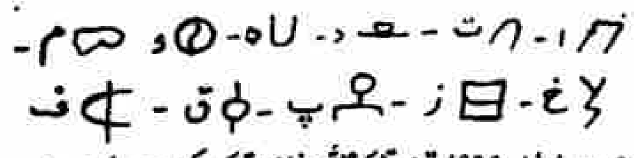

28 – زمانہ 1000 ق م قدیم حبشی خط صوتی یکسہ کنی 23 حرفی داہنے سے بائیں جانب

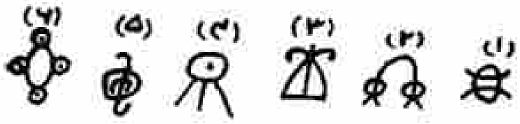

29 ۔ زمانہ 903 بامون تصویری خط افریقہ کے لفظی علامات کا طرزِ تحریر۔
(۱) بادشاہ (2) ہتھیار (3) منہ (4) پکانا (5) کھانا
(6) رات کا آرام۔

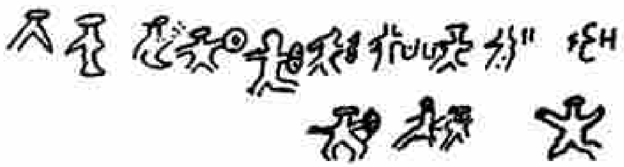

30 — جزیرہ ایسٹر کا تصویری خط جس کی اصل اور زمانۂ ایجاد نامعلوم ہے
سترھویں صدی میں لکڑی کی تختیوں پر شارک مچھلی کے کانٹے سے
لکھا ہوا پایا گیا قدیم سندھی خط سے بہت ملتا جلتا ہے۔

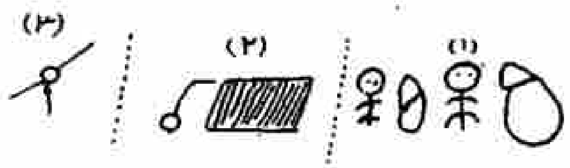

31 — افریقہ میں ایوے زبان بولنے والے نیم مہذب نگرو کے تحریر کیے
تصویری خط میں ضرب الامثال۔
(۱) دو جنگ جو ایک میدان میں نہیں رہ سکتے۔ (2) سوئی بڑے
بڑے کپڑے سیتی ہے چھوٹوں سے بڑے کام ہو جاتے ہیں (3) تاگا
سوئی کے ساتھ ہے۔ بچے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

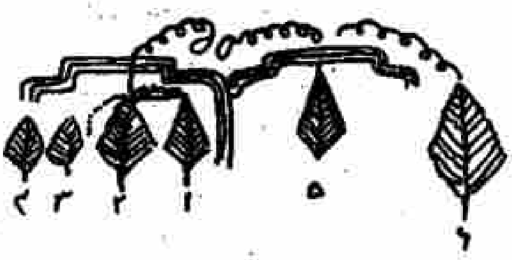

32 ۔ سائبیریا میں تصویروں کے ذریعہ المیہ داستان محبت تحریر ہوئی (۱) شوہر (2) زوجہ (3) اور (4) بچے۔ شوہر اپنی زوجہ سے خوش نہیں ہے۔ درمیانی کراس علامتوں سے ظاہر ہے۔ وہ ایک لڑکی (5) سے محبت کرتا ہے اور وہ بھی اُسے چاہتی ہے مگر (۱) زوجہ درمیان میں حائل ہے۔ ایک کنوارا (6) اس دوشیزہ (5) سے عشق کرتا ہے مگر وہ اس کی طرف ملتفت نہیں۔ اس طرح سب کی زندگی غم میں گرفتار ہے۔

الف بائی حروف (Alphabetic letters) کے رسوم خط کا سلسلہ

اور ان کا مشرقی، مغربی شجرہ

الف بائی حروف کی ایجاد کی ابتدائی کڑیاں:۔

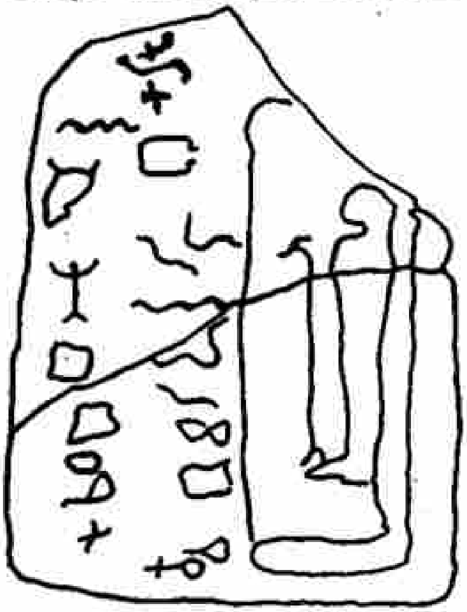

33 — زمانہ 1900 ق م 1800 ق م کے درمیان منقوش کتبہ سینائی حروف ابجد کی پہلی کڑی:۔ پتھر پر داہنے سے بائیں جانب کھدی ہوئی شمالی شامی سیری حربوں کی تحریر جسے 1931ء میں مسٹر مارٹین اسپرنگلنگ نے پڑھا۔ عبارت حسب ذیل ہے:۔

"یہ شمشں اپوادت کے مجسمہ ساز کا نذرانہ اس کی محبوبہ بعلبت کی شبیہ"

(پتھر ٹوٹا ہوا ہے اس کا نشان نمایاں ہے)

ماخذ:۔ بشکریہ مسٹر ڈگلس میک مرٹری مصنف "اسٹوری آف بک پرنٹنگ اینڈ بک میکنگ" جس سے یہ چاروں نمونے نقل کیے گئے۔

ابجد حروف کی دوسری کڑی

34- زمانہ 1300 ق م؛ ببلس کے فنیقی بادشاہ کے لوحِ مزار پر منقوش کتبے کی پہلی سطر کے کچھ حصے کی نقل ہے 1923ء میں فرانسیسی آثار قدیمہ تحقیقاتی مہم نے دریافت کیا۔

35- زمانہ دسویں صدی ق م کا ایک کانسے کا شکستہ پیالہ جس پر فنیقی زبان کی تحریر نقش ہے۔ یہ فنیقی بادشاہ 'ہرام' سے متعلق ہے یہ الف بائی خط کی تیسری تاریخی کڑی ہے۔

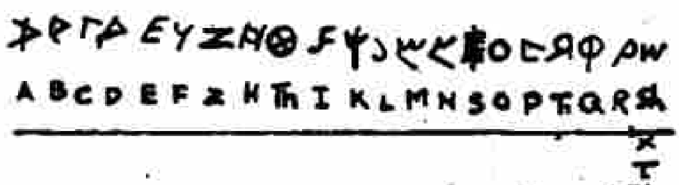

36۔ زمانہ 896 تا 884 ق م۔ سنگ موابائی (Moabite stone)
الف بائی رسم خط کی سب سے زیادہ واضح ابتدائی شکل۔ یہ تحریر
موب کے بادشاہ میشا اور اسرائیلی بادشاہ جیورام کی ایک جنگ کے
حالات سے متعلق فنیقی زبان میں ہے جس پتھر پر تحریر کندہ تھی اسے
تیزاب میں ڈال کر برباد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن شکستہ پتھر سے
صحیح سالم حروف کا عکس لے لیا گیا۔ اور مترادف انگریزی حروف
کی ترتیب سے اسے نقل کیا گیا جس نے فنیقی حروف کی ایجاد کی سب
تاریخی کڑیاں مکمل کر دیں۔

فنیقی الف بائی رسم خط سے پیدا ہونے والے دوسرے رسوم خط مشرق میں

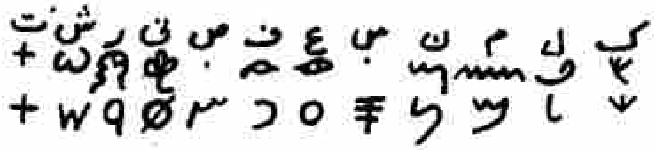

37— زمانہ 1800 تا 1600 ق م میں فنیقیوں نے سینائی کے سیری عرابوں کے خط سے بائیس حروف تہجی کا کھلا رکنی (Open Syllabic) خط ایجاد کیا۔

ان حروف کے عبرانی مجوزہ نام الف۔ بیط۔ گیمل۔ دالِط۔ ہے۔ واو زین۔ خیط۔ طیط۔ یود۔ کاف۔ لامد۔ نون۔ سامک۔ عین۔ فے۔ صادے۔ قاف۔ ریش۔ شون اور تیو ہیں۔ اسی ترتیب سے سامنے اوپر کی سطر میں سینائی اور نیچے فنیقی حروف کی شکلیں دی گئی ہیں۔

فنیقی بائیس حرفی خط 1200 تا 900 ق م میں بنا۔

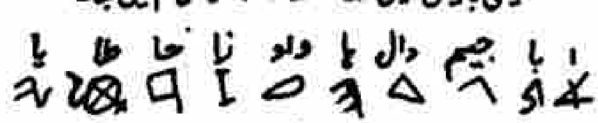

38— زمانہ نویں صدی ق م میں فنیقی خط سے صوری خط بنا اس کے ابتدائی دس حروف دیے جاتے ہیں کل اکیس حروف ہیں۔

39— زمانہ دسویں صدی ق م میں اس سے آرامی بائیس حروف بنے۔

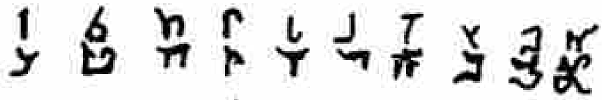

40- زمانہ: چھٹی صدی ق م میں آرامی سے اکیس حروف کا عبرانی قدیم بنا
بعد میں تیئس حروف کا جدید عبرانی بنا۔

41- زمانہ: چوتھی صدی ق م میں عبرانی سے اسماری خط بنا جس کے
تین طرز ہیں۔ (1) سنگی کتبے (2) بائبل نویسی (3) خطوکتابت کی
شکستہ تحریر۔ بائبل نویسی کا نمونہ دیا جاتا ہے۔

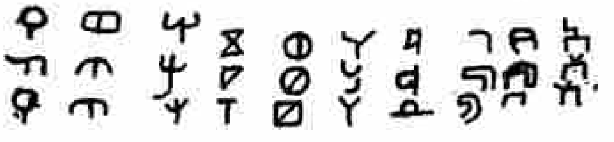

42- زمانہ: چھٹی صدی ق-م میں آرامی سے نجد و حجاز کا خط ثمودی اور یمن
کے سبائی خط وضع ہوئے۔ تینوں کی شکلوں کے نمونے دیے جاتے ہیں۔

43- زمانہ: ساتویں صدی ق م میں نینوا خط۔

44- زمانہ: چوتھی و پانچویں صدی ق م کے دوران شراپی۔

45- زمانہ: تیسری و چوتھی ق م مصری

46 — زمانہ دوسری صدی ق م پالمری یا تدمری جو کہ آرامی کا خط شکستہ ہے

47 — زمانہ پہلی صدی ق م یروشلم۔

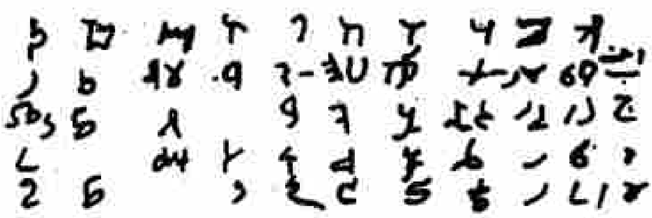

48 — الف پہلی صدی عیسوی نبطی پطرا۔

ب ۔ پہلی سے تیسری صدی عیسوی نبطی سینا۔

ج ۔ پہلی سے تیسری صدی عیسوی نبطی حجر۔

د ۔ چوتھی صدی عیسوی نبطی نمارا۔

ہ ۔ چھٹی صدی عیسوی نبطی زبدحران

الف بائی رسوم خط کا مشرقی سلسلہ

آرامی رسم خط سے پیدا ہونے والے دوسرے خط :۔

الف با جیم دال ہے واو زا حا طا یا

49 — زمانہ دوسری صدی عیسوی صفائی :۔ صفا دمشق کے شمال میں ہے

یہاں سے دو ہزار کتبے ملے۔

50 – زمانہ: چوتھی صدی عیسوی، ام الجمل واقع جنوبی عرب میں جو تحریر پائی گئی۔

51 – زمانہ: چوتھی صدی ق م: لحیانی تحریر العلا اور الحجر میں ہیوبر نے 1889 میں پائی۔

52 – زمانہ: ساتویں صدی عیسوی: کوفی خط حران ایک گرجا کے دروازہ پر کندہ حروف سے ماخذ کوفے میں ترقی دی گئی۔

53 – زمانہ: ساتویں صدی عیسوی میں:۔ نسخ کو نقش نمارہ (جنوب مشرق دمشق) سے ترقی دی گئی۔

54 – زمانہ: دوسری تا پانچویں صدی عیسوی:۔ استرانجلو شام میں مستعمل تھا۔

55 – زمانہ: نویں صدی عیسوی نسطوری خط مشرقی شام سے یہود و نصاریٰ شمالی ایران لے گئے۔

56- زمانہ آٹھویں صدی ع ۔ یعقوبی مغربی شام میں ادیسا کے بشپ
جیکب برلوس ادلو نے ایجاد کیا۔

57- زمانہ بارھویں صدی ق م ۔ براہمی خط فنیقی الف بائی حروف سے
ماخوذ۔

58- زمانہ پانچویں صدی ق م کھروشٹی افغانستان کے علاقے کی باختری
اور ہندی تحریر۔

59- زمانہ 250 ق م سے 250 ع تک پہلوی آرامی سے بنی اور ایران
میں رائج تھی۔

60- زمانہ چوتھی صدی ع ۔ آوژند یستا آرامی سے بنی ایرانی پارسیوں کی تھی۔

61- زمانہ چوتھی صدی ع ۔ آرمینائی کو آرامی، پہلوی اور یونانی سے
سینٹ مسروپ نے بنایا۔

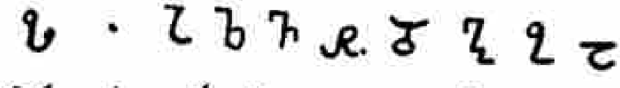

62۔ زمانہ پانچویں صدی ء ۔ جارجیائی بھی مذکورہ بالا خطوں سے مرکب تھا۔

63۔ زمانہ دوسری صدی ق م ۔ سوغدی آرامی خط سے بنا اور نویں صدی ء تک پورے وسط ایشیا اور شمالی مشرقی چین تک پھیل گیا۔

64۔ زمانہ آٹھویں صدی ء ویغور خط نسطوری سے بنا اور منگولیا میں پھیل گیا۔

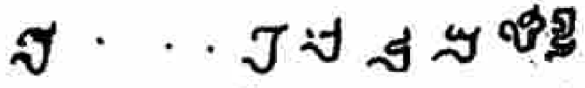

65۔ زمانہ تیرھویں صدی ء میں قلماقی یوئگر سے بنا۔

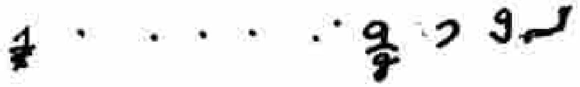

66۔ زمانہ تیرھویں صدی عیسوی میں منگولیائی خط یوئگر سے بنا۔

67۔ زمانہ سترھویں صدی ء میں مانچو یوئگر سے بنا۔

68۔ زمانہ آٹھویں صدی ء میں پالسی آرامی اور سوغدی سے بنا۔

براہمی اور کھروشٹی رسوم خط سے ہندوستانی اور دیگر ممالک کے رسوم خط کا سلسلہ

خطِ براہمی کا سلسلہ:-

69- زمانہ تیسری صدی ق م براہمی اشوک کے زمانے کی۔

70- زمانہ چوتھی صدی ع گپتا لکھائی ۔

کی پلیٹ پر ہرش وردھن کے زمانے تک

72- زمانہ بارھویں صدی ع کامروپ آسام میں رائج تھی۔

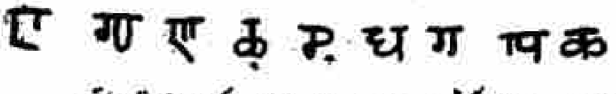

73- زمانہ آٹھویں صدی ع شاردا پنجاب و کشمیر میں مستعمل تھی۔

74- زمانہ پانچویں صدی ع چوکور سرو لکھائی وسط ہند میں۔

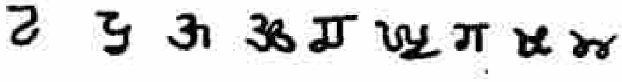

75- زمانہ انیسویں صدی ء ٹنکری (ٹھکری) شاردا کا خط شکست
کشمیر کی سرکاری تحریر۔

76- زمانہ بارھویں صدی ء کیو کچھا خط برہمی کی ایک شاخ پالی سے لنکا
کے بودھوں نے برما میں بنایا۔

77- زمانہ نامعلوم تاڑ کی پتیوں پر لکھا خط چالو بنہ برما میں مستعمل تھا۔
جو کیو کچھ سے نکلا۔

78- زمانہ تیرھویں صدی عیسوی میں بورومات سے تھائی خط بنا جس پر
چینی خط کے اثرات ہیں۔

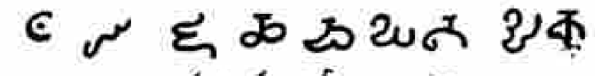

79- زمانہ چھٹی صدی ء میں اکثر مول کبوڈیا (کبوجیا) کا خط برہمی سلسلے
کا ہے۔

80- زمانہ ساتویں صدی ء میں قدیم جاوی جنوبی ہند کی گرنتھ لپی سے بنی۔

81- زمانہ آٹھویں صدی ء کا کیرت رسم خط گپتا خط سے بنا ہے نیپال میں
رائج ہے۔

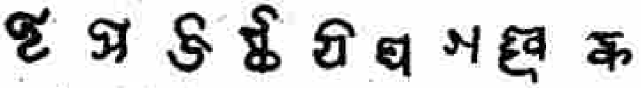

82- زمانہ چودھویں صدی ء کا بھوجنی مول خط کٹیل سے پیدا ہوا۔ نیپال میں
رائج ہے۔

83- زمانہ نامعلوم میں یوچن خط گپتا خط سے بنا تبت کے وسطی صوبہ
کا خط ہے۔

84- زمانہ تیرھویں صدی ء کا پاسیپا خط تبت میں مستعمل ہے۔

85- زمانہ نامعلوم سے لیپچا یا رونگ خط سکم میں مستعمل ہے۔
موخرالذکر دونوں خط نمبر 84 اور 85 برہمی سے بنے ہیں۔
اس طرح جنوب مشرقی ممالک اور جاپانی خطوں میں تمام
رسوم خط برہمی کا سلسلہ ہیں۔

ہندوستان کے جدید رسوم خط کا سلسلہ

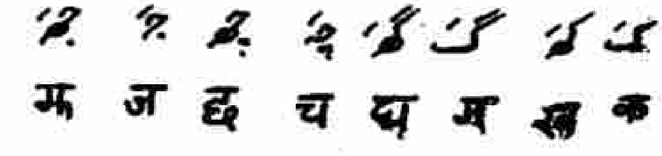

86۔ زمانہ آٹھویں صدی ء میں دیوناگری خط کوٹل اور گپتا خطوط سے بنارس
شہر میں بنایا گیا۔

87۔ زمانہ گیارھویں صدی ء میں بنگلہ خط دیوناگری سے پیدا ہوا اور پندرھویں
صدی میں مکمل ہوا۔

88۔ زمانہ سولھویں صدی ء میں گرمکھی خط پنجاب میں سکھ مذہب کی
کتابیں لکھنے کے لیے گرو انگد دیو نے ایجاد کیا اس میں کچھ حروف
دیوناگری کے کچھ شاردا کے اخذ کیے گئے ہیں۔

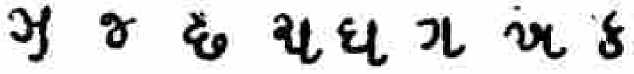

89۔ زمانہ پندرھویں صدی عیسوی میں گجراتی خط دیوناگری سے بنایا گیا۔

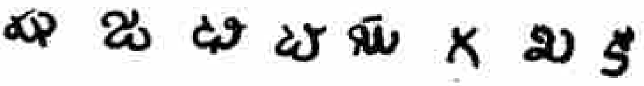

90۔ زمانہ پندرھویں صدی ء میں تیلگو خط براہمی خط کی جنوبی شاخ سے بنایا گیا۔

91 ـ زمانہ پندرھویں صدی ء میں تامل خط نے برہمی خط کی جنوبی شاخ سے نشو و نما پائی۔

92 ـ زمانہ آٹھویں صدی ء میں ملیالم خط دکن کے گرنتھ خط سے پیدا ہوا آگے چل کر اس میں تامل کے کچھ حروف کا اضافہ ہوا۔

93 ـ زمانہ نویں صدی ء میں اتکو خط کرگ ریاست کے لوگوں کے لیے وضع کیا گیا۔

94 ـ زمانہ سولھویں صدی ء میں اُڑیا خط دیوناگری اور بنگلہ خط سے بنایا گیا۔ یہ اڑیسہ میں مستعمل ہے۔

رسومِ خط کا سلسلہ اور باہمی رشتے

(مغربی سلسلہ)

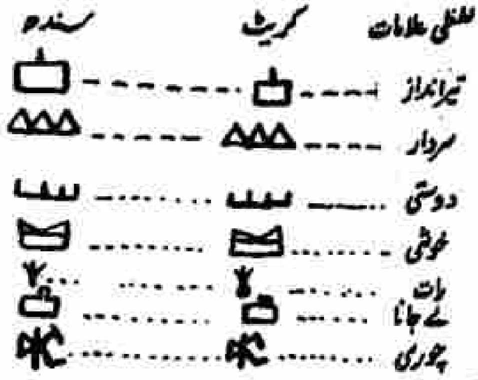

95 ۔ یورپ کی سرزمین پر ماقبل تاریخ تحریری نشانات کریٹ میں ملتے ہیں جن کو پورے طور پر پڑھا نہیں جاسکا اس کے نمونے سامنے دیے گئے ہیں۔ ان کا زمانہ 3200 تا 1400 ق م ہے۔ پتھر اور مٹی کی تختیوں پر تحریریں، جو علامتیں پڑھی جاسکی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا قریبی رشتہ سمیریا، مصر قدیم، ایلم قدیم اور ماقبل تاریخ وادیٔ سندھ سے ہے جو اکثر مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سر آرتھر ایوان کی دریافت ہیں۔ یہاں کریٹ کی تصویری علامتوں کا قدیم سندھی ماقبل تاریخ خط سے تقابل ہے۔

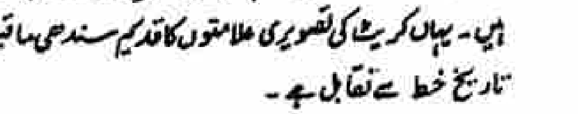

96 ۔ زمانہ 1400 تا 1100 ق م میں قبرصی مینونیکی صوتی علامات کا خط اسی سے پیدا ہوا۔

97- زمانہ 1400 تا 700 ق م قبرصی خط لکیری طرز کا وجود میں آیا۔

98 ۔ زمانہ 1500 تا 1100 ق م یونانی اور سینا کے ملاپ سے یونان میں صوتی رکنی خط کریٹ کے خط سے پیدا ہوا۔

الفا بیٹا گاما ڈیلیا اپسلون زیٹا ریٹا تھیٹا لوٹا کپا لیمڈا

99 ۔ زمانہ 1300 ق م میں فنیقی الف بائی رسم یونان کے شمالی صوبہ بوسیا پہنچا۔

100- زمانہ آٹھویں اور ساتویں صدی ق م میں یونانی خط کے انیس فنیقی اور پندرہ ان کے ایجاد کیے ہوئے حروف اطالیہ پہنچے اور ابرسکن نے ان سے اپنا رسم خط بنایا۔

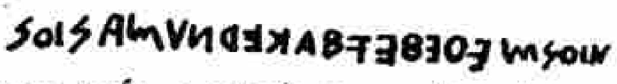

101- زمانہ ساتویں صدی ق م لاطینی خط داہنے سے بائیں پلیسٹرینا اطالیہ میں 1926ء میں برآمد ہوا۔

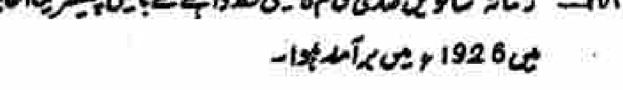

۱۰۲- زمانہ نویں صدی ء میں گلاگولٹک خط یونانی سرلک شاخ سے بنا۔

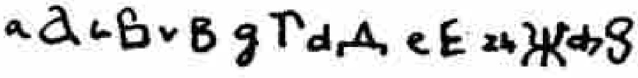

— : نویں صدی ء میں ابتدائی سرلک خط یونانی بیالیس حروف سے بنا۔

104— اس زمانے میں بلگیریائی سرلک خط ابتدائی سرلک سے بنا۔

105— 1708ء میں روسی سرلک یا کوشک ابتدائی سرلک سے بنا۔

فنیقی الف بائی رسم خط کا مغربی سلسلہ

یورپ میں الف بائی حروف کی ابتدائی شکلیں

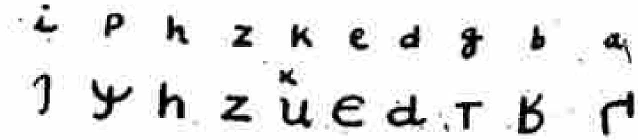

106— زمانہ چوتھی صدی ء میں گوتھک خط ایک مسیحی مشن نے بنایا جس میں
انیس یونانی حروف چھ لاطینی اور دو رونک حروف بھی شامل تھے۔

107— آٹھویں صدی عیسوی میں قدیم ہنگرین خط بنا جس کی لکھائی دائیں سے
بائیں، بائیں سے دائیں دونوں رخ پر تھی۔

108— زمانہ نامعلوم بارڈک خط غالباً ریونک سے بنا جو کلٹک اسنڈو یورپی
قبیلہ بارڈ سے موسوم ہے۔

109 زمانہ 500 اور 300 ق م کے دوران آئبیرین خط ہسپانیہ میں بنا۔
لکھائی دائیں جانب سے تھی۔

110۔ زمانہ چوتھی صدی ق م میں اوگھام جنوبی آئرستان کے ڈریوڈ کی
ایجاد ہے۔ د اوگھام کلٹک بت پرستوں کے معبود کا نام ہے۔

111۔ زمانہ پہلی دوسری صدی ء میں قدیم جرمن ریون خط میں ٹیوٹن قبیلہ
قبر کے پتھروں پر خفیہ طلسمی تاثیر کے حروف لکھتا تھا۔

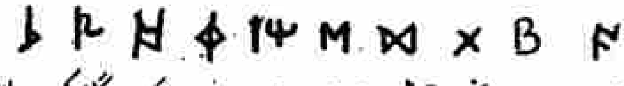

112۔ زمانہ پانچویں چھٹی صدی ء سے دسویں صدی ء تک اینگلو سکیسن ریون
خط جرمن قبائلی حملہ آور انگلستان میں استعمال کرتے رہے رومن کے
آنے کے بعد ختم ہوگیا اور رومن خط رائج ہوا۔

113 — زمانہ نویں صدی ء میں: سکینڈے نیویائی ریون خط ریون کے ڈنمارک سویڈن اور ناروے پہنچنے پر پیدا ہوا اور تیرھویں صدی ء میں اس کا زوال شروع ہوا۔ سترھویں صدی تک کچھ حروف تھے۔

114 — زمانہ دسویں صدی ء میں ڈاٹیڈ ریون خط عیسیٰ مذہب اور لاطینی خط شمالی یورپ اور انگلستان میں درآمد ہونے پر وجود میں آیا۔ یہ دراصل ریون کے رومن حروف میں متبدل ہونے کا نام ہے — تیرھویں صدی ء نصف اوّل میں اس کی تکمیل ہوئی۔

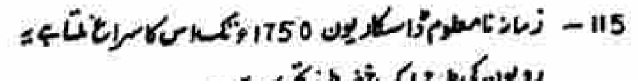

115 — زمانہ نامعلوم ڈاسکار یون 1750ء تک اس کا سراغ ملتا ہے یہ رویون کی طرح ایک خفیہ طرز تحریر ہے۔

کتابیات

S. No.	Name of Book	Name of Author	Ref. Edition
1.	Historians' History of the world	Edited by H. S. William LLD	London 1908
2.	The Book: Story of printing and Book Making	Douglas C.Mc Murtrie	Oxford University Press 1966
3.	Compton's Encyclopaedia:	The Story of Book Through the Ages	London 1924
4.	Black on White	The Story of Book by M. Ilin, Translated by Beatrice Kincead	New York 1932
5.	History of Book	Svend Dahl	New York 1962
6.	Encyclopaedia Britannica		Cambridge University Press 1910
7.	History of Book and Imperial Libraries of Iran	Ruknudding Humayun Farrukh	Tehran 1973
8.	From Papyrus to Paperback	E. S. Herveley and J. Hampdon	London 1958
9.	Primitive Research of Mankind	Max Schemidt	
10.	Man before Metal	N. Jolly	London 1892
11.	Evolution in Art	A. C. Haddon	London 1895
12.	Review of Indological Research on Vedic Literature	Dr. G. V. Devasthali Edited by P. J. Chinmulgund I. C. S.	Hyderabad 1960
13.	History of Telgu Literature	D. Ramaiya Rao, Translated by Zinat Sajida	Anjuman Tarraqqi Urdu
14.	History of Urdu Literature	Ram Babu Saxena	Nawal Kishore Press Lucknow 1937
15.	Libraries and Automation	Barbara Evans Markuson	Library of Congress Washington 1974

S. No.	Name of Book	Name of Author	Ref. Edition
16.	Manual of Libraries Economy	R. North Wood	London 1968
17.	Librarianship	Frank Atkinson	Clive Bingley London 1974
18.	The Librarian and his World	Chamberlain	Victor Gollancz Ltd. London 1968
19.	Introduction to librarianship	Edmund V. Corbett	London 1969
20.	Progress in Library science	Edited by Robert L. Collison	London Butter Worth 1967
21.	The Five Laws of Library Science	S. R. Ranganathan	Asia Publishing House 1963
22.	The Readers Guide Series	K. E. Harrison	Clive Bingley London
23.	Librarianship in the Developing Countries		London 1966
24.	Function of Bibliography	Roy Stokes	London 1969
25.	Technique of information Retrieval	K. C. Vickery	London 1970
26.	The Story of Book	Agnes Allen	Faber & Faber London 1967
27.	History of Babylone and Assiria	Wright	
28.	Life Under Pharaohs	Leonard Cottrell	London 1955
29.	History of Early Church	William Mauro	-
30.	Hindi Sahitya Ethas	Rai Saheb Shyam Sunder	
31.	Essays on the history of Mankind in Rude and Cultivated Ages	James Dunbbar	

S. No.	Name of Book	Name of Author	Ref. Edition
32.	Rocks Classified and Described	Bur Whardt Van. Cotta	1866
33.	Moors in Spain	Stanely Lanepole	
34.	The Origin of the Indian Brahmi Alphabet	George Buhler	
35.	Alphabet	Isaac Taylor	London 1883
36.	Early Russia	T. Golubeva & L.G. Gillerabun	Moscow 1960
37.	Facts on Cultural Exchange	A.P. Elexandruy President of Academy of Science	Moscow 1971
38.	Books for All	UNESCO	
39.	The Book Hunger	Edited by Ronald Barker and Robert Escarpet.	New York 1974
40.	Annual Report of Indian Book Industry		Rajnesh Foundation Publisher Poona 1976
41.	An Introduction to Bibliography for Library Students.	Ronald Mckerrow	Oxford Calrendan Press 1962
42.	Encyclopaedia America Vol. 17	-	USA Chicago Edition 1961
43.	The Golden Treasure of Knowledge Vol. 14 Ancient India, Aryans and Dravidians Culture Mohenjodaro Sanskrit Writing	-	-
44.	World Wide Encyclopaedia	-	-
45.	Paper: History, Source and Manufacture	Madox	-
46.	Comparative Librarianship	N.N. Gidwani	-
47.	W. B. Publications	UNESCO	1975

S. No.	Name of Book	Name of Author	Ref. Edition
48.	Book Trade of the World	UNESCO	1975
49.	Translation Volume 21	UNESCO	1975
50.	Himaliyan Geological History		P. D. L. New Delhi 1976
51.	Systematic Bibliography	A. M. L. Robinson	Olive Bengley 1971
52.	A New Introduction to Bibliography	Philip Gas Kell	Oxford London 1971
53.	World Alphabets Their Origin and Development	Ishwar Chandra Rahi	Oxford London 1972

عرضِ مصنّف

وہ تمام ذرائع معلومات: آرکائیوز میوزیم اور لائبریریاں جن سے میں نے اس کتاب کے لیے مواد حاصل کیا، میں ان کے لائبریرین اور منتظمین کا بے حد احسان مند ہوں۔ سب سے زیادہ مولانا امداد صابری صاحب کا جنھوں نے عیسائی مشنریوں کی اردو خدمات کے بارے میں نایاب معلومات نہایت فیاضی سے عطا فرمائیں اور نسیم صاحب، مالک ادارہ دانش محل لکھنؤ کا جنھوں نے وقتاً فوقتاً ضروری کتابوں کی طرف بیدریغ رہبری کی۔ خصوصی شکریہ جامعہ ملیہ دہلی کی لائبریری اور اس کے لائبریرین جناب شہاب الدین صاحب کا ادا کرنا چاہیے جنھوں نے نہ صرف اہم کتابوں کے حصول میں میری مدد فرمائی بلکہ بڑے خلوص دل سے اس کتاب کی نظم و ترتیب پر توجہ مبذول فرمائی۔ نیز سیّد جعفر عبّاس صاحب کا جنھوں نے مجھے اس راہ پر لگایا۔

شایاں قدوائی